

# ہدایہ

پراعتراضات کا علمی جائزہ



جمع و ترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب



## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	موضوع
11	اعتراض نمبر 1۔ دوسری شادی کرنے والے کا کنواری بیوہ دلہن کے پاس قیام۔
14	اعتراض نمبر 2۔ مذبحہ حاملہ جانور کے حمل کا حکم۔
18	اعتراض نمبر 3۔ گدھوں اور گھوڑوں کی حرمت و حلت کے بارے میں۔
20	اعتراض نمبر 4۔ مرنے والے کے ذمہ روزوں کی قضا کا حکم۔
23	اعتراض نمبر 5۔ رضاعت کب ثابت ہوگی۔
24	اعتراض نمبر 6۔ کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔
29	اعتراض نمبر 7۔ حق مہر کم سے کم کتنا ہو۔
32	اعتراض نمبر 8۔ والد کی ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا حکم۔
33	اعتراض نمبر 9۔ گم شدہ اونٹ کو قبضہ میں لینے کا حکم۔
35	اعتراض نمبر 10۔ غسل دیتے وقت مرنے والی عورت کے بالوں کا حکم۔
37	اعتراض نمبر 11۔ صلوٰۃ استسقاء باجماعت ادا کی جاسکتی ہے۔
41	اعتراض نمبر 12۔ دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کا حکم۔
51	اعتراض نمبر 13۔ ایک رکعت وتر کا حکم۔
71	اعتراض نمبر 14۔ صلاۃ کسوف میں ایک سے زائد رکوع ہونے کا بیان۔
79	اعتراض نمبر 15۔ دانوں اور کھجوروں کا نصاب زکوٰۃ۔
85	اعتراض نمبر 16۔ جلسہ استراحت کا حکم۔
96	اعتراض نمبر 17۔ دوہری اذان کا حکم۔
101	اعتراض نمبر 18۔ پگڑی پر مسح کرنا۔

- 104 اعتراض نمبر 19۔ تیمم کے لیے ایک ہی ضرب کافی ہے۔
- 113 اعتراض نمبر 20۔ نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں۔
- 115 اعتراض نمبر 21۔ غائبانہ نماز جنازہ کا حکم۔
- 119 اعتراض نمبر 22۔ اذان و اقامت کے کلمات کا حکم۔
- 122 اعتراض نمبر 23۔ شراب کا سرکہ۔
- 126 اعتراض نمبر 24۔ عورت کو مسجد جانے سے نہیں روکا جاسکتا۔
- 137 اعتراض نمبر 25۔ بھول معاف ہے۔
- 140 اعتراض نمبر 26۔ غلام کا قصاص بھی ہے اور دیت بھی۔
- 145 اعتراض نمبر 27۔ کتے کی خرید و فروخت کا حکم۔
- 148 اعتراض نمبر 28۔ مسجد میں نماز جنازہ کا حکم۔
- 155 اعتراض نمبر 29۔ کافر کا قصاص مسلمان سے نہیں لیا جائے گا۔
- 157 اعتراض نمبر 30۔ عورتوں کا عید گاہ جانا۔
- 163 اعتراض نمبر 31۔ قصاص، تلوار کے ساتھ خاص نہیں۔
- 166 اعتراض نمبر 32۔ تکبیرات عیدین کتنی اور کب۔
- 168 اعتراض نمبر 33۔ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا از حد ضروری ہے۔
- 174 اعتراض نمبر 34۔ ایام تشریق سارے سارے ایام ذبح ہیں۔
- 179 اعتراض نمبر 35۔ زمین بٹائی پر دینا جائز ہے۔
- 181 اعتراض نمبر 36۔ نابینا امامت کر سکتا ہے۔
- 184 اعتراض نمبر 37۔ ہرنشہ آور چیز حرام ہے۔
- 193 اعتراض نمبر 38۔ درندوں کے چمڑے کا استعمال ممنوع ہے۔
- 199 اعتراض نمبر 39۔ جس چیز کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قتل بھی حرام ہے۔
- 201 اعتراض نمبر 40۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔
- 210 اعتراض نمبر 41۔ جس برتن میں کتانہ مارے اس سات بار دھونا ضروری ہے۔

- اعتراض نمبر 42۔ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ 214
- اعتراض نمبر 43۔ گانا سننا حرام ہے۔ 216
- اعتراض نمبر 44۔ کافر، مشرک اور برہنہ آدمی کا بیت اللہ میں داخلہ ممنوع ہے۔ 218
- اعتراض نمبر 45۔ بیت اللہ کی چھت پر نماز، ممنوع ہے۔ 223
- اعتراض نمبر 46۔ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ کا ہونا۔ 225
- اعتراض نمبر 47۔ عورت، عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔ 230
- اعتراض نمبر 48۔ بائع اور مشتری کی بیع کب فسخ ہوگی۔ 235
- اعتراض نمبر 49۔ سات سالہ بچہ امامت کرا سکتا ہے۔ 239
- اعتراض نمبر 50۔ توڑک سنت رسولؐ ہے۔ 243
- اعتراض نمبر 51۔ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ 249
- اعتراض نمبر 52۔ رات کی نماز، ایک سلام کے ساتھ نو رکعت پڑھنا درست ہے۔ 251
- اعتراض نمبر 53۔ اقامت کے بعد نفل کا حکم۔ 263
- اعتراض نمبر 54۔ ہر قسم کا سود بیع ترین گناہ ہے۔ 272
- اعتراض نمبر 55۔ فرض کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم۔ 279
- اعتراض نمبر 56۔ حلالہ حرام ہے۔ 283
- اعتراض نمبر 57۔ رضاعت کے متعلق اکیلی عورت کی گواہی کا حکم۔ 285
- اعتراض نمبر 58۔ ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔ 289
- اعتراض نمبر 59۔ بسم اللہ جبراً پڑھنا۔ 301
- اعتراض نمبر 60۔ کسی کے لیے بھی نماز عید سے قبل قربانی کرنا جائز نہیں۔ 308
- اعتراض نمبر 61۔ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات کہنی ہوں گی۔ 310
- اعتراض نمبر 62۔ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں۔ 314
- اعتراض نمبر 63۔ قربانی کے اونٹ کو اشار کرنا جائز ہے۔ 315
- اعتراض نمبر 64۔ نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات کہنا بھی ثابت ہے۔ 317



- 324 اعترض نمبر 65۔ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت نبویؐ ہے۔
- 333 اعترض نمبر 66۔ عورت کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے امام درمیان میں کھڑا ہو۔
- 335 اعترض نمبر 67۔ دورانِ مدتِ حمل گر جانے والے بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔
- 339 اعترض نمبر 68۔ شاتمِ رسولؐ ذمی واجب القتل ہے۔
- 343 اعترض نمبر 69۔ مسلمان اور کافر کی دیت برابر نہیں۔
- 344 اعترض نمبر 70۔ سفر میں قصر و اتمام دونوں جائز ہیں۔
- 351 اعترض نمبر 71۔ تین میل کا فاصلہ ہو جانے سے قصر کا آغاز ہو جاتا ہے۔
- 357 اعترض نمبر 72۔ ظہر و عصر کا افضل و اول وقت۔
- اعترض نمبر 73۔ بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے۔
- 371 اعترض نمبر 74۔ جمعہ کے دن نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر پڑھنا مسنون ہے۔
- 373 اعترض نمبر 75۔ سورۃ حج و سجدوں پر مشتمل ہے۔
- 378 اعترض نمبر 76۔ سجدہ تلاوت واجب نہیں۔
- 381 اعترض نمبر 77۔ دورانِ وضو ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔
- 384 اعترض نمبر 78۔ اونٹ میں قربانی کے دس حصے ہیں۔
- 388 اعترض نمبر 79۔ پورے گھرانہ کی طرف سے ایک بکری قربانی کفایت کر جائے گی۔
- 390 اعترض نمبر 80۔ سفر میں بھی جمع بین الصلا تین کرنا مسنون ہے۔
- 400 اعترض نمبر 81۔ قربانی نفل ہے۔
- 404 اعترض نمبر 82۔ وتر کی تین رکعات کے درمیان سلام پھیرنا۔
- 409 اعترض نمبر 83۔ سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔
- 413 اعترض نمبر 84۔ زبردستی کی وجہ سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔
- 421 اعترض نمبر 85۔ ریشمی کپڑے کا استعمال کسی طور جائز نہیں۔
- 424

- اعتراض نمبر 86۔ صدقہ فطر کی ادائیگی صرف مسلمان پر ہے۔ 433
- اعتراض نمبر 87۔ اگر ظہر پانچ رکعت پڑھادیں تو دو جہدے سہو کافی ہوں گے۔ 436
- اعتراض نمبر 88۔ نفل پڑھنے والے کی اقتداء فرض پڑھنے والے کیلئے جائز ہے۔ 437
- اعتراض نمبر 89۔ نماز میں شک میں مبتلا ہونے والا یقین پر بناء کرتے ہوئے نماز مکمل کر کے جہدہ سہو کر لے۔ 440
- اعتراض نمبر 90۔ جہدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر لگانا ضروری ہے۔ 446
- اعتراض نمبر 91۔ کھجور کی بیج کھجور کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ سود ہے۔ 447
- اعتراض نمبر 92۔ جمع بین الصلا تین میں ایک اذان اور اقامتیں ہوں گی۔ 451
- اعتراض نمبر 93۔ زندہ جانور کے ہڈ لے گوشت کی بیع ممنوع ہے۔ 454
- اعتراض نمبر 94۔ تازہ کھجور کی بیج خشک کھجور کے ساتھ برابری پر بھی جائز نہیں۔ 455
- اعتراض نمبر 95۔ بیع عرایا (اندازہ کر کے بیع کرنا) کی رخصت ہے۔ 457
- اعتراض نمبر 96۔ کسی بھی صورت میں وقف، وقف کرنے والے کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔ 460
- اعتراض نمبر 97۔ شراب کی بیع ہر صورت میں حرام ہے۔ 463
- اعتراض نمبر 98۔ صدقہ فطر کیلئے نصاب زکوٰۃ فرض نہیں۔ 465
- اعتراض نمبر 99۔ نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) کہنا ہے نہ کہ کوئی اور جملہ۔ 470
- اعتراض نمبر 100۔ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا سنت نبویؐ ہے۔ 475

## عرض مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

محترم قارئین کرام! برصغیر پاک و ہند میں جب سے غیر مقلدین کا فرقہ نمودار ہوا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک اس فرقہ کی طرف سے اہل سنت والجماعت کے خلاف تقریر و تحریر، محاذ آرائی جاری ہے خاص کر امام اعظم ابوحنیفہؒ التوفی ۱۵۰ھ کی شان میں گستاخیاں کرنا اور ان پر تنقید کرنا بلکہ ان کی توہین کرنا اور اس فرقہ کے بعض افراد کا امام ابوحنیفہؒ کی تکفیر کرنا بھی ثابت ہے۔ یہاں پر گنجائش نہیں کیونکہ اصل کتاب کافی ضمیمہ ہوگئی ہے اس لیے مقدمہ کو انتہائی مختصر کیا گیا ہے۔ ورنہ ہر بات کا ثبوت موجود ہے امام صاحب کے علاوہ آپ کے استاد زہد آپ کے شاگردوں اور دیگر فقہائے احناف کو بھی ان لوگوں نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ (دیکھئے الجرح علی ابی حنفیہ۔ و امام ابوحنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں) یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ لوگ فقہ حنفی جو یہاں صدیوں سے رائج ہے اس کو چھوڑ دیں اور ہماری جدید فقہ پر عمل کریں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کے خلاف اس فرقہ کی طرف سے بے شمار کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:-

(۱) الظفر المبین فی ردِّ مغالطات المقلدین۔ مصنف: غلام محی الدین، تاجر کتب لاہور

(۲) الظفر المبین جدید حصہ دوم۔ مصنف: مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی

(۳) فتح المبین علی رد مذہب المقلدین۔ مصنف: علامہ بدیع الزماں برادر اکبر علامہ وحید الزماں

(۴) فقہ احناف کے اسراری گر۔ مصنف: مولانا عبد الجلیل سامرودی

(۵) حقیقت الفقہ۔ مصنف: مولانا محمد یوسف بے پوری

(۶) سبیل الرسول۔ مصنف: مولانا محمد سیالکوٹی

(۷) احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ۔ مصنف: مولانا اشرف سلیم

(۸) احناف کا رسولؐ سے اختلاف۔ مصنف: حافظ فاروق الرحمن یزدانی

مصنف: مولانا رحمت اللہ ربانی

(۹) راہ نجات قرآن وحدیث۔

مصنف: پیر بدیع الدین شاہ راشدی

(۱۰) فقہ وحدیث۔

(۱۱) کیا فقہ حنفیہ قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے۔ مصنف: پروفیسر ڈاکٹر سید طالب الرحمن شاہ

ہم نے یہاں پر صرف گیارہ کتابوں کے نام لکھے ہیں ورنہ ایسی بے شمار کتابیں موجود ہیں۔

اوپر ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان سب میں بھی ہدایہ پر اعتراضات کیے گئے ہیں مگر ہم

یہاں پر چند ایسی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو صرف ہدایہ کے رد میں لکھی گئی ہیں:-

(۱) اصلاح الہدایہ۔ علامہ وحید الزماں۔ (۲) تنقید الہدایہ۔ علامہ وحید الزماں۔ (۳) اغلاط ہدایہ یعنی

ورایت محمدی۔ مولانا محمد صاحب جو ناگزہی۔ (۴) ہدایہ عوام کی عدالت میں۔ خولجہ محمد قاسم صاحب۔

(۵) شمع محمدی۔ مولانا محمد صاحب جو ناگزہی۔ (۶) احادیث ہدایہ فی تحقیقی حیثیت۔ مولانا ارشاد الحق

ارشادی۔ (۷) فقہ وحدیث۔ پیر بدیع الدین شاہ راشدی یہ کتاب 20x26/8 سائز کے

189 صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمہ وتبویب الشیخ ذوالفقار علی طاہر نے کی ہے اور تقدیم مولانا عبد اللہ

ناصر رحمانی صاحب نے فرمائی ہے ناشر جمعیت اہل حدیث سندھ حلقہ کراچی ہے۔ اس کتاب میں

ص 40 سے لے کر ص 139 تک پورے ایک سو (100) ایسے مسائل ہدایہ سے نقل کیے ہیں جو ان

کے خیال میں حدیث کے بالکل خلاف ہیں۔ اور انہوں نے ان مسائل کو حدیث کے خلاف ثابت

کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔

ہم نے صرف اس حصہ کا ہی جواب دیا ہے ساری کتاب کا نہیں کتاب کی ترتیب اس طرح

کی ہے کہ پہلے فقہ وحدیث سے سارا اعتراض من وعن نقل کیا ہے پھر جواب دیا ہے۔ ہم نے پوری

کوشش کی ہے کہ کتاب میں کوئی غلطی نہ ہو۔ اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور اطلاع کریں انشاء اللہ

درست کر دی جائے گی۔ ہمارا ایمان، عقیدہ اور نظریہ یہ ہے کہ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات

نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔



## اعتراض نمبر ①

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ①: دوسری شادی کرنے والے کا کنواری بیوہ دلہن کے پاس قیام؟

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی قلابۃ عن انس من السنۃ اذا تزوج الرجل البکر علی الشیب اقام عندها سبعا وقسم واذا تزوج الشیب اقام عندها ثلاثا ثم قسم قال ابو قلابۃ ولو شئت لقلت ان انس ارفعه الی النبی ﷺ  
ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ دوسری شادی کرنے والا دلہن کے پاس، اگر وہ کنواری ہو تو سات دن قیام کرے گا اور اگر وہ بیوہ ہے تو تین دن۔ پھر دونوں کے لئے باری مقرر کرے گا۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب اذا تزوج الفیہ علی البکر صفحہ 785 رقم الحدیث 5214) (صحیح مسلم ج 1 کتاب الرضاء باب قدر ما نصحہ البکر والشیب من اقامۃ الزوج عقب الزفاف صفحہ 476 رقم الحدیث 1461)

## فقہ حنفی

والقدیمۃ والجدیدۃ سواء

(ہدایہ اولین ج 2 کتاب النکاح باب القصر صفحہ 349)

یعنی پہلی اور دوسری بیوی تقسیم کے اعتبار سے برابر ہیں۔ (فقہ مدیث ص 40)



## جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذاہب قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے پیر بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد نے ویسے ہی اس کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہے انہوں نے ہدایہ کی پوری عبارت بھی نقل نہیں کی ہدایہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذاہب کے دلائل بھی موجود تھے راشدی صاحب کو چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق پہلے قرآن پیش کرتے پھر دونوں قسم کی اختلافی احادیث نقل کرتے تاکہ عوام کو اس بات کا علم ہوتا کہ اس مسئلہ کے متعلق کتب احادیث میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ پھر اپنے زور علم سے کسی پہلو کو رائج قرار دیتے۔ مگر راشدی صاحب نے ایسا نہیں کیا۔

قارئین کرام ہم یہاں پر حنفی مذہب کے دلائل نقل کرتے ہیں۔

## حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی دو بیبیاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف جھکے یعنی ایک کا حق ادا کرے اور دوسری کا اسی کے برابر ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا یعنی لنگھا ہوگا۔

(ابوداؤد کتاب النکاح باب القسم بین النساء۔ ترمذی ابواب النکاح ما جاء فی التسویة بین الضرائر) حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کی تخریج امام ابو نعیم اسماعیلی نے تاریخ امپہان میں کی ہے دیکھئے۔ نصب الرای فی تخریج احادیث ہدایہ بحوالہ غایۃ السعایہ ج 7 ص 304)

## حدیث:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شب باشی میں تقسیم کرتے اپنی عورتوں کے درمیان میں اور عدل کرتے اور پھر کہتے یا اللہ یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں سو تو ملامت مت کر مجھ کو اس میں جس کا میں اختیار نہیں رکھتا بلکہ تو اختیار رکھتا ہے یعنی محبت وغیرہ میں۔ (ترمذی ابواب النکاح باب ما جاء فی التسویة بین الضرائر ابوداؤد کتاب النکاح باب القسم بین النساء)

ہم نے صرف وہ دو حدیثیں نقل کی ہیں جن کو صاحب ہدایہ نے پہلے مسئلہ میں ذکر کیا ہے یہ دونوں مطلق ہیں جن میں غی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ حنفی مذہب ان احادیث کے مطابق ہے اور یہ احادیث قرآن کے مطابق ہیں۔

## قصر آنی دلائل

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

پھر اگر تم ڈرو اس بات سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تو نکاح کرو ایک ہی سے۔

(پارہ نمبر 4 سورۃ النساء، آیت نمبر 3)

دوسری آیت:

وَكِنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ  
فَتَذَرُوهُنَّ كَالْمَعْصَاةِ

(پارہ نمبر 5 سورۃ نساء، آیت نمبر 129)

اور تم عورتوں کے درمیان (محبت میں) ہرگز عدل نہ کر سکو گے خواہ تمہیں اس کی  
کتنی حرص ہو پھر ایسا تو نہ کرو کہ ایک کی طرف بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو بیچ  
میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے درمیان نئی اور پرانی عورتوں کا فرق کئے بغیر عدل کو  
واجب کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی تقسیم کے معاملہ میں اپنی ازواج میں عدل فرماتے تھے جیسا کہ  
اوپر حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں گزرا۔

رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے حنیفہ اس کا انکار نہیں  
کرتے۔ بلکہ اس کی ایسی توجیہ کرتے ہیں کہ یہ روایت قرآن اور ان احادیث کے مطابق ہو جائے جو ہم نے  
نقل کی ہیں۔ حنیفہ کے نزدیک اس کا مطلب باری میں کمی زیادتی کرنا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ باری  
کی ابتداء نئی بیوی سے ہونی چاہئے۔ یعنی اگر کنواری سے شادی کی ہے تو اس کے پاس سات رات رہے تو اور  
بیویوں کے پاس بھی سات سات رات رہے اور اگر شادی شدہ (بیوہ یا طلاق شدہ) عورت سے نکاح کرے  
تو اس کے پاس تین رات رہے۔ تو اور بیویوں کے پاس بھی تین تین رات رہے پس جدیدہ بیوی باکرہ یا شیبہ  
کے بعد سات یا تین کا دور اسی سے شروع کرے پھر قدیمہ کے پاس بھی اسی طرح رہے ہماری اس توجیہ کی  
تائید حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہوتی ہے جس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کے بعد ان کے پاس تین دن رہے پھر فرمایا تم اپنے شوہر کی نظروں سے اترتی نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس ایک ہفتہ قیام کر لوں اور اگر میں تمہارے پاس ایک ہفتہ رہا تو میں اپنی تمام ازواج کے پاس ایک ایک ہفتہ رہوں گا۔  
(مسلم کتاب الرضاع باب قدوم ما تستحقہ البکرة الغیب۔ مسلم کے علاوہ تلمیذی منداحمد۔  
طبرانی منداویلی۔ بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ پھر اوروں کے پاس بھی اسی قدر رہنا ہوگا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ برابری ہونی چاہئے۔

## اعتراض نمبر ⑤

بیردیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ⑤: مذکورہ حاملہ جانور کے حمل کا حکم۔

## حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ان النبی ﷺ قال زکوة الجنین زکوة امه

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مادہ جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔

(ابوداؤد ج 2 کتاب النحایا باب ما جاء فی زکوة الجنین صفحہ 34-35 رقم الحدیث 2828) (ترمذی ج 1 ابواب الصيد باب زکوة الجنین صفحہ 178، عن ابی سعید۔ رقم الحدیث 1476)

## فقہ حنفی

ومن نحر ناقۃ او ذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل  
اشعر اولم یشعر

(ہدایۃ الاخرین کتاب الذبائح ص 440 ص 4)

یعنی جس نے اونٹنی ٹھکی یا گائے ذبح کی، اور اس کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ پایا تو وہ بچہ کھانے میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ (فقہ مدیث ص 41)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے تمام مراحل طے کر لیتا ہے اور اس میں روح پڑ جاتی ہے تو اب وہ محض ماں کے بدن کا ایک جز نہیں رہتا بلکہ وہ ایک مستقل وجود بن جاتا ہے چنانچہ شریعت بھی اس کا اعتبار ایک مستقل وجود کے طور پر کر کے یہ قرار دیتی ہے کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو قتل کر دے تو ماں کے قصاص یا دیت کے علاوہ اس کے پیٹ میں موجود بچے کی بھی الگ دیت اس پر لازم آئے گی جیسا کہ (صحیح مسلم ج 2 ص 26 کتاب القسامۃ والمہاریین والقصاص والذیات باب دية الجنین ووجوب الدية) کی مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بذیل کی دو عورتیں لڑیں اور ایک نے دوسری کے پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے (مقتولہ کے ورثاء) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کے بچے کا تاوان ایک غلام باندی ہے اور عورت کی دیت اس کے قاتلہ کے عاقلہ (دھیال کے رشتہ داروں) پر ہے اور عورت (مقتولہ) کی اولاد اور اس کے رشتہ داروں کو اس (دیت) کا وارث قرار دیا۔

حاصل بن نافع ہذلی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے کھایا نہ پیانا نہ بولا نہ چلایا ایسے بچے کی دیت نہیں دی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مسجع عبارت (قافیہ والی عبارت) کی وجہ سے یہ شخص کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے)

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ ماں کے پیٹ کا بچہ ایک مستقل وجود رکھتا ہے جس کی وجہ سے ماں کی دیت کے علاوہ بچے کی الگ دیت کا حکم آپ نے دیا۔

اور فقہاء کے ہاں یہ بھی مسلم ہے کہ ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں روح پڑھنے سے پہلے تو کسی شدید ضرورت کی بنا پر حمل گرانا جائز ہے۔ لیکن بچے میں روح پڑ جانے کے بعد حمل گرانا قتل کے حکم میں آتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

وان كانت عمدت قتله فالقود علیہا او المعاداة فی مالہا

اور اگر اس نے بچے کو قتل کرنے کے ارادے سے استنطاق کیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا

اس کے مال سے تاوان لیا جائے گا۔ (مکلی ابن حزم ج 11 ص 31)

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب عقلاً و شرعاً جانور اور اس کے پیٹ کا بچہ دو الگ وجود ہیں تو ایک کو ذبح کرنے سے دوسرا حلال نہیں ہو سکتا۔ تجربہ بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ ذبح نہیں ہوتا۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ اس کے پیٹ سے زندہ نکل آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانور کے پیٹ میں موجود بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے ذبح نہیں ہوتا۔ بلکہ ماں کی موت کے بعد سانس رک جانے کی وجہ سے دم گھٹ کر بھی مر جاتا ہے اور یہی چیز ہے کہ جس کو قرآن نے نام لے کر حرام قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالْكَرْمَ وَالْحَمَّ الْخَنِزِيرَ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّخِیْصَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (پارہ نمبر 6 سورۃ المائدہ آیت نمبر 3)

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کا غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھسنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکڑے سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والے بچے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ چونکہ اس کی (یعنی مردہ نکلنے والے بچے کی) حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے قرآن نے میت کو حرام کہا ہے اور یہ میت ہے۔

تابعی کبیر حضرت امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

وکان یروی عن حماد عن ابراہیم انه قال لا تكون زکوة نفس زکوة نفسین

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک کا ذبح کرنا دو کا ذبح کرنا نہیں ہو سکتا۔  
(مولانا امام محمد کتاب الضحایا باب زکوة النفسین زکوة امرا)

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فقہ حنفی کا اس مسئلہ میں قرآن پر عمل ہے ہم نے یہاں پر صرف ایک آیت نقل کی ہے ویسے قرآن میں میت کے حرام ہونے پر کئی آیات موجود ہیں۔

رہی وہ روایت جو مولانا بدیع الدین صاحب غیر مقلد نے نقل کی ہے۔ اس کا ایسا مفہوم لینا



مذہب ہے جو قرآن کے مطابق ہو اس لئے فقہائے احناف نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں۔ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہو جائے۔ اور قرآن وحدیث میں جو بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے وہ ختم ہوئے۔ ہم یہاں پر صرف دو توجیہیں نقل کرتے ہیں۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ حکم اس بچے کے بارے میں ہے جس کے اندر ابھی روح نہ ڈالی گئی ہو۔ روح ڈالنے سے قبل چونکہ وہ کوئی الگ زندہ وجود نہیں ہوتا بلکہ محض ماں کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے اس لئے ذبح کرنے میں بھی وہ ماں کے تابع ہوگا۔ علامہ ابن حزم کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا فتویٰ بھی اس صورت میں یہی ہے۔ البتہ روح پڑ جانے کے بعد اس کو ماں کے تابع قرار دینا مذکورہ بالا دلیل کے پیش نظر ممکن نہیں۔ اس صورت میں یہ ماں کے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کا ترجمہ عربی زبان کی رو سے جسے وہ ہو سکتا ہے جو مولانا بدیع الدین صاحب نے کیا ہے اس طرح یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے پیٹ کے بچے کو ذبح کرنا اس کی ماں کو ذبح کرنے ہی کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح جانور کو ذبح کیا گیا ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے اس کے بغیر وہ حلال نہیں ہوگا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والا بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے ذبح نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ذبح ہو جانے کے بعد دم گھٹنے سے اور سانس رُک جانے کی وجہ سے وہ مر جاتا ہے اور قرآن مجید نے ایسے جانور کو حرام قرار دیا ہے اس لئے حدیث کو یا تو اس جانور پر محمول کیا جائے چو جس میں ابھی روح نہیں ڈالی گئی یا یہ معنی لیا جائے گا کہ اس کی ماں کی طرح اس کے بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے۔

اگر ان میں سے کوئی سی توجیہ بھی اختیار کی جائے تو یہ حدیث قرآن کے مطابق ہو جاتی ہے۔

**مذہب میں احتیاط کا پہلو زیادہ نمایاں ہے**

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حلال و حرام کے مسائل میں زیادہ سخت میں کسی چیز میں زرا بھی حرام کا شبہ پڑ جائے آپ اس سے منع کرتے ہیں۔ اور آپ کا یہ نظریہ حدیث کے مطابق ہے۔

**حیث:**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں ان کو بہت

سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص ان مشتبہات سے بچا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچالی اور جو مشتبہات میں جا پڑا (گویا) وہ حرام میں جا پڑا جیسے چراگاہ کے ارد گرد جانوروں کو چرانے والا قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے۔  
(بخاری ج 1 ص 113 ابن ماجہ ص 296)

حدیث:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے تردد اور اشتباہ میں ڈالے۔

(مستدرک حاکم ج 2 ص 12):

ان احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن امور میں شک و شبہ ہو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں حنفی مذہب قرآن و حدیث کے مطابق ہے مخالف نہیں۔

### اعتراف نمبر ③

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ③: گدھوں اور گھوڑوں کی حرمت وحلت کے بارے میں

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ان النبی ﷺ انہی یوم خیبر عن لحوم الحمر الاہلیۃ واذن فی لحوم الخیل

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن پانچ گدھوں کا گوشت کھانے سے روک دیا اور گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

(صحیح بخاری ج 2 کتاب المغازی باب غزوہ خیبر صفحہ 606 کتاب الذبائح والصيد باب لحوم الخیل ص 829) (صحیح المسلم ج 2 کتاب الصيد والذبائح وما یؤکل من الحيوان باب اباحۃ اکل لحمر الخیل صفحہ 150، رقم الحدیث 1941 واللفظ لمسلم)

### فقہ حنفی

ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفۃ

(ہدایہ آخرین ج 4 کتاب الذبائح ص 441)

یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔

(فتاویٰ مدیث ص 42)

جواب:

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ (جامع صغیر)

علامہ وحید الزماں غیر مقلد بھی امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی بتاتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ ابو حنیفہ کے نزدیک بھی کراہت گھوڑے کی تنزیہی ہے۔ (ابوداؤد مترجم جلد سوم ص 146)

فقہاء احناف میں سے بعض نے اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور بعض نے کراہت تحریمی پر لیکن فقہ حنفی میں صحیح یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ گھوڑے کا جھونا ان کے نزدیک پاک اور پیشاب نجاست خفیفہ ہے جب کہ حرام جانوروں کے بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ ان کا جھونا ناپاک اور پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔ (دیکھئے کتب فقہ)

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں یہی مسلک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امام مالک اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ حکم بن عیینہ امام زہری اور امام ابو عبیدہ سے منقول ہے امام ابو حنیفہ اور یہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن ان کی تخلیق کا اصل مقصد ان کے گوشت کا استعمال نہیں بلکہ ان پر سواری کرنا اور میدان جنگ میں ان سے خدمت لینا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے سورۃ نحل میں چوپایوں کا ذکر کر کے ان کے فوائد و منافع اور ان کے گوشت کے استعمال کا بھی ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا تَكُونُ ⑥

(پارہ نمبر 14 سورۃ نحل آیت نمبر 5)

اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی

بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔

لیکن اس کے متصل بعد گھوڑوں، خجروں اور گدھوں کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا

(پارہ نمبر 14 سورہ نحل آیت نمبر 8)

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ فائدہ تو بتایا ہے کہ تم ان پر سواری کر سکو، لیکن ان کے گوشت کے استعمال کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے اگرچہ یہ استدلال درست نہیں کہ ان کا استعمال صرف انہی کاموں کے لئے ہوتا ہے کسی دوسرے کام کے لئے نہیں ہو سکتا تاہم اس بات کا لحاظ ضرور رکھا گیا ہے کہ ان کے اصلی اور غالب منافع کا ذکر کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی تخلیق اصلاً ان کا گوشت کھانے کے لئے نہیں بلکہ سواری اور جفائشی کے لئے کی گئی ہے۔

### اعتراض نمبر ۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴) مرنے والے کے ذمہ روزوں کی قضا کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ من مات وعليه صيام صام عنه وليه ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والے پر اگر روزوں کی قضا ہو تو وہ قضا اس کے وارث اس کی طرف سے پوری کریں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب من مات وعليه صوم صفحہ 63-62، رقم الحديث 1147، صحیح

المسلم ج ۱ کتاب الصیام باب قضاء الصوم عن الميت صفحہ 362، رقم الحديث 1952)

### فقہ حنفی

من مات وعليه قضاء رمضان فإوصى به أطعم عن وليه لكل يوم نصف صاع من براؤ من تمر أو شعير ولا يصوم عنه الولي

ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصوم باب ما یوجب القضاء والكفارة صفحہ 222-23

یعنی مرنے والے پر اگر رمضان کے روزوں کی قضا ہو اور وہ ان کے بارے میں وصیت کر جائے تو اس کے وارث اس کی طرف سے روزے تو نہیں رکھ سکتے۔ البتہ ہر دن گندم یا کھجور یا جو کا آدھا صاع میت کی طرف سے (مسکینوں کو) کھلا سکتے ہیں۔  
(فتہ مدیث ص 43)

**جواب:**

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ایسی عبادت جو محض بدنی ہیں جیسے نماز اور روزہ ان میں کسی دوسرے آدمی کی نیابت کرنے سے یہ عبادتیں ادا نہیں ہوتیں۔ البتہ جو عبادات محض بدنی نہیں بلکہ مالی بھی ہیں۔ جیسے حج ان میں اگر اصل شخص عاجز ہو جائے تو دوسرا شخص اس کا نائب بن کر اس کی طرف سے عبادت کر سکتا ہے۔ رہیں وہ عبادات جو محض مالی ہیں جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر تو ان میں مطلقاً نیابت درست ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نماز یا روزہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نائب بن کر ادا نہیں کر سکتا روزے کا فدیہ دوسرے شخص کی طرف سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہی مسلک امام شافعی امام مالک اور جمہور اہل علم کا ہے اور اس پر صریح اور واضح دلائل موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

**حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے رمضان کے مہینے کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔  
(ترمذی ج 1 ص 152)

**حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوئی آدمی دوسرے آدمی کی طرف سے ہر گز نماز نہ پڑھے اور نہ دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ اگر تم کرنا ہی چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کر دو یا ہدیہ دو۔

مصنف عبد الرزاق ج 9 ص 61، ابن الکبریٰ بیہقی ج 4 ص 254-425 ص 44، مولانا امام مالک ص 245



حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مر کھانا کھلا دے۔ (مشعل الانوار للخواجہ ج 3 ص 141 تفتیش الحیجہ ج 2 ص 209)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عمرہ بنت عبد الرحمن نے پوچھا کہ میری والدہ وفات پا گئی ہیں اور بن کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے۔ تو کیا میں ان کی طرف سے قضا کر لوں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نہیں بلکہ اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین پر صدقہ کرو۔ یہ تمہارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔

(مشکل الاموال ج 3 ص 42 بحوالہ منہج ج 7 ص 108 منہج ماہی نے اسکی تصحیح فرمادیا ہے الجواب النقی ج 4 ص 25)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے ذمے رمضان کے روزے باقی ہوں اور وہ مر جائے تو اس کی طرف سے ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج 4 ص 237)

**اہل مدینہ کا عمل:**

علاوہ ازیں صحابہ کرام کے دور میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں کسی دوسرے آدمی کی طرف سے نماز یا روزہ کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں۔

میں نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کرنے کا حکم دیا ہو بلکہ وہ سب اپنا عمل اپنے ہی لئے کرتے ہیں اور کوئی شخص بھی دوسرے کی طرف سے عمل نہیں کرتا۔ (نصب الراعی فی تخریج امادیث الہدایہ ج 2 ص 463)

رہی وہ روایت جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مندرجہ بالا قوی اور صحیح دلائل کی روشنی میں ایسا مفہوم مراد لینا ضروری ہے جو مذکورہ احادیث کے خلاف نہ ہو۔

چنانچہ اس روایت کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ پہلے نیا پتا روزہ رکھنے کی اجازت تھی جو کہ بعد میں منسوخ

یعنی اور اس کے منسوخ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ اجازت کی روایت کی راوی ہیں۔ ان کا فتویٰ اس کے خلاف موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اجازت منسوخ نہ ہوگی تو آپ اپنی روایت کے خلاف فتویٰ نہ دیتی۔ لہذا یہ روایت منسوخ ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ میت کی طرف سے نائب بن کر روزہ رکھا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی طرف سے نفلی روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا دے۔ تیسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے یعنی اس کی طرف سے روزہ رکھنا، کھانے سے اس کا تدارک کر دینا ہے پس جب مساکین کو کھانا دینے سے وہ میت رزق سے بری ہوگی تو گویا اس شخص نے اس کی طرف سے روزے ادا کئے۔

قارئین کرام فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف

### اعترض نمبر ⑤

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑤: رضاعت کب ثابت ہوگی؟

### حدیث نبوی ﷺ

عن ام الفضل قالت ان النبی ﷺ قال لا تحرم الرضعة او الرضعتان ترجمہ: سیدہ ام الفضل بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک چسکی یا دو چسکیوں سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(مسلحہ کتاب الرضاع صفحہ 469 باب فی البصة والمعتان رقم الحدیث 3593)

### فقہ حنفی

قلیل الرضاع وکثیرہ سواء اذا حصل فی مدۃ الرضاع یتعلق بہ التحريم

(ہدایہ اولین ج 2 کتاب الرضاع صفحہ 350)

دودھ تھوڑا پایا ہو یا زیادہ، جب رضاعت کی مدت میں ہو تو اس سے حرمت ثابت

(فقہ وحدیث ص 44)

ہو جاتی ہے۔

جواب:

امام ابو حنیفہ کا مسلک اس مسئلے میں قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

حَرِّمْتُ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ وَبَنَاتَكُمْ وَاَحْوَالَكُمْ وَعَقَبَتَكُمْ وَخُلُتَكُمْ وَبَنَاتِ  
الْاَرْحِ وَبَنَاتِ الْاَرْحِ وَاَنْفُسُكُمُ الَّتِي اَرْضَعْتُمْ وَاَحْوَالُكُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ

(پارہ نمبر ۱، سورۃ نساء آیت نمبر 23)

حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور  
تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور  
حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور  
تمہاری دودھ کی بہنیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف دودھ پلانے کی وجہ سے انا (یعنی دودھ پلانی والی) کو  
حرام کہا ہے کیونکہ وہ اس کی رضائی ماں ہو جاتی ہے۔

دودھ قلیل پیٹا ہو یا کثیر سب کو شامل ہے۔ اسی طرح جس لڑکے یا لڑکی نے کسی  
عورت کا دودھ پیٹا ہو گا چاہے قلیل ہو یا کثیر رضائی بھائی بہن بن جاتے ہیں ان کا آپس میں نکاح حرام ہے۔  
فقہ حنفی کا مسئلہ اس آیت کے مطابق ہے کیونکہ آیت میں مطلق دودھ پینے کا ذکر ہے کسی قسم  
کی کوئی مقدار اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں فرمائی۔

## اعتراض نمبر ⑥

بیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑥: کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشہ عن رسول اللہ ﷺ قال لا تقطع يد السارق الا برع دينار

فصاعدا۔

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ دینار کے چوتھے حصے (تین درہم) کے برابر چوری کرنے یا اس سے زیادہ کی چوری کرنے کی وجہ سے کاٹا جائے گا۔

حدیث 2 کتاب الحدود باب قول اللہ واللسارق واللسارقة فاقطعوا ايديهما صفحہ 1003-1004 - رقم حدیث 6790 (مسلم 2 کتاب الحدود باب حد السارق ونصابها صفحہ 63. والنظر للمسلم رقم حدیث 4400)

### فقہ حنفی

و اذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم او ما يبلغ فيمئة عشرة دراهم  
مضروبة من حرز لا شبهة فيه وجب عليه القطع  
(هدایة اولین 2 کتاب السرقة صفحہ 537)

جب عاقل اور بالغ دس درہم کی چوری کرے گا یا ایسی چیز کی چوری کرے گا جس کی قیمت دس درہم ہے، تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔  
(فقہ و حدیث ص 45)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی دلیل یہ ہے کہ نصاب سرقہ کے باب میں اصل کی حیثیت آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کو حاصل ہے کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت سے کم مال میں نہ کاٹا جائے۔ (نہائی ج 2 ص 223)

اور اس اصولی حکم پر ہی آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی میں عمل ہوا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ ایک لاشی یا ڈھال کی قیمت سے کم میں نہیں کاٹا گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود پارہ 27)

ان دو احادیث سے معلوم ہوا کہ ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ڈھال کی قیمت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت کے متعلق روایات مختلف آئیں ہیں۔ وہ اہم

یہاں درج کرتے ہیں۔

- 1- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں ربع دینار (یعنی تین درہم) کا ذکر آیا ہے وہ راشد کی صاحب نفل کی ہے۔
- 2- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کے چورائے میں جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔  
(نسائی ج 2 ص 257)
- 3- حضرت قتادہ سے روایت ہے میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہتے تھے ایک شخص نے ڈھال چرائی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی قیمت لگائی گئی پانچ درہم پھر اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔  
(نسائی ج 2 ص 257)
- 4- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا بہت عرصہ نہیں گزرا میں بھول گئی چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا زیادہ میں۔  
(نسائی ج 2 ص 257)
- 5- حضرت سلیمان بن یسار نے کہا نہ کاٹا جائے ہاتھ کا پتھر گر پٹے میں  
(یعنی پانچ درہم کی مالیت میں) (نسائی مترجم جلد 3 ص 353 فریڈ بک سٹال لاہور)
- 6- حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے نہ کاٹا جائے ہاتھ مگر ڈھال کی چوری میں یا اس کی قیمت کے برابر دوسری چیز میں۔ عروہ نے کہا ڈھال چار درہم کی ہوتی ہے۔  
(نسائی مترجم جلد 3 ص 353)
- 7- حضرت ایمن سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ نہیں کٹوایا چور کا مگر ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔  
(نسائی ج 2 ص 225)
- 8- حضرت ایمن سے روایت ہے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دینار تھی اور ہ عشرۃ درہم  
(یادیں درہم)  
(نسائی ج 2 ص 225)
- 9- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے ڈھال کی قیمت ان دنوں دس درہم تھی۔ (نسائی)
- 10- حضرت عطائے نے کہا کم سے کم جس میں ہاتھ کاٹا جائے ڈھال کی قیمت ہے اور وہ ان دنوں میں دس درہم تھی۔

(نسائی جلد 3 ص 453) (مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474، مصنف عبد الرزاق ج 10 ص 233)

ان متعارض روایات میں تطبیق دینا ضروری ہے چنانچہ علمائے احناف نے ان میں یوں تطبیق



ہے کہ ڈھال کی قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مختلف اوقات میں بدلتی رہی ہے۔ ابتدا میں ڈھال کی قیمت ربع دینار (تین درہم) تھی اس لئے حضور ﷺ نے اس زمانے میں حکم دیا کہ ربع درہم کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ پھر ڈھال کی قیمت بڑھ کر پانچ درہم ہو گئی ابن عمر کی روایت میں اسی کا ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد ڈھال کی قیمت اور بڑھ کر دس درہم ہو گئی ابن عباس اور اسین رضی اللہ عنہما کی روایات میں اسی زمانے کا ذکر ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مثال کے طور پر پہلے ساتوں کے سستا ہونے کی وجہ سے دیت چار سو درہم تھی بعد میں اونٹوں کے مہنگا ہو جانے کی وجہ سے یہ آٹھ سو درہم ہو گئی۔

(سنن ابی داؤد ج 1 ص 279)

چونکہ سب سے آخر میں ڈھال کی قیمت دس درہم ہو گئی تھی اس لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ دس درہم سے کم مال میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ اس فتوے کے حق میں مزید روایات حسب ذیل ہیں۔

- 1- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتے تھے کہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔  
(نہائی بلد 3 ص 453)
- 2- عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ (نہائی ج)
- 3- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا چور کا ہاتھ دس درہم سے کم نہیں کاٹا جائے گا۔  
(کتاب الاثار امام محمد ص 109)
- 4- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چور کا ہاتھ ڈھال سے کم قیمت کی چیز میں نہ کاٹا جائے۔ اور ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474)
- 5- حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474، مصنف عبد الرزاق ج 10 ص 233)
- 6- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے گا سوائے ایک دینار کے یا دس درہم کے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474، مصنف عبد الرزاق ج 10 ص 233)

7- حضرت ابو جعفر سے روایت ہے کہ ڈھال کی قیمت ایک دینار ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474)

8- حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ڈھال (کی قیمت) میں راوی نے کہا کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اس کی کیا قیمت ہے (ابراہیم نے) کہا کہ ایک دینار۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 475، مصنف عبدالرزاق ج 10 ص 234)

9- عمرو بن شعیب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں سعید ابن المسیب کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ساتھی عروہ بن زبیر، محمد بن مسلم زہری اور ابن یسار کہتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت پانچ درہم ہے؟ (میرے اس سوال کے جواب میں سعید بن المسیب نے) کہا کہ رہی یہ بات (ڈھال کی قیمت والی) تو اس بارے میں سنت نبویؐ چلی آرہی ہے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474)

10- قاسم بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو جس نے کپڑا چرایا تھا حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت دس درہم سے کم ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو اس کپڑے کی قیمت آٹھ درہم نکلی پس حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474، مصنف عبدالرزاق ج 10 ص 233)  
11- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔  
(نصب الراية 332)

12- حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں نہیں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔  
(نصب الراية ج 3)

13- عن ابی المسیب قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا

سرق السارق ما يبلغ ثمن المجن قطعت يده و كان ثمن المجن

عشرة دراهم

(مصنف عبدالرزاق ج 10 ص 233)

ابن المیسب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چور کوئی ایسی چوری کرے جس کی قیمت ڈھال کی قیمت تک پہنچتی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

عن علی قال لا یقطع فی اقل من دینار او عشر قدر اھم

مسند مہارزاق ج 10 ص 233 (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم مال کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم مال میں نہ کاٹا جائے۔

فقہ حنفی کا مسئلہ ان احادیث آثار کے مطابق ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ پہلے دور کی ہے اس لئے ان دلائل کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک قابل عمل نہیں۔ ویسے بھی شریعت اسلامیہ کسی انسان پر ظلم و زیادتی نہیں کرتی اور حدود نافذ کرنے میں ہمارے اسلامی قانون میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اسلام کا منشاء کسی کو بلاوجہ بے کار کرنے کا نہیں۔ جب تین اور دس درہم کی روایات موجود ہیں۔ تو احتیاط اور شک شبہ سے پاک دس درہم والی بات ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اور صحابہ کرام کا عمل خاص کر خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب کا عمل دس درہم والی روایت کے مطابق پایا گیا اس لئے امام ابوحنیفہ نے اس روایت پر عمل کیا جس پر صحابہ نے عمل کیا۔ اور جو آخری زمانہ سے تعلق رکھتی تھی۔

## اعتراض نمبر ④

بیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ④: حق مہر کم سے کم کتنا ہو؟

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال من اعطی فی صداق امراتہ ملا

کفیہ سو یقاً او تمر افقد استحل

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو حق مہر میں ستویا کھجور کی دونوں ہتھیلیاں بھر کے دیں تو اس نے اس کو حلال کر دیا۔

(ابوداؤد ج ۱ کتاب النکاح باب قلة المهر صفحہ 294 رقم الحديث 2110)

### فقہ حنفی

واقل المهر عشرة دراهم ولو سمى اقل من عشرة فلها العشر عندنا

ہدایہ اولین ج ۲ کتاب النکاح باب المهر صفحہ 324۔

حق مہر کم سے کم دس درہم ہے۔۔۔ اور اگر کسی نے دس درہم سے کم حق مہر مقرر کیا تو ہمارے مذہب کے مطابق وہ حق مہر دس درہم ہی ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ص 46)

### جہاں:

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ مہر کی کوئی مقدار مقرر ہے کہ نہیں غیر مقلدین کے نزدیک کوئی مقدار مقرر نہیں اور احناف کے ہاں مقرر ہے۔ احناف کا مسلک قرآن و سنت کی روشنی میں یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتا۔ فقہ حنفی کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قد علمنا ما فرضنا علیہم فی ازواجہم تحقیق ہمیں علم ہے جو کچھ ہم نے

مردوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں مقرر کیا ہے۔ (سورۃ احزاب آیت نمبر 50 پارہ نمبر 22)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی ایک خاص مقدار مقرر کی ہے۔ لیکن قرآن مجید اس مقدار کے بیان میں مقرر ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔

2- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔

(سنن ابی بکر ج 7 ص 240، سنن دارقطنی ج 3 ص 245)

3- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔

(سنن ابی بکر ج 7 ص 240، سنن دارقطنی ج 3 ص 245)

### حضور نبی کریم ﷺ کا اپنا مہر

4- ابوسلمہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے مہر کی بابت سوال کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ وہ بارہ اوقیہ اور نش۔ میں نے کہا نش کیا ہے؟ فرمایا نصف اوقیہ۔

(ابوداؤد ج ص)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا تھا تو اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ پانچ سو درہم ہوئے۔

حضور ﷺ نے بالعموم ازواج رضی اللہ عنہم کو اس قدر مہر دیا اور نہ حدیث میں ہے کہ ام حبیبہ کا مہر نجاشی نے حضور ﷺ کی طرف سے چار سو دینار (یعنی چار ہزار درہم) ادا کیا تھا۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی ازواج کا) مہر کتنا رکھتے تھے؟ (حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا نے) فرمایا رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش رکھتے تھے پھر فرمایا

کہ تم جانتے ہو کہ نش کی کتنی مقدار ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا نصف اوقیہ اور یہ (کل مقدار

(پانچ سو درہم ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر ہے۔ (مسلم ج ۳ کتاب النکاح)

ان تین روایات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا مہر پانچ سو درہم

سے کم نہیں رکھا تھا۔ کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود

اپنی کسی بیوی کا مہر دس درہم سے کم رکھا ہو۔

رسی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے جس میں ستواور کھجور کی ایک بک کو حق مہر

قرار دیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ان کو مہر نہیں بنایا جاسکتا۔ امام صاحب یہاں پر ایک

اصولی قاعدہ کی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ مہر میں مال کا ہونا ضروری ہے اور یہ مال نہیں ہے۔ امام

صاحب کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

وَأَجَلَ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكَ أَن تَتَّبِعُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ۔ (سورۃ نساء آیت 24 و 25)

اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ مہر میں صرف وہ چیز مقرر کی جاسکتی ہے جو مال ہو اس کے

خلافہ کوئی چیز بھی مہر نہیں بن سکتی۔ اور شرعی طور پر مال وہ ہوتا ہے جس کی چوری پر حد لگے اور وہ اس دس درہم

ہے۔ اس لئے امام صاحب فرماتے ہیں کہ حق مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہوگی۔ قرآن و سنت کے ان

دلائل کے ہوتے ہوئے یہ روایت قابل عمل نہیں ہو سکتی۔



## اعتراض نمبر ۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۸: والد کی ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یرجع احد فی ہبۃ الا والد عن ولده

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتا، مگر والد اپنے بیٹے سے (واپس لے سکتا ہے)

(نسائی ج ۲ کتاب الہبۃ باب رجوع الوالد فیما عطي ولده صفحہ ۱۳۶)

(ابن ماجہ ج ۲ ابواب الاحکام باب من اعطي ولده ثم رجع فی صفحہ ۱۷۲ رقم الحدیث ۲۳۷۸)

## فقہ حنفی

اذا وهب الہبۃ لا جنبی فلہ الرجوع منها.... بخلاف ہبۃ الوالد  
لولہ

مدایۃ آخرین ج ۳ کتاب الہبۃ باب ما یصح رجوعہ وما یصح صفحہ ۲۸۹۔

جب ایک آدمی کوئی چیز کسی کو ہبہ کرتا ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے، مگر والد بیٹے سے نہیں لے سکتا۔ (فقہ وحدیث ص ۴۷)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ قال رسول اللہ ﷺ اذا كانت الہبۃ الذی رحم محرم لہ یرجع فیہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو وہ واپس نہ لی جائے۔

(سنن الکبریٰ متقی ج ۵، دار قلمی ص ۱۵۲ رد مکرم ج ۵)

یہ حدیث صریحاً ہے کہ ذی رحم محرم سے بہ نہ لو نایا جائے۔ جس حدیث کا حوالہ راشدی صاحب نے دیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ باپ کو لے لینا اور خرچ کر لینا جائز ہے جیسے اور اموال اولاد میں باپ کو تصرف کرنا جائز ہے یہ معنی نہیں کہ بہ کار جو ع اور نسخ جائز ہے۔ ورنہ یہ معنی اس حدیث کے مخالف ہوں گے جس نے غسل کی ہے۔ پس حتی الامکان تطبیق اولیٰ ہے۔

## اعتراض نمبر ⑨

بیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑨: گم شدہ اونٹ کو قبضہ میں لینے کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن زید بن خالد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ  
(فی ضالۃ الابل) مالک و لها معها سقاً ها و حذاءها ترد الباء و  
تاکل الشجر حتی یلقاها رہا  
ترجمہ: سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے  
(گم شدہ اونٹ) کے بارے میں فرمایا کہ وہ پانی پیتا رہے گا، گھاس کھاتا رہے  
گا، یہاں تک کہ مالک اسے پالے گا۔

بخاری ج 1 کتاب اللقطة باب اذا السرب وجد صاحب اللقطة بعد سنة فيمن وجدها صفحہ 328، رقم  
حدیث 2429 (مسئلہ ج 2 کتاب اللقطة صفحہ 78، رقم الحدیث 1722)

## فقہ حنفی

و يجوز التقاط في الشاة والبقرة والبعير

هداية اولین ج کتاب اللقطة صفحہ 615۔

یعنی گم شدہ بکری گائے اور اونٹ لے لینا جائز ہے۔ (فقہ و حدیث ص 48)

جواب:

احناف کا طریقہ کسی بھی حدیث کو سمجھنے کا یہ ہے کہ وہ اس کے ظاہری الفاظ پر انحصار کرنے کے

بجائے اس کی مصلحت، حکمت، استخراج کر کے اس پر اپنے مسلک کا مدار رکھتے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں بھی یہی اصول پیش نظر ہے۔ گمشدہ جانور کو پکڑنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو بحفاظت اس کے مالک تک پہنچایا جاسکے۔ بکری چونکہ کمزور جانور ہے اس لئے اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو خدشہ ہے کہ کوئی درندہ اسے نقصان پہنچائے گا۔ اس کے برخلاف اونٹ ایک بڑا اور طاقتور جانور ہے اور اس کو ایسا خطرہ بالعموم درپیش نہیں ہوتا۔

احناف نے اس حکمت اور مصلحت کو پیش نظر رکھ کر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیانت امانت عام تھی اور یہ خدشہ نہیں تھا کہ اونٹ پر کوئی آدمی ناجائز طور پر قبضہ کرے گا۔ لیکن اب لوگوں میں شریفانہ اخلاق اور امانت و دیانت نادر ہو چکی ہے۔ اس زمانے میں اونٹ کو کھلا چھوڑ دینے میں خدشہ ہے کہ کوئی بد دیانت آدمی اس کو پکڑ لے گا اور اصل مالک تک اس کا پہنچانا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے اگر کسی دیانت دار آدمی کو گمشدہ اونٹ ملے تو اسے حفاظت کے نقطہ نظر سے پکڑ لینا چاہئے اور اس کے مالک تک پہنچانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ کیونکہ حالات کے بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک مسلمہ قاعدہ ہے جب کہ صحابہ کے تعامل سے گمشدہ اونٹ کو پکڑنا بھی ثابت ہے۔

۱- مالک عن یحییٰ بن سعید عن سلیمان بن یسار ان ثابت بن الضاک الانصاری اخبرہ انه وجد بعیرا بالحرۃ فعلقہ ثم ذکرہ بعمر بن الخطاب فامرہ عمر ان یعرفہ ثلاث مرات. فقال له ثابت انه قد شغنی عن ضیعتی فقال له عمر ارسله حیث وجدته (مولانا مالک باب القضاء فی الاموال)  
ثابت بن ضحاک کہتے ہیں کہ انہیں حرہ کے مقام پر ایک (گمشدہ) اونٹ ملا تو انہوں نے اسے (پکڑ کر) باندھ دیا پھر اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تین دفعہ اس کا اعلان کرو ثابت نے کہا کہ اس (اونٹ) نے تو مجھے اپنی زمین (کے معاملات) سے مشغول کر دیا ہے۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر جہاں سے یہ ملا تھا اس کو وہیں چھوڑ دو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ پکڑنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ تم نے حدیث کی مخالفت کی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اعلان کرو تا کہ اس کو اس کے مالک تک پہنچایا جاسکے اگر یہ نہیں کر سکتے تو اس کو چھوڑ دو۔

الخطاب ابلا مویلة نتائج لا یمسها احد حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بتعریفھا ثم تباع فاذا جاء صاحبھا اعطی ثمنھا (مولانا امام مالک ص. مولانا امام محمد ص)

ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گمشدہ اونٹ ہوتے تھے اور کوئی ان کو نہیں پکڑتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اونٹوں (کو پکڑ کر ان) کا اعلان کرانے کا حکم دیا (اور کہا کہ اعلان کے بعد) انہیں بیچ دیا جائے۔ اور اگر پھر اس کا مالک آجائے تو اسے اس کی قیمت دے دی جائے۔

اشکال۔ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گمشدہ اونٹ کو کوئی نہیں پکڑتا تھا۔ اور اوپر والی روایت میں حضرت کے زمانہ کا واقعہ ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے اس شخص کو منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اعلان کرو۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں جو نفی کا ذکر ہے اس کو سرکاری حکم کی نفی پر محمول کریں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سرکاری حکم نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری حکم جاری کیا تھا۔ اور پہلی روایت میں انفرادی واقعہ بیان ہوا ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب شروع میں اصولی طور پر ہو چکا ہے خود غیر مقلدین بھی اس پر عمل نہیں کرتے۔ سید امیر علی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم آپ نے ایسی صورت میں فرمایا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خوف نہ تھا۔ پس جب خوف ہو تو اس کا پکڑ لینا اولیٰ ہے۔ (عین الہدایہ جلد 2 ص 609)

## اعتراض نمبر ⑩

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑩: غسل دیتے وقت، مرنے والی عورت کے بالوں کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کو غسل دینے کے ذکر میں ہے کہ:

فضفر ناشعہا ثلاثہ قرون فالقینا خلفہا

ترجمہ: یعنی ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے کی طرف ڈال دیا۔

(بخاری ج ۱ کتاب الجنائز باب یلقی شعر المرأة خلفها ثلاثہ قرون صفحہ 69-168، رقم الحدیث 1263)

والنقطۃ) (مسئرج کتاب الجنائز باب فی مشط شعر النساء ثلاثہ قرون صفحہ 304)

## فقہ حنفی

یجعل شعرہا صفر تین غلی صدرہا

ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب الجنائز فصل التکفین صفحہ 179۔

عورت (میت) کے بالوں کی دو چوٹیاں بنا کر سینے کی طرف ڈال دیا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 49)

## جواب:

امام ابو حنیفہ یہاں پر ایک اصولی بات فرماتے ہیں کہ یہ کام زینت سے تعلق رکھتا ہے اور میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ مینڈیاں بنا کر پیچھے ڈالنا زینت میں شمار ہوتا ہے۔ کسی بھی صحیح روایت میں یہ حکم موجود نہیں ہے۔ بخاری میں صرف ام عطیہ کا قول موجود ہے۔ غیر مقلدین تو کسی کا قول نہیں مانتے مگر یہاں پر اسی قول پر بنیاد رکھی ہے۔ اس قول کے مقابلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث عن ابراہیم ان عائشۃ رأت امرأۃ یکدون راسها فقالت

غلامہ تصنون میتکم (مصنف ج 3 ص 437، رقم 6232 باب شعر المیت والظارحہ)

ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ایک

میت عورت کی مینڈیاں بنا رہی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خبردار کیا تم

مردہ عورتوں کی مینڈیاں بناتی ہو۔

اس روایت سے مینڈیاں بنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے ناظرین دونوں قول آپ کے

سامنے ہیں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو ترجیح دی ہے اور عقلی طور پر بھی امام اعظم کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی۔



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی روایت جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ پھر انہوں نے (یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے) اپنے کپڑے کی طرف دیکھا جس میں وہ زخمی ہوئے تھے اس میں زعفران کا ایک نشان تھا فرمایا میرا یہ کپڑا دھوؤ الو اور اس پر دو کپڑوں کا اضافہ کر دو اور ان میں مجھے کفن دو میں نے کہا (اماں عائشہ رضی اللہ عنہ نے) یہ پرانا کپڑا ہے فرمایا زندہ نئے کپڑوں کا مردے سے زیادہ مستحق ہے۔

(تفہیم البخاری ترجمہ و شرح صحیح بخاری ج 2 ص 443)

اس واقعہ سے بھی اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ مردہ کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ نے اپنی رائے سے یہ کام کیا تھا حضور ﷺ کا حکم نہ تھا۔

علامہ قسطلانی نے کہا کہ سرور کائنات ﷺ نے سر کے بالوں کے تین حصے کرنے کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ ام عطیہ نے تین چوٹیاں بنائیں یہ ان کا اپنا فعل ہے اس کو سید عالم ﷺ کی تقریر حاصل نہیں اور یہ کہنا کہ ام عطیہ نے آپ کے حکم سے کیا ہوگا محض ایک احتمال ہے جس سے حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

(بحوالہ تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری بلد 2 ص 331)

غیر مقلد کہتے ہیں کہ ابن حبان کی روایت میں حضور ﷺ کا حکم بھی موجود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امر کا لفظ شاذ ہے اور ابن حبان کی سند بھی صحیح نہیں۔

نیز ایک روایت حضرت ام سلیم کی مجمع الزوائد سے نقل کی جاتی ہے جس میں دو، تین مینڈیاں بنا کر پیچھے کرنے کا ذکر ہے۔ مگر اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود نہیں۔ بلکہ اس کی سند میں لیث بن سعد مدلس موجود ہے۔

## اعتراض نمبر ⑪

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑪: صلوٰۃ استسقاء باجماعت ادا کی جاسکتی ہے؟

حدیث نبوی ﷺ

عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی

لیستقی فصلی بہم رکعتن جہر فیہما بالقرآۃ واستقبل القبلة  
یدعو و رفع یدییہ و حول رداءہ حین استقبل القبلة  
ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز  
استسقاء کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلے جہاں آپؐ نے دو رکعت  
نماز پڑھائی جس میں جہری قرات فرمائی پھر قبلے کی طرف رخ کیا اپنے ہاتھوں کو  
اٹھایا اور چادر کو پلٹا۔

(صحیح بخاری ج 1 ص 139۔ کتاب الاستسقاء باب کیف حول النبی ﷺ ظہرہ الی الناس رقم الحدیث 980 باختلاف یسیر)  
مسند احمد ج 6 ص 39 رقم 16484 (سنن الدار قطنی ج 2 کتاب الاستسقاء رقم الحدیث 1776 ج 4 صفحہ 212) (جامع ترمذی  
رقم الحدیث 556 ابواب السفر باب ما جاء فی صلاۃ الاستسقاء ج 1 ص 82)

### فقہ حنفی

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ لیس فی الاستسقاء صلاۃ مسنونۃ  
فی جماعۃ فان صلی الناس وحدان جاز

ہدایہ اولین ج 1 کتاب الصلاۃ باب الاستسقاء صفحہ 176

ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مسنون نہیں  
ہے، ہاں اگر لوگ اکیلے نماز پڑھ لیں تو جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص 50)

جواب:

راشدی صاحب نے نماز استسقاء کے حنفی مسئلہ کو حدیث کے خلاف قرار دیا ہے پہلے آپ  
ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ دیکھیں امام ابو حنیفہ نے فرمایا استسقاء میں نماز باجماعت سنت نہیں ہے اگر  
لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو جائز ہے استسقاء تو صرف دعا اور استسقاء ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
استسقاء کرو اپنے رب سے بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (اور اس استسقاء کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ خوب  
برسنے والے بادل بھیجیں گے اور آنحضرت ﷺ نے (اکثر دفعہ) بارش کی دعا مانگی اور (ان اکثر  
واقعات میں) آپؐ سے نماز پڑھنا مروی نہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ نماز پڑھائے امام دو رکعت جیسا  
کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے پڑھیں دو رکعت مثل عید کے اس کو ابن عباس  
رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہم کہتے ہیں آپؐ نے ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھی پھر چھوڑ دی پس سنت نہ ہوئی

یہ (ص 176) یہ پوری عبارت ہے جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کی راشدی صاحب کو مخالفت کے مفہوم کا معنی بھی نہیں آتا۔ امام صاحب اس نماز باجماعت کے سنت ہونے کی نفی کرتے ہیں حدیث کے خلاف جب ہوگا کہ آپ حدیث شریف میں لفظ سنت دکھادیں جو آپ قیامت تک نہیں دکھا سکتے اگر آپ کے نزدیک نماز باجماعت استسقاء کی مستقل سنت ہے تو فرمائیے۔

### امام ابوحنیفہ کا صحیح مسلک:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ بارش کی دعا مانگنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی جائے۔ بلکہ صرف دعا بھی کی جاسکتی ہے۔ یعنی امام صاحب نے نماز استسقاء کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کے لئے ضروری ہونے سے انکار کیا ہے اور صرف دعا پر اکتفاء کرنا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

1- قرآن پاک نے بارش مانگنے کا جو طریقہ ذکر فرمایا اس میں استسقاء ہے نماز باجماعت کا ذکر نہیں کیا اس قرآنی طریقہ کو آپ خلاف سنت کہیں گے۔  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

استغفر واربکم انه کان غفارا یوسل السماء علیکم مدارا

یعنی طلب کرو مغفرت اپنے پروردگار سے وہ بخشے والا ہے بھیجتا ہے ابر (بادل) تم پر برسنے والا۔  
2- عبد اللہ بن بن ابی نمر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سنا کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا جو منبر کے ساتھ تھا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے خطاب دے رہے تھے اس نے کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیا اور کہا یا رسول اللہ لوگوں کا مال تباہ ہو گیا راستے بند ہو گئے اس لئے آپ اللہ سے دعا کریں کہ بارش برسائے۔ انس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا بخدا اس وقت آسمان پر نہ تو کوئی بادل اور نہ بادل کا کوئی ٹکڑا اور نہ کوئی چیز نظر آتی تھی اور نہ ہمارے اور سلع (پھاڑ) کے درمیان کوئی گھریا مکان تھا سلع کے پیچھے سے ڈھال کے برابر ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا جب وہ آسمان کے بیچ

(بخاری ج ۱ ص ۱۳۸)

-3

پھر منبر سے اتر آئے پھر جو قوم کبھی آپ کے پاس آئی اس نے یہی کہا کہ ہم پر خوب بارش ہوئی۔

(۱.۱۸ ماچہ ۹۰)

-4

(صحیح ابو عوانہ، لتخفیف الجبرج ۱ ص ۱۴۸)

ان تمام واقعات میں حضور ﷺ نے صرف بارش کی دعا مانگی ہے اس کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جس کا مطلب یہی ہے کہ صرف دعا مانگ لینا بھی درست ہے۔

-5-

استغفار کر کے پلٹ آئے۔ (مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 87، سنن سعید بن مسعود، بحوالہ عمدۃ القاری ج 3 ص 144)

ابو مردان الاسلمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے تو آپ نے استغفار کے علاوہ اور کچھ نہ کیا۔ (ابن ابی شیبہ سعید بن منصور ج 1 ص 422)

اگر یہ طریقہ خلاف سنت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیوں ایسا کرتے اور مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ جو ساتھ تھے وہ اس ترک سنت پر کیوں خاموش رہتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اعضاء وضو کا ایک ایک دو مرتبہ دھونا آپ کے فعل سے ثابت ہے مگر سنت نہیں سنت تین تین مرتبہ دھونا ہے۔

## اعتراف نمبر ۱۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۱۲: دوران خطبہ، تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجاوز فيهما ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تم میں سے کوئی ایک آئے تو اس کو چاہئے کہ بلکی دو رکعتیں پڑھ لے۔

۱ منہج کتاب الجمعة باب من دخل المسجد والامام يخطب او يخرج للخطبة فليصل ركعتين وليتجاوز فيها صفحة 287 رقم الحديث 2024

## فقہ حنفی

اذا خرج الامم يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبة

ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب الجمعة صفحہ 171

جمعہ کے دن جب امام جمعہ نماز کے لئے نکلے تو لوگوں کو نماز اور کلام ترک کر دینا

(فقہ و حدیث ص 51)

چاہئے۔



جواب:

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک خطبہ کے دوران نماز و کلام ممنوع ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ امام مالک اور اکثر فقہائے امت اسی کے قائل ہیں اور دلائل کی روشنی میں یہی مسلک راجح اور صواب ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1- عن سلمان قال قال رسول الله ﷺ من اغتسل يوم الجمعة و تطهر بما استطاع من طهر ثم ادھن اومس من طيب ثم راح فلم يفرق بين اثنين فصلى ما كتب له ثم اذا خرج الامام انصت غفر له ما بينه وبين الجمعة الاخرى.

(بخاری ج 1 ص 124)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس حد تک ہو سکے صفائی کرے۔ پھر تیل لگائے یا خوشبو ہو تو وہ لگائے پھر جمعہ کے لئے جائے تو دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے پھر جتنی نماز اس کے لئے مقدر ہے پڑھے پھر جب امام خطبہ کے لئے نکل آئے تو خاموش رہے تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

2- عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من اغتسل ثم اقی الجمعة فصلى ما قدر له ثم انصت حتى یفرغ من خطبته ثم یصلی معہ غفر له ما بینہ و بین الجمعة الاخری و فضل ثلاثہ ایام.

(مسلم ج 1 ص 283)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس نے غسل کیا پھر وہ جمعہ کے لئے (مسجد میں) آیا پھر جتنی نماز اس کے لئے مقدر تھی پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور تین دن مزید کے بھی۔

3- عن عطاء الخراسانی قال کان نبیۃ الہذلی یحدث عن رسول الله ﷺ ان المسلم اذا اغتسل يوم الجمعة ثم اقبل الى المسجد لا یؤذی احدا فان لم یجد الامام خرج صلی ما بدالہ وان

وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتى يقضى الامام  
جمعته و كلامه ان لم يغفر له في جمعته تلك ذنوبه كلها ان تكون  
كفارة للجمعة التي قبلها. (مسند احمد ج 5 ص 75)

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت میثتہ ہذلی رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد آئے  
اس طرح سے کہ کسی کو ایذا نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کے لئے)  
نہیں نکلا تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے، اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا ہے تو بیٹھ  
جائے اور خاموشی سے خطبہ سننے لگے یہاں تک کہ امام خطبہ و نماز سے فارغ ہو  
جائے تو اگر اس جمعہ کے اس کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ  
کے لئے یہ کفارہ ہو جائے گا۔

4- عن ابی ہریرۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم الجمعة  
وقفت الملائکۃ علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول و مثل  
المہجر کمثل الذی یمدی بدنہ ثم کالذی یمدی بقرۃ ثم کبشا  
ثم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج طوا و اصفہم و یستمعون الذکر۔

(بخاری ج 1 ص 127 ح مسلم ج 1 ص 280)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے  
تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے  
والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اول وقت دو پہر میں آنے والے  
کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر  
اس کے بعد دو نمبر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے  
پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی اس کے بعد  
مرغی پیش کرنے والے کی اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی جب امام خطبہ  
کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور  
ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

5- عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قلت لصاحبک  
یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت۔

(بخاری ج 1 ص 127)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے  
جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموشی رہ اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا  
تھا تو تم نے لغو و بیکار کام کیا۔

6- عن ابن عباس قال رسول اللہ ﷺ من تکلم یوم الجمعة  
والامام یخطب فهو کمثل الحمار یحمل اسفارا والذی یقولہ  
انصت لیست له جمعة۔

(مسند احمد ج 1 ص 230)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام  
کے خطبہ دینے کی حالت میں جو بات کرے وہ ایسے ہے جیسے گدھے نے  
کتا میں اٹھارکھی ہو اور جو اس سے کہے کہ چپ رہ تو اس کا جمعہ ہی نہیں۔

7- عن ابی عمر قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا دخل احدکم  
المسجد والامام علی المنبر فلا صلوۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام  
(مجمع الزوائد ج 2 ص 184)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ  
فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں اس وقت داخل ہو جب  
کہ امام منبر پر ہو تو اس صورت میں نہ نماز جائز ہے نہ کلام جب تک کہ امام  
(خطبہ سے) فارغ نہ ہو جائے۔

8- عن ابن شہاب عن ثعلبۃ بن ابی مالک القرظی انه اخبرہ  
انہم کانوا فی زمن عمر بن الخطاب یصلون یوم الجمعة حتی یمخرج  
عمر بن الخطاب فاذا خرج عمر وجلس علی المنبر واذن المودنون  
وقال ثعلبۃ جلسنا نتحدث فاذا سکت المودنون وقام عمر

بخطب انصتنا فلم يتكلم منا احد قال ابن اشهاب فخرج الامام يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام۔ (موسم امام مالک ص 88)

حضرت ابن شہاب زہری حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لاتے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لا کر منبر پر بیٹھ جاتے تو موزن اذان کہتے تو (ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) کہ ہم بیٹھے بیٹھے بات کر لیا کرتے تھے، پھر جب موزن خاموش ہو جاتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ہم خاموش ہو جاتے اور ہم میں سے کوئی شخص کلام نہ کرتا، حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

9- عن ابن شهاب قال حدثني ثعلبة بن ابي مالك ان قعود الامام يقطع السبحة وان كلامه يقطع الكلام الحديث۔

(مسند امام الشافعی ص 139 ج 1)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ امام کا منبر پر بیٹھ جانا نماز کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا کلام گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

10- عن ثعلبة بن ابي مالك القرظي قال ادرکت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما فكان الامام اذا خرج ترکنا الصلوة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 11)

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو نماز کا زمانہ پایا (اس دور میں جمعہ کے دن ایسا ہوتا تھا کہ) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کیلئے نکل آتا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے۔

11- عن سائب بن يزيد قال كنا نصلی فی زمن عمر يوم الجمعة فاذا خرج عمر وجلس على المنبر قطعنا الصلوة وکنا

تحدث و يحدثوا و ربما نسال الرجل الذي يليه عن سوقه و معاشه فاذا سكت البوذن خطب و لم يتكلم احد حتى يفرغ من خطبته.

(رواه آئق بن رابويه نحو النسب الرايع ج 2 ص 204)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے تھے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لا کر منبر پر بیٹھے تو ہم نماز بند کر دیتے تھے، اور لوگ آپس میں بات چیت کر لیا کرتے تھے اور کبھی ہم اپنے قریب کے شخص سے اس کے بازار میں اور معاش کا حال احوال بھی پوچھ لیتے تھے پھر جب موذن خاموش ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے اور ان کے خطبے سے فارغ ہونے تک ہم میں سے کوئی شخص بات نہ کرتا۔

12- عن علی قال الناس فی الجمعة ثلاث رجل شهدا بسكون وقار و انصات و ذالك الذي يغفر له ما بين الجمعتين قال حسبته قال و زیادة ثلاثة ايام. قال و شاهد شاهد شهدا بلغوا فذالك خطه منها و رجل صلی بعد خروج الامام فلیست بسنة ان شاء اعطاء وان شاء منعه.

(مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 210)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ میں تین قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں، ایک وہ شخص جو جمعہ میں سکون وقار اور خاموشی کے ساتھ حاضر ہوا یہ تو ایسا شخص ہے کہ اس کے جمعہ سے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں راوی کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور تین دن مزید کے بھی دوسرا وہ شخص ہے جو جمعہ میں شریک ہو کر لغو کام کرتا ہے اس کا حصہ تو یہی لغو و بیکار کام ہے، اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے امام کے (خطبہ کے لئے) نکلتے کے بعد نماز پڑھی اس کی یہ نماز سنت کے مطابق نہیں، اللہ چاہے تو اس کو (ثواب) دے اور چاہے تو نہ دے۔

13- عن الحارث عن علی انه كره الصلوة يوم الجمعة والامام يخطب.

(المدينة الكبرى ج 1 ص 148)

حضرت حارث رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن



جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

14- عن عطاء عن ابن عباس و ابن عمر انہما کانایکراہان

الصلوة والكلام بعد خروج الامام. (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 111)

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ امام کے خطبہ کے لئے نکل آنے کے بعد نماز

پڑھنے اور کلام کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

15- عن ابن عباس قال سالوة عن الرجل یصلی والامام یخطب

قال ارایت لو فعل ذالک کلہم کان حسنا.

(مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 245)

حضرت عباس بن عباس رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے سوال کیا خطبہ کے دوران آدمی نماز

پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر سب ہی پڑھ لگیں تو کیا یہ ٹھیک ہوگا؟

16- عن نافع قال کان ابن عمر یصلی یوم الجمعة فاذا تحین

خروج الامام قعد قبل خروجه. (مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 210)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن نماز

پڑھتے رہتے اور جب امام کے آنے کا وقت ہو جاتا تو اس کے آنے سے پہلے

ہی نماز بس کر کے بیٹھ جاتے۔

17- عن عقبہ بن عامر قال الصلوة والامام علی المنبر

معصیة. (طحاوی ج 1 ص 254)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر

ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔

18- عن هشام بن عروہ قال رایت عبداللہ بن صفوان دخل

المسجد یوم الجمعة و عبداللہ بن الزبیر یخطب علی المنبر و علیہ

ازار و رداء و نعلان و هو متعمم بعبامة فاستلم الرکن ثم قال

السلام علیک یا امیر المومنین و رحمة اللہ ویرکاتہ ثم جلس و

(طحاوی ج 1 ص 254)

لم یرکع

حضرت بشام بن عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد حرام میں اس وقت تشریف لائے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔۔۔۔ اور ان کے جسم پر اس وقت تہبند تھا اور چادر اور نعلین پہنے ہوئے تھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے، انہوں نے آکر حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر بیٹھ گئے اور سنتیں نہیں پڑھیں۔

19- عن توبة العنبری قال قال الشعبي ارایت الحسن حین یعیی وقد خرج الامام فیصلی عنہ اخذ هذا، لقد ارایت شریحا اذا جاء وقد خرج الامام لم یصل۔ (مٹاوی ج 1 ص 254)

حضرت توبہ عنبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے حسن بصری رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لئے آتے ہیں تو باوجود یہ کہ امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا ہے پھر بھی وہ نماز پڑھتے ہیں یہ طریقہ انہوں نے کس سے لیا ہے؟ میں نے تو قاضی شریح رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا تو پھر وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

20- عن الشعبي قال کان شریح اذا اتی الجمعة فان لم یکن خرج الامام صلی رکعتین و ان کان خرج جلس و احتبی واستقبل الامام فلم یلتفت یمینا ولا شمالا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 112، مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 245)

حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی شریح رضی اللہ عنہ جب جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام ابھی خطبہ کے لئے نہ نکلا ہوتا تو آپ دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھ لیتے تھے اور اگر امام خطبہ کے لئے آچکا ہوتا تو گوٹھ مار کر بیٹھ جاتے اور امام کی طرف تو جہ فرماتے دائیں بائیں التفات نہ فرماتے۔

21- عن خالد الحذاء ان ابا قلابۃ جاء یوم الجمعة و الامام

میخطب فجلس ولم یصل۔ (بخاری ج 1 ص 254)

حضرت خالد حذاءؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو قلابتہؓ جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لائے تو امام خطبہ دے رہا تھا آپ بیٹھ گئے اور آپ نے نماز نہیں پڑھی۔

22- عن معمر قال سألت قتادة عن الرجل يأتي والامام میخطب يوم الجمعة ولم يكن صلي يصلي؛ فقال اما انا فكنتم جالسا۔ (مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 245)

حضرت معمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہؓ سے پوچھا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آتا ہے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور اس شخص نے نماز (تحیۃ المسجد یا سنت) نہیں پڑھی تو کیا وہ اس حالت میں پڑھ لے؟ آپ نے فرمایا کہ بھئی میں تو ایسی صورت میں بیٹھ جاتا ہوں (نماز نہیں پڑھتا)

23- عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له جئت والامام میخطب يوم الجمعة اترك؟ قال امام والامام میخطب فلم اكن اركع۔ (مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 245)

حضرت ابن جریجؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباحؓ سے سوال کیا کہ اگر آپ جمعہ کے دن اس وقت تشریف لائیں جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو تو آپ نماز (تحیۃ المسجد یا سنت) پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اگر امام خطبہ دے رہا ہو تو پھر نہیں پڑھوں گا۔

24- عن ابی سیرین انه كان يقول اذا خرج الامام فلا یصل احد حتى یفرغ الامام۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 111)

حضرت ابن سیرینؓ فرماتے ہیں کہ جب امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہو تو پھر اس کے خطبہ سے فارغ ہونے تک کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔

25- عن هشام بن عروہ عن ابیه قال اذا قعد الامام علی

المنبر فلا صلوة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 111)

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو پھر کوئی نماز جائز نہیں۔

26- عن معمر عن الزهري في الرجل يجي يوم الجمعة و  
الامام يخطب يجلس ولا يصلي۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 111، طحاوی ج 1 ص 254)

حضرت معمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو شخص کے جمعہ کے دن اس وقت آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے نماز نہ پڑھے۔

27- عن الزهري عن ابن المسيب قال خروج الامام يقطع  
الصلوة كلامه يقطع الكلام۔

(مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 208، مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 111)

حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا امام کا خطبہ کے لئے نکلنا نماز کو اور اس کا کام کرنا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

28- عن ليث عن مجاهد انه كره ان يصلي والامام يخطب۔

(طحاوی ج 1 ص 255)

حضرت لیث رضی اللہ عنہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

29- عن ابراهيم قال قيل لعلقمة انت كلم والامام يخطب او قد  
خرج الامام قال لا۔ (شرح معانی الآثار ج 1 ص 217)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ علقمہ سے کسی نے پوچھا کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے نکلے یا خطبہ دے رہا ہو اس وقت ہم بات کر سکتے ہیں؟ کہا نہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے

کیونکہ یہ اس زمانہ پر محمول ہے جب نماز میں بات کرنا مباح تھا اور جب نماز کے دوران بات کرنا مباح تھا تو دوران خطبہ بات کرنا بھی مباح ہوا اور دوران خطبہ نماز پڑھنا بھی مباح ہوا اس لئے آپ نے اس بات کے اعتبار سے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن جب آپ نے نماز کی طرح خطبہ کے دوران کلام سے منع فرمادیا تو پچھلا حکم منسوخ ہو گیا اور اب دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہ رہا یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے دوران خطبہ نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اگر یہ حکم منسوخ نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ وہ اس کام سے منع کریں؟ جس کا جناب رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا ہو۔

### اعتراض نمبر ۱۳

پیریدلج الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۱۳: ایک رکعت وتر کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلوة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة تو تر لہ ما قد صلی ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں جب صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت نماز پڑھ لے۔ (یہ ایک رکعت) اس کی پوری نماز کے لئے وتر ہو جائے گی۔  
(بخاری ج ۱ کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر صفحہ ۱۳۵ رقم الحدیث ۹۹۰)

### فقہ حنفی

الوتر ثلاث رکعات

ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ الوتر ص ۱۴۴

وتر تین رکعت ہی ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۵۲)



جواب:

ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت موکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گزرا لو گے اتنا میٹھا ہوگا جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا۔ نماز وتر کے بارہ میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں جن میں جنس احکام نفل والے ہیں مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا۔ سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین ہی رکعت پڑھنا سواری پر بیٹھ کر وتر جائز نہ ہونا وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو کبھی نفل کی نیت سے ادا کر لیا جائے اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ صراحتہ کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے اب یہ ہیں جب یہ صراحت نہ ملی تو بعض حدیث معاذ رضی اللہ عنہ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی۔ اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل تھے اس لئے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کر دیا جاتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ تیرہ وتر (مع تہجد) پڑھے۔ پھر وتر واجب ہو گئے۔

وتر کے واجب ہونے کا ثبوت

حدیث نمبر ①:

عن خارجة بن حذافة قال ابو الیہم العدوی قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ قد امدکم بالصلوة ہی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر ففعلھا لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر .

(البداء ج 1 ص 201 ترمذی ج 1 ص 103 مستدرک ما تم ج 1 ص 306)

حضرت خارجه بن حذافہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے یا تمہارے لئے ایک نماز زائد کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے وہ نماز وتر ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عشاء سے لے کر صبح صادق تک مقرر کیا ہے۔ (حاکم و ذہبی نے شرط شیخین پر اس روایت کو صحیح کہا ہے)

یہ حدیث حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ (حاکم)، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (طبرانی)، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (دارقطنی)، حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ (دارقطنی)، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (طبرانی) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (خلائیات بیہقی)، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (دارقطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے اس لئے قاضی ابوزید فرماتے ہیں وہو حدیث مشہور

### حدیث نمبر ۲:

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم۔

(مسند احمد ج ۷، صحیح ابن حبان بحوالہ الذرایہ، منحة المعبود فی تریب مسند الطیالسی ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱۹، دارقطنی ج ۲ ص ۲۲)

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر حق ہیں واجب ہیں ہر مسلمان پر۔

### حدیث نمبر ۳:

عن عبد اللہ بن بریدۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ مستدرک ماہم ج ۱ ص ۳۰۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ فرما رہے تھے وتر حق (واجب) ہیں۔ جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

### حدیث نمبر ۴:

عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال الوتر واجب علی کل مسلم۔

(کشف الاستار عن زوائد البوارج ج ۱ ص ۳۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ  
آپ نے فرمایا وتر واجب ہیں ہر مسلمان پر۔

حدیث نمبر ⑤:

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وتر۔  
(بخاری ج ۱ ص ۱۳۶، مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ  
آپ نے فرمایا اپنی رات کو آخری نماز وتر بناؤ۔

حدیث نمبر ⑥:

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال بادروا الصبح بالوتر۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا  
صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

حدیث نمبر ⑦:

عن ابی سعید ان النبی ﷺ اوتر واقبل ان تصبحوا۔  
(مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)  
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا  
وتر صبح ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔

حدیث نمبر ⑧:

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل  
فلیوتر اولہ و من طعم ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوٰۃ آخر  
اللیل مشہودۃ و ذالک افضل۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ  
رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو اسے چاہئے کہ وہ شروع رات ہی  
میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے گا تو  
اسے چاہئے کہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے۔ کیونکہ رات کے آخری

حصہ کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے اور یہ افضل ہے۔

حدیث نمبر ⑨:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ من نام عن وترہ اونسیہ  
فلیصلہ اذا أصبح او ذکرہ۔

(متدرک مائمج 1 ص 302، دارقطنی ج 2 ص 22)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر  
پڑھے بغیر سو جائے یا پڑھنا بھول جائے اسے چاہئے کہ وہ صبح اٹھ کر یا جب یاد  
آئے وتر پڑھے۔

حدیث نمبر ⑩:

عن الاشعث بن قیس قال تضيفت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقام فی  
بعض اللیل فتناول امراته فضر بها ثم نادانی یا اشعث قلت  
لبیک قال احفظ عنی ثلثا حفظتہن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم لا تسئل الرجل فیہم یضرب امراته ولا تسالہ عنہم یعتبد  
من اخوانہ ولا یعتبدہم ولا تنم الا علی وتر۔

(متدرک مائمج 4 ص 175)

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر ایک  
دفعہ مہمان بنا، آپ رات کے کسی حصہ میں اٹھے بیوی کو بلا کر سرزنش کی، پھر  
مجھے آواز دی کہ اے اشعث، میں نے عرض کیا حاضر ہوں فرمایا میری جانب  
سے تین باتیں یاد رکھو، یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (سن کر) یاد کی تھیں۔

- 1- کسی سے یہ نہ پوچھو کہ وہ اپنی بیوی کو کیوں مار رہا ہے۔
- 2- اور کسی سے یہ نہ پوچھو کہ اسے اپنے دوستوں میں سے کس پر اعتماد ہے اور کس پر نہیں۔
- 3- وتر پڑھے بغیر نہ سو۔

حدیث نمبر ⑪:

عن ابی تمیم الجیشانی ان عمرو بن العاص خطب الناس یوم جمعة

فقال ان ابا بصرۃ حدثنی ان النبی ﷺ قال ان اللہ زادکم صلوۃ وھی الوتر فصلوها فیما بین صلوۃ العشاء الی صلوۃ الفجر قال ابو تمیم فآخذ بییدی ابوذر فسار فی المسجد الی ابی بصرۃ فقال له انت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما قال عمرو قال ابو بصرۃ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول۔

(مسند احمد ج 6 ص 7 ہمدردک حاکم ج 3 ص 593)

حضرت ابو تمیم جیشانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز زائد کی ہے جو وتر ہے لہذا تم عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر فجر کی نماز تک کے درمیان درمیان اسے پڑھا کرو، ابو تمیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد میں جا کر ابو بصرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو وہ فرماتے سنا ہے جو عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، حضرت ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔

### حدیث نمبر ۱۲:

عن عاصم بن ضمرۃ قال قال علی ان الوتر لیس بمحتم کصلوۃ تکم المکتوبۃ ولکن رسول اللہ ﷺ اوتر ثم قال یا اهل القران اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر۔

(مسندک حاکم ج 1 ص 300)

حضرت عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر فرض نماز کی طرح تو ضروری نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے پھر فرمایا کہ اے قرآن والو وتر پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہیں اور وتر (طاق عدد) کو پسند فرماتے ہیں۔

### حدیث نمبر ۱۳:

عن مالک انه بلغه ان رجلا سال عبد اللہ بن عمر عن الوتر او اوجب هو فقال عبد اللہ بن عمر قد اوتر رسول اللہ ﷺ اوتر المسلمون قال جعل الرجل یردد علیہ و عبد اللہ بن عمر یقول قد اوتر رسول اللہ ﷺ و اوتر ال مسلمون۔ (موطا امام الک ص 109)



حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وتر واجب ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہی فرماتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر (۱۴):

عن ابی ایوب قال الوتر حق او واجب. (معنی ابن ابی شیبہ ج 2 ص 297)  
حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں کہ وتر حق میں یا واجب ہیں۔

حدیث نمبر (۱۵):

عن مجاہد قال هو واجب ولم یکتب.  
(معنی ابن ابی شیبہ ج 2 ص 297)  
حضرت مجاہد فرماتے ہیں وتر واجب ہیں فرض نہیں۔

حدیث نمبر (۱۶):

عن طاؤس الوتر واجب یعاد الیہ اذ انسی.  
(معنی عبد الرزاق ج 3 ص 8)  
حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وتر واجب ہیں اگر بھولے سے رہ جائیں تو قضاء پڑھے جائیں گے۔

حدیث نمبر (۱۷):

عن حماد قال او تر وان طلعت الشمس.  
(معنی عبد الرزاق ج 3 ص 10)  
حضرت حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وتر پڑھو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے (یعنی اگر قضاء پڑھنی پڑھے تو پڑھو)

## حدیث نمبر ⑸:

عن وبرة قال سألت ابن عمر عن رجل أصبح ولم يوتر. قال ارايت لو نمت عن الفجر حتى تطلع الشمس اليس كنت تصلي كانه يقول يوتر.

(مسند ابن ابی شیبہ ج 2 ص 290)

حضرت وبرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھے بغیر صبح کر دے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر تم صبح کی نماز پڑھے بغیر سوتے رہو حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے تو کیا تم صبح کی نماز نہیں پڑھوں گے گویا آپ یہ فرما رہے تھے کہ وہ شخص وتر پڑھے۔

## حدیث نمبر ⑹:

عن الشعبي وعطاء الحسن وطائوس ومجاهد قالوا لا تدع الوتر وان طلعت الشمس.

(مسند ابن ابی شیبہ ج 2 ص 290)

حضرت امام شعبیؓ، حضرت عطاءؓ، حضرت حسن بصریؓ، حضرت طاؤسؓ، حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے۔

## حدیث نمبر ⑺:

عن الشعبي قال لا تدع الوتر ولو تنصف النهار.

(مسند ابن ابی شیبہ ج 2 ص 290)

حضرت امام شعبیؓ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ نصف النہار ہی کیوں نہ ہو جائے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرما رہے ہیں کہ وتر واجب ہیں جیسا کہ حضرت ابویوب الانصاری اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث سے واضح ہے، دوسرے متعدد احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جب تک کہ دوسرے معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو، تیسرے آپ نے وتر نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے ”جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں

سے نہیں، یہ بھی وجوب کی علامت ہے، چوتھے آپ نے وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کرنے کا حکم دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں کیونکہ قضاء فرض واجب ہی کی جاتی ہے، پانچویں آپ نے وتر کی نماز پر مواظبت و مداومت بلا ترک فرمائی ہے۔ اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فرامین سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ واجب ہو جانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہو گئے نہ اس کی رکعتوں کی تعداد اپنی مرضی پر رہی نہ ہی اس کا پھٹک پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔

### وتر تین رکعات واجب ہیں اور وہ مغرب کی نماز کی طرح ہیں

اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی اور پانچ نمازوں میں سے چار نمازیں جفت ہیں یعنی دو یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے اور حضور اکرم ﷺ نے وتر کو مغرب کی نماز کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب مغرب کی نماز تین رکعات ہے۔ اس لئے وتر بھی تین رکعات ہی ہوں گے۔

#### حدیث نمبر ①:

عن ابی عمر ان النبی ﷺ قال صلوٰۃ المغرب و تر النہار فاوتروا صلوٰۃ اللیل۔  
(مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 28)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں تم رات کی نماز کو وتر بناؤ۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (زرقانی شرح موطا ج 1 ص 233)

#### حدیث نمبر ②:

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ و تر اللیل ثلاث کو تر النہار صلوٰۃ المغرب۔  
(دارقطنی ج 2 ص 28)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں دن کے وتر یعنی نماز مغرب کی طرح۔

## حدیث نمبر (۳):

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ الوتر ثلث كثلث المغرب.

(مجمع الزوائد ج 2 ص 242)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعتیں، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح۔

نوٹ: یہ تینوں روایتیں مرفوع ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں جن میں صاف تصریح ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے۔

## حدیث نمبر (۴):

عن عبد الله بن مسعود قال الوتر ثلث كوتر النهار صلوة

(المغرب. (لمطابق ج 1 ص 202)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں دن کے وتر مغرب کی نماز کی طرح۔

## حدیث نمبر (۵):

عن عبد الله بن مسعود قال الوتر ثلث كصلوة المغرب. (موطأ امام محمد ص 142)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں مغرب کی نماز کی طرح۔

## حدیث نمبر (۶):

عن عبد الرحمن بن يزيد قال قال بن مسعود وتر الليل كوتر

النهار صلوة المغرب ثلثاً. (معجم طبرانی کبیر ج 9 ص 272)

حضرت عبد الرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح تین ہیں۔

## حدیث نمبر (۷):

عن عقبه بن مسلم قال سألت ابن عمر عن الوتر فقال اتعرف

وتر النهار قلت نعم صلوة المغرب قال صدقت واحسنت

(طحاوی ج 1 ص 192)

حضرت عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وُتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم دن کے وتر جانتے ہو میں نے کہا جی ہاں نماز مغرب آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور خوب کہا۔

حدیث نمبر ⑧:

عن عطاء قال ابن عباس رضی اللہ عنہما الوتر كصلوة المغرب.

(موطا امام محمد ص 142)

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وتر مغرب کی طرح ہیں۔

حدیث نمبر ⑨:

عن الحسن قال كان ابي بن كعب يوتر بثلاث لا يسلم الا في الثالثة

(مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 26)

مثل المغرب.

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے مغرب کی طرح۔

حدیث نمبر ⑩:

عن ابي خالدة قال سألت ابا العالية عن الوتر فقال علمنا اصحاب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم او علمونا ان الوتر مثل صلوة المغرب غير ان انقرا في

الثالثة فهذا وتر الليل وهذا وتر النهار.

(طحاوی ج 1 ص 202)

حضرت ابو خالدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے تعلیم دی یا فرمایا کہ انہوں نے تعلیم دی ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں سوائے اس کے ہم وتر کی تیسری رکعت میں بھی قرات کرتے ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور وہ (مغرب) دن کے وتر ہیں۔



ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین رکعت مقرر ہو گئیں جیسے نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو اٹھتیاں اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں اسی پر صحابہ خود عمل کرتے رہے اور یہی طریقہ اپنے کو بتاتے رہے اور اسی پر بلا تردد انکار خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جن احادیث مختلف آئی ہے وہ اس دور کی ہیں جب وتر نافذ تھے۔

## تین رکعات وتر کی مزید روایات

1- عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه اخبره انه سال عائشة  
کیف كانت صلوة رسول الله ﷺ في رمضان فقالت ما كان  
رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة  
يصل اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصل اربعا فلا  
تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصل ثلاثا الحديث.  
(بخاری ج 1 ص 154، مسلم ج 4 ص 254، نسائی ج 1 ص 191)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف سے مروی ہے انہوں نے سعید بن مسیبہ بن ابی سعید مقبری رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں اور غیر رمضان گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین و طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

2- عن عبد الله بن عباس انه رقد عند رسول الله ﷺ  
فاستقيظ فتسوك و توضا و هو يقول ان في خلق السهوت  
والارض واختلاف الليل والنهار لايت لاولي الباب فقرا هولاء  
الايات حتى ختم السورة يم قام فصلی ركعتین فاطال فیہما  
القیام والركوع والسجود ثم انصرف فنام حتى نفخ ثم فعل  
ذلك ثلاث مرات ست ركعات كل ذلك يستاك ويتوضا و یقرا

ہولاء الایات ثم او تر بثلث الحدیث۔ (مسلم ج 1 ص 261)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں) سوئے، آنحضرت ﷺ رات کو بیدار ہوئے مسواک کی وضو کیا اور یہ آیات تلاوت فرمائیں ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لایات لا ولی الباب سورۃ کے ختم تک پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ دونوں رکعتوں میں قیام، رکوع اور سجود کو خوب لمبا کیا پھر آپ فارغ ہو کر سو گئے یہاں تک کہ خراٹے بھرنے لگے، آپ نے یہ عمل تین بار کیا، سو کر اٹھتے مسواک اور وضو کر کے دو رکعت ادا فرماتے اور ہر دفعہ سورہ آل عمران کی آخری آیات تلاوت فرماتے اس طرح چھ رکعات آپ نے ادا فرمائیں پھر تین رکعات وتر پڑھے۔

3- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی من الليل ثمان رکعات ویوتر بثلث ویصلی رکعتین قبل صلوٰۃ الفجر۔ (نسائی ج 1 ص 192)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو پہلے آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے۔ پھر دو رکعت (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے۔

4- عن عامر الشعبي قال سألت ابن عباس وابن عمر کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ باللیل فقالا ثلاث عشرة رکعة ثمان ویوتر بثلث ورکعتین بعد الفجر۔

(طحاوی ج 1 ص 192)

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کو نماز کیسی ہوتی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے پہلے آٹھ رکعات (تہجد) پھر تین رکعات وتر پھر دو رکعت (سنت) صبح

صادق کے بعد۔

5- اخبرنا ابو حنیفة حدثنا ابو جعفر قال قال رسول الله ﷺ يصلي ما بين صلوٰۃ العشاء الى الصلوٰۃ الصبح ثلث عشرة ركعة ثمان ركعات تطوعا ثلث ركعات الوتر وركعتي الفجر.  
(مولانا محمد ص 145)

حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی اور وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابو جعفر رحمہ اللہ نے حدیث بیان کی، فرمایا رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک کے درمیان تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے آٹھ رکعات نفل (تہجد) تین رکعات وتر اور دو رکعت فجر کی سنت۔

6- عن عمرة عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان يوتر بثلاث يقرأ في الركعة الاولى بسبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية قل يا ايها الكفرون وفي الثالثة قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔

(دارقطنی ج 2 ص 35، طحاوی ج 1 ص 196، متہرک ماہم ج 1 ص 305)

حضرت عمرہ رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلى دوسری میں قل يا ايها الكفرون اور تیسری میں قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

7- عن علي قال قال رسول الله ﷺ يوتر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل يقرأ في كل ركعة بثلاث سود آخرهن قل الله احد۔  
(ترمذی ج 1 ص 106)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تینوں رکعتوں میں (قصار) مفصل کی نو سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر

رکعت میں تین سورتیں پڑھتے سب سے آخر سورۃ قل هو اللہ احد ہوئی تھی۔

8- عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ وقل یا ایہا الکفرون وقل هو اللہ احد فی رکعتہ رکعتہ۔ (ترمذی ج 1 ص 106)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں سبح اسم ربك الاعلیٰ قل یا ایہا الکفرون اور قل هو اللہ احد پڑھا کرتے تھے ہر سورت ایک رکعت میں۔

9- عن عبدالرحمن بن ابی بنیہ صلی اللہ علیہ وسلم مع النبی ﷺ الوتر فقرا فی الاولیٰ بسبح اسم ربك الاعلیٰ و فی الثانیۃ قل یا ایہا الکفرون و فی الثالثۃ قل هو اللہ احد فلما فرغ قال سبحان الملک القدوس ثلاثا بعد صوته بالثالثۃ۔

(طحاوی ج 1 ص 201، منذ احمد ج 3 ص 406، نمائی ج 1 ص 196)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بنیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ وتر کی نماز پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے تین باریہ کلمات کہے سبحان الملک القدوس اور تیسری مرتبہ آواز بلند کی۔

10- عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ ﷺ یوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ وقل یا ایہا الکفرون وقل هو اللہ احد۔

(نمائ ج 1 ص 194، البدو ج 1 ص 201، ابن ماجہ ص 83، منذ احمد ج 5 ص 123)

حضرت ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم ربك الاعلیٰ قل یا ایہا الکفرون اور قل هو اللہ احد کے ساتھ وتر کی نماز ادا فرماتے تھے۔

11- عن عبدالعزیز بن جریج قال سألت عائشۃ ام المؤمنین بای شی کان یوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان یقرأ فی

الاولی بسبح اسم ربك الاعلیٰ وفي الثانية بقل یا ایہا الکفرون وفي  
الثالثة بقل هو الله احد والمعوذین۔

(مسند احمد ج 1 ص 227، ترمذی ج 1 ص 106، ابوداؤد ج 1 ص 201، ابن ماجہ ص 83)

حضرت عبدالعزیز بن جریج ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت  
عائشہ ؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وترو میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے  
آپ نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا  
الکفرون اور تیسری میں قل هو الله احد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ  
برب الناس پڑھتے تھے۔

### حضرت عمر فاروق ؓ وترتین رکعات پڑھتے تھے

12- عن عمر بن الخطاب انه قال ما احب انی ترک الترتین  
بثلث وان لی حمرا النعم۔

(مولانا امام محمد 145)

حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے پسند نہیں کہ میں تین رکعات وتر  
چھوڑ دوں چاہے مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ کیوں نہ ملیں۔ حضرت علی کرم  
اللہ وجہہ وترتین رکعات پڑھتے تھے۔

13- عن زاذان ان علیا کان یوتر بثلث من آخر اللیل قاعدا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 295)

حضرت زاذان سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وترتین رکعات پڑھا  
کرتے تھے رات کے آخری حصہ میں بیٹھ کر۔

14- عن زاذان عن علی انه کان یوتر بانزلنا فی لیلة القدر

واذا زلزلت الارض وقل هو الله احد۔ (مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 34)

حضرت زاذان ؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ  
وتروں میں انزلنا فی لیلة القدر۔ اذا زلزلت الارض اور قل هو الله  
احد پڑھا کرتے تھے۔



## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تین رکعات وتر کے قائل تھے

15- عن علقمۃ قال اخبرنا عبد اللہ بن مسعود اھون ما یکون الوتر بثلاث رکعات۔ (موطا امام محمد ص 146)

حضرت مائتہ بیسہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وتر کی کم سے کم تین رکعات ہیں۔

## حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی تین رکعات وتر پڑھتے تھے:

16- عن ابی یحییٰ قال سمر المسور بن مخرمۃ و ابن عباس حتی طلعت الحمراء ثم نام ابن عباس فلم یستقیظ الا باصوات اهل الزوراء فقال لا صحابہ اترونی ادرك اصلى ثلثاً یزید الوتر و رکعتی الفجر و صلوۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس فقالوا نعم فصلی و هذا فی آخر وقت الفجر۔ (طحاوی ج 1 ص 199)

حضرت ابو یحییٰ بیسہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رات کو باتیں کرنے لگے، یہاں تک سرخ ستارہ (جو صبح صادق سے پہلے نکلا کرتا ہے) نکل آیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سو گئے اور پھر اہل زوراء کی آوازوں کی وجہ سے بیدار ہوئے آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کیا خیال ہے کی مجھے اتنا وقت مل جائے گا۔ کہ میں سورج نکلنے سے پہلے پہلے تین رکعات وتر، دو رکعت سنت اور فجر کی نماز پڑھ سکوں، انہوں نے کہا جی ہاں، چنانچہ آپ نے (یہ تمام) نماز پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ سوال فجر کے اخیر وقت میں تھا۔

17- عن ابی منصور قال سالت عبد اللہ بن عباس عن الوتر فقال ثلاث۔ (طحاوی ج 1 ص 199)

حضرت ابو منصور بیسہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے وٹروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تین (رکعات) ہیں۔

## حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی تین رکعات پڑھتے تھے

18- عن انس قال الوتر ثلاث ركعات و كان يوتر بثلاث ركعات.  
(طحاوی ج 1 ص 202)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں اور آپ ﷺ وتر تین رکعات ہی پڑھتے تھے۔

## حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

19- عن السائب بن يزيد ان ابي بن كعب كان يوتر بثلاث.  
(مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 36)

حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

## حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

20- عن ابي غالب ان ابا امامة كان يوتر بثلاث.

(طحاوی ج 1 ص 200، مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 293)

حضرت ابو غالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

## حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

21- عن سعي د بن جبیر انه كان يوتر بثلاث ويقنت في الوتر قبل الركوع.  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 294)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے اور دعائے قنوت وتر میں رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

## حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بھی تین رکعات وتر کے قائل تھے

22- عن علقمه قال الوتر ثلاث.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 294)

حضرت عاتقہؓ بیسید فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں۔

آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (جیسا کہ بعض روایات اور پرفکر کی گئی ہیں) یہ حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، نعمان بن بشرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو امامہؓ جو وہ صحابہ نے روایت کیا ہے اور عبد بن فاروقیؓ سے ہیں تراویح اور تین وتر پر صحابہ کا اجماع ہو گیا یہی اجماع حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔

لہذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً مردک العمل ہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو نماز پڑھی ہے اس کے ساتھ ایک اور رکعت پڑھ لے جس سے ساری نماز وتر (یعنی طاق) بن جائے گی۔  
مولانا منظور احمد سیالکوٹی لکھتے ہیں۔

تو تو لہ ما قد صلی وہ اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی یعنی دو رکعت کے ساتھ تیسری ملا نہیں تو تین وتر ہو جائیں گے۔ پس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس ایک رکعت کو دوسری نماز سے جدا کر کے صرف ایک ہی کے طور پر پڑھا جائے گا۔ جب کہ صراح میں موجود ہے کہ صلاة اللیل دو دو رکعت ہے اور جب طلوع فجر کا خوف پیدا ہو جائے تو دو کے ساتھ ایک ملا لی جائے۔ (فضل المعبود شرح ابی داؤد ج 2 ص 473)

حافظ ابن حجر عسقلانی بیسید لکھتے ہیں۔

واستدل بقوله ﷺ صلى ركعة واحدة على ان فصل الوتر افضل من وصله و تعجب بانه ليس صريحا في الفصل فيحتل ان يربد

بقوله صلى ركعة واحدة اے مضافۃ الی الرکعتین هما مضی

(فتح الباری ج 2 ص 481)

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز میں سلام کلام جائز تھا اس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت

کرتے بعض ایک رکعت ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ”وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہو“

(تلخیص الخیر ج 2 ص 115)

2- حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ عن البتیرا ان یصلی الرجل واحدا ً یوتر بہا

(رواہ ابن عبد البر فی التعمید بحوالہ اعلام السنن ج 2 ص 40)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا ہے یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔

عن محمد بن کعب القرظی ان النبی ﷺ نہی عن البتیر

(زیلعی ج 1 ص 303 وجوم مل معتقد)

محمد بن کعب بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا۔

دور صحابہ و تابعین میں ان ہی احادیث (جن میں تین رکعات کا ذکر ہے) کے موافق عمل جاری تھا ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا اگر شاذ و نادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کر سکتا۔ ہمارا غیر مقلدین سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیث صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا۔ اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے کہ جن پر انکار ہوا انہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا ہے۔

1- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہوں ہا ی کون الو تر ثلاث رکعات

(مولانا محمد ص 150) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے۔ اب غیر مقلدین ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو۔

2- پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صراحت کھل کر فرمایا اجزات رکعة واحدة قط (مولانا محمد ص 150) کہ (وتر) کی ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہو سکتی اس وقت کوفہ میں سینکڑوں

صحابہ اور ہزاروں تابعین موجود تھے کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

حضرت سعد بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک رکعت ہر گز جائز نہیں و عاب ذلك علی سعد اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا۔

(ٹحاوی ج 1 ص 203)

مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کر سکے (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ پہلے زمانے کا ہے)

حضرت عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑ لیا اور پوچھا یا ابا اسحاق ماخذہ الرکعة یہ رکعت کیا ہے۔ (ٹحاوی ج 1 ص 203) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قراتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ برے اجنبی کی طرح بڑے دیکھتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

## اعتراض نمبر ۱۴

پیرو بلع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۱۴: صلاۃ کسوف (سورج اور چاند گرہن کی نماز) میں ایک سے زائد رکوع ہونے کا بیان۔

### حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن عائشة قالت ان الشمس خسفت علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبعث منادیا بالصلاة جامعة فتقدم و صلی اربع رکعات فی رکعتین و اربع سجادات

ترجمہ: سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب سورج گرہن ہوا تھا تو آپ نے منادی کرا کے دو رکعتیں نماز پڑھائی۔ ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع کئے۔

بخاری ج 1 ابواب الکسوف باب الجہر بالفرائض فی الکسوف صفحہ 145، رقم الحدیث 1066 (مسلم)

۱ کتاب الکسوف فصل صلاۃ الکسوف رکعتان باربعہ رکعات، رقم الحدیث 2089 (واللفظ للبخاری)



## فقہ حنفی

اذا انكسفت الشمس صلى الامام بالناس ركعتين كهيفة  
النافلة في كل ركعة ركوع واحد

ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب صلاة الکسوف ص 175

جب سورج گرہن ہو جائے تو امام لوگوں کو عام نفل نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھاء  
ہر رکعت میں ایک رکوع کرے۔ (فقہ و حدیث ص 53)

جواب:

آنحضرت ﷺ سے صلوۃ کسوف میں کئے گئے رکوعوں کی تعداد کے متعلق مختلف روایات  
کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مثلاً

### 1- پانچ رکوع کرنے کی روایت

عن ابی بن کعب قال انكسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ و ان  
النبي ﷺ صلى بهم فقرا سورة من الطول و ركع خمس ركعات و سجد  
سجدتين ثم قام الثانية فقراء سورة من الطول و ركع خمس ركعات  
و سجد سجدتين ثم جلس كم هو مستقبل القبلة يدعو حتى انجلي  
كسوفها. (ابوداؤد ج 1 ص 167)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج گرہن ہوا  
اور رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت  
پڑھی اور پانچ رکوع کئے اور دو سجدے کئے۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے  
ہوئے تو لمبی سورتوں میں سے ایک پڑھی اور پانچ رکوع کئے اور دو سجدے کئے  
پھر اسی طرح قبلہ رخ بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے حتیٰ کہ سورج گرہن جاتا رہا۔  
اس حدیث میں ہر رکعت کے اندر پانچ رکوع کا ذکر ہے۔

### چار رکوع کرنے کی روایت

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول الله ﷺ حين كسفت الشمس ثمان

رکعات فی اربع سجدات وعن علی مثل ذلك.

(مسلم ج 1 ص 299 نصابی ج 1 ص 215)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب سورج گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

### تین رکوع کرنے کی روایت

عن عائشة ان النبی ﷺ صلی ست رکعات فی اربع سجدات قلت لمعاذ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا شک ولا امریۃ.

(نصابی ج 1 ص 215)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھ رکوع کئے چار سجدے کئے پھر میں نے معاذ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ یہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے (یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے) ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

### دو رکوع کرنے کی روایت

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت ان الشمس خسفت علی عہد رسول اللہ ﷺ فبعث منادیاً الصلوۃ جامعۃ فاجتمعوا و تقدم فکبر و صلی

اربع رکعات فی رکعتین و اربع سجدات. (مسلم ج 1 ص 296-297)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عہد رسالت میں سورج گرہن لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا کہ نماز تیار ہے۔ سب مسلمان جمع ہو گئے آپ نے آگے بڑھ کر تکبیر کہی اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

نوٹ: یہ روایت راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔

### ایک رکعت میں ایک رکوع کرنے کی روایات

یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نظریہ کی تائید کرنی والی عبارت:

۱- عن عبد اللہ بن عمر و قال انکسفت الشمس علی عہد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یم یکدیر کع ثم رکع فلم یکدیر رفع ثم رفع فلم یکدیر یسجد ثم سجد فلم یکدیر رفع ثم رفع فلم یکدیر یسجد ثم سجد فلم یکدیر رفع ثم رفع وفعل فی الركعة الاخری مثل ذلك. (الحديث)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صلوۃ کسوف) کا قیام اس قدر طویل کیا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے رکوع کیا تو لگتا تھا کہ رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر قومہ کیا تو لگتا تھا کہ سجدے میں نہیں جائیں گے پھر سجدہ کیا تو لگتا تھا کہ سجدے سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔

(ابوداؤد ج 1 ص 169 شمائل ترمذی ص 23، موارد القمان ص 157)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی واضح تصریح موجود ہے کہ صلوۃ کسوف میں ایک قیام ایک قراۃ اور ایک رکوع ہے۔

2- حدثني ثعلبة بن عباد العبدي من اهل البصرة انه شهد خطبة يوم لسيرة بن جندب قال قال سمرة بينما انا و غلام من الانصار نرمي غرضين ليناً حتى اذا كانت الشمس قيد ر فحين او ثلثة في عين الناظر من الافق اسودت حتى اضيت كأنها تنومة فقال احدنا لصاحبه انطلق بنا الى المسجد فوالله ليحدثن شان هذه الشمس لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في امنه حدثنا قال فدفعنا فاذا هو بارز فاستقدم فصلی فقام بنا كأطول ما قام بنا في صلوۃ قط لا نسمع له صوتاً قال ثم رکع بنا كأطول ما رکع بنا في صلوۃ قط لا نسمع له صوتاً قال ثم سجد بنا كأطول ما سجد بنا في صلوۃ قط لا نسمع له صوتاً ثم فعل في الركعة الاخری مثل ذلك. الحديث

(سنن ابوداؤد ج 1 ص 168، لمائی ج 1 ص 153، مسند احمد جلد 2 ص 198، جلد 5 ص 16، مسند رک ما کم جلد 1 ص 330)

حضرت ثعلبہ بن عباد عبدي رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے رہنے والے تھے وہ بیان کرتے

ہیں کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں اور انصار کا ایک لڑکا اپنے دو نشانوں پر تیر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ جب دیکھنے والے کے لئے سورج افق سے دو یا تین نیزے پر بلند ہوا تو وہ سیاہ ہو گیا یہاں تک کہ گویا وہ تومہ کی بوٹی بن گئی ہم میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ چلو مسجد میں چلیں کیونکہ واللہ اس سورج کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے کوئی نیا معاملہ ہوگا۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم بھاگے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تھے پس آپ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی اور اتنا لمبا قیام فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی اور نماز کے لئے مشکل ہی ایسا قیام فرمایا ہوگا۔ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر رکوع فرمایا تو اتنا لمبا کہ کسی نماز میں بمشکل ہی اتنا طویل رکوع کیا ہوگا ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا پھر آپ نے بہت لمبا سجدہ کیا جو کسی نماز کے طویل ترین سجدہ میں کیا گیا ہوگا۔ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا۔

اس حدیث میں ایک رکعت میں ایک رکوع کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔

3- عن النعمان بن بشیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کا حدث صلوة صلیتہا من الکتوبة امام احمد بن حنبل متوفی (241) (مسند احمد ج 4 ص 271) مطبوعہ کتب الاسلامی بیروت الطبعة الاولى (1326)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج اور چاند کو گن لگ جائے تو قریب کی پڑھی ہوئی فرض نماز کی مثل نماز پڑھو۔

4- عن ابی بکرۃ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فان کسفت الشمس فقام الی المسجد یجر رداءہ من العجلة فقام الیہ الناس فصلی رکعتین کما تصلون۔ الحدیث

(سنن زائی ج 1 ص 54 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو بکرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے

اچانک سورج کو گہن لگا آپ جلدی سے چادر گھسیٹتے ہوئے اٹھے لوگ بھی کھڑے ہو گئے پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جس طرح تمام (عام) نماز پڑھتے ہو۔

5- عن عبدالرحمن بن سمرۃ قال كنت ارمي بأسهم لي بالمدينة في حياة رسول الله ﷺ اذا كسفت الشمس فنبذتها. وقلت والله لا نظرن الى ما حدث رسول الله ﷺ في كسوف الشمس قال فاتيته وهو قائم في الصلوة رافع يديه فجعل يسبح ويحمد ويهلل ويكبر ويدعو حتى حسر عنها فلما حسر عنها قراء سورتين و صلى ركعتين۔ (صحیح مسلم ج 1 ص 299)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ میں مدینہ منورہ میں تیر اندازی کر رہا تھا۔ اچانک سورج کو گہن لگ گیا میں نے سوچا کہ دیکھتا ہوں کہ سورج کو گہن پر رسول اللہ ﷺ کی کیا نیا کام کرتے ہیں۔ میں تیر پھینک کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں آیا تو آپ نماز میں کھڑے ہوئے تھے آپ نے رفع یدین کیا تسبیح اور حمد پڑھی لا الہ الا اللہ پڑھا، تکبیری پڑھی اور دعا مانگی حتیٰ کہ سورج صاف ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے سورج صاف ہونے پر دو رکعت میں دو سورتیں پڑھی تھیں۔

اس حدیث میں بھی امام ابو حنیفہ کے موقف پر واضح دلالت ہے کیونکہ کسوف کی نماز میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز کا ذکر کیا ہے جو ان دو رکعات پر محمول ہوں گی جو نماز کی متعارف دو رکعات میں علامہ نووی کا اس حدیث کے اندر ایک رکعت میں دو رکوع کی قید لگانا بے سود اور باطل ہے۔

6- عن قبيصة الهلالي قال كسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فخرج فزعا ثوبه و انا معه يومئذ بالمدينة فصلى ركعتين فاطال فيهما القيام ثم انصرف و انجلت فقال انما هذا الايات يخوف الله عز وجل بها فاذا رايتموها فصلوا كما حدث صلوة صليتموها من المكتوبة۔ (سنن ابوداؤد ج 1 ص 168)

حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج کو



گہن لگ گیا رسول اللہ ﷺ گھبرا کر کپڑا گھسیٹتے ہوئے نکلے میں اس وقت مدینہ میں تھا آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جن میں لمبا قیام کیا پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سورج صاف ہو گیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو قریب کی پڑھی ہوئی فرض نماز کی طرح نماز پڑھو۔

حضرت نعمان بن بشیر کی روایت کی طرح اس روایت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ کسوف کو فرائض کی طرح پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرائض میں ہر رکعت کے اندر ایک قیام ایک قرات ایک رکوع ہوتا ہے۔ اور یہ تمام احادیث امام اعظم کے موقف پر واضح دلیل ہیں کہ صلوٰۃ کسوف میں ایک رکعت کے اندر دو رکوع نہیں ہوتے۔

### 8- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عقلی دلیل

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف نفل ہے اور جس طرح اور نوافل ایک قیام ایک قرات اور ایک رکوع کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اسی طرح صلوٰۃ کسوف بھی ایک قیام، ایک قرات اور ایک رکوع کے ساتھ اصل کے مطابق پڑھی جائے گی۔

احناف نے ان تمام روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ درحقیقت نماز کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک رکوع کیا جائے (جیسا کہ ایک رکوع کرنے کی روایات اوپر نقل کی گئی ہیں) اور ایک سے زائد جو رکوع روایات میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں تو وہ صلوٰۃ کسوف کے جزو کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض اظہار عاجزی کے لئے کئے گئے تھے اور ان کا طریقہ بھی عام نمازوں کے رکوع سے کچھ مختلف تھا۔

چنانچہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع جلد 1 ص 281 میں لکھتے ہیں۔

آپؐ نے صلوٰۃ کسوف میں دو رکوع اس لئے نہیں کئے کہ اس میں دو رکوع ہیں بلکہ آپؐ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی یہی وجہ ہے کہ کبھی آگے بڑھتے اور کوئی چیز پکڑنا چاہتے، کبھی پیچھے ہٹتے یہ ساری کاروائی اسی کیفیت کا نتیجہ تھی۔

چنانچہ جن صحابہ نے نماز کسوف کے اصل طریقہ کو بیان کرنا چاہا انہوں نے ایک رکوع کی روایت کر دی اور جن صحابہ نے آپؐ کی نماز کی تفصیلی ہیئت بیان کرنا چاہی انہوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق دو، تین، چار، پانچ رکوعوں کی روایت کر دی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کسوف پڑھنے کے فوراً

بعد آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا کہ:

جب تم سورج گرہن یا چاند گرہن کو دیکھو تو نماز پڑھو جیسی قریب ترین فرض نماز (فجر) ہم نے پڑھی ہے۔ (نسائی ج 1 ص 219، ابوداؤد ج 1 ص 168)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور حضرت قہصیہ ہلالی رضی اللہ عنہ کی دو روایات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سورج گرہن لگا تو ان دونوں نے صلوٰۃ کسوف ایک ہی رکوع کے ساتھ ادا کی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد۔ ابویعلیٰ موصلی، مسند بزار طبرانی کبیر کے حوالہ سے علامہ بیہقی نے مجمع الزوائد جلد 2 ص 206 میں نقل کی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت امام طحاوی نے جلد 1 ص 163 میں نقل کی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے جواب کی اب الگ سے ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ ہم نے جواد پر تطبیق ذکر کی ہے اس سے اس کا جواب ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم یہاں پر اس کا جواب نقل کرتے ہیں۔ علمائے احناف کی طرف سے اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں ہم صرف یہاں پر دو نقل کرتے ہیں۔

### جواب نمبر ①:

حافظ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے فتح القدیر ج 1 ص 435 میں اور مولانا سہارنپوری نے بذل الجہود ج 2 ص 221 میں اور اسی طرح دیگر فقہاء نے فرمایا ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیر تک قیام کیا پھر دیر تک رکوع کیا۔ کچھ لوگوں نے رکوع سے سر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں آپ سجدہ میں نہ چلے گئے ہوں حالانکہ آپ سجدہ میں نہ گئے تھے وہ دوبارہ رکوع میں چلے گئے۔ پچھلی صفوں والوں نے خیال کیا کہ شاید دو رکوع ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ دو رکوع والی روایات یا تو عورتوں سے ہیں یا صغار صحابہ سے جو عموماً پچھلی صفوں میں ہوتے تھے۔

### جواب نمبر ②:

اگر دو رکوع والی روایات اس لئے قابل اخذ ہیں کہ ان میں زیادت ہے تو صحیح روایات سے

کوع سے زیادہ رکوع بھی ثابت ہیں مسلم ج 1 ص 297 و ابوداؤد ج 2 ص 167 میں حضرت جابر کی روایت میں تین تین رکوع ثابت ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تین تین رکوع ثابت ہیں۔ فی کل رکعت ثلاث رکعات رواہ النسائی ص 164 و مسلم ج 1 ص 296 بخاری مع الفتح ج 2 ص 258 و احمد اسنادہ صحیح۔ (آثار السنن ص 262)

اسی مضمون کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہے۔ رواہ الترمذی ج 1 ص 73 و صحیحہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں چار چار رکوع ثابت ہیں مسلم ج 1 ص 297 اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مسند احمد ج 1 ص 225 میں یوں ہے۔ صلی عند کسوف الشمس ثمانی رکعات و أربع سجعات اور نسائی ج 1 ص 164 و ابوداؤد ج 1 ص 168 میں بھی موجود ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت رواہ احمد و اسنادہ صحیح (آثار السنن ص 262) اور مجمع الزوائد ج 2 ص 207 میں بھی ہے۔ وقال رواہ احمد رواہ ثقات اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں پانچ پانچ رکوع ثابت ہیں اور ابوداؤد ج 1 ص 167 مگر اس کی سند میں ابو جعفر الرازی ہے جو کمزور ہے اور مجمع الزوائد ج 2 ص 207 میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی پانچ پانچ رکوع ثابت ہیں۔ رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح ابن دقیق العید احکام الاحکام میں لکھتے ہیں وغیر ذلک ایضا و ثلاث رکعات و أربع رکعات فی رکعتہ ان روایات میں دو سے زیادہ رکوع ثابت ہیں اور روایات صحیح ہیں تو اس زیادت پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟ اگر ہم ایک سے زیادہ رکوع ترک کر کے عامل بالحدیث نہیں رہتے اور معاذ اللہ تعالیٰ ترک سنت کے مرتکب ہیں تو غیر متقلدین وغیرہم بھی دو سے زیادہ رکوع ترک کر کے اس جرم کے مرتکب کیوں نہیں قرار دیئے جاتے؟

ایں گناہیست کہ در شہر شام نیز کند

(غزوان السنن ص 446 و 447)

## اعتراض نمبر ۱۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۱۵: دانوں اور کھجوروں کا نصاب زکوۃ

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی سعید بن الخدری ان النبی ﷺ قال لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دانے اور کھجور جب تک پانچ وقت تک نہیں پہنچ جاتے تب تک ان میں زکوٰۃ نہیں۔  
(نسائی ج ۱ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الحبوب صفحہ 344، رقم الحدیث 2487)

### فقہ حنفی

قال ابو حنیفۃ قلیل ما اخرجته الارض و کثیرۃ العشر سواء سقی سیحا او سقنتہ السماء الا القصب والخطب والحشیش  
ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الزروع والثمار صفحہ 201  
یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا سر کنڈے اور گھاس کے علاوہ زمین کی ہر پیداوار پر وہ کم ہو یا زیادہ زکوٰۃ ہے۔ (فقہ و حدیث ص 54)

### جہان:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال ان آیات و احادیث کے عموم سے ہے جن میں زمین سے اگنے والی اشیاء کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں قلیل یا کثیر مقدار کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ مثلاً

1- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَاَمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (بقرہ 267)

اے ایمان والو! نیک کام میں خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے۔

2- وَاتَّوَحَّۃً يَّوْمَ حَصَادِهِۦ

اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے وہ اس کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔ (انعام 141)

3- عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِيمَا سَقَتِ السَّهَاءُ وَ الْعِيُونُ اَوْ كَانَ عَشْرًا يَآ عَشْرًا وَمَا سَقَىٰ بِالنَّضْحِ نِصْفَ الْعَشْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (1/10) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے۔ (یعنی 1/20)

4- جابر بن عبداللہ یذکر انہ سمع النبی ﷺ قال فیما سقت الانهار والغیم العصور و فیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔

(مسلم شریف ج 1 ص 316، نسائی ج 2 ص 105)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (یعنی دس فیصد زکوٰۃ) اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (یعنی پانچ فیصد بیسواں حصہ) ہے

5- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ فیما سقت السماء والعیون العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر۔

(ابن ماجہ ص 130، ترمذی ج 1 ص 81)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

6- عن معاذ بن جبل قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی الیمن وامرنی ان اخذ مما سقت السماء وما سقی یعلی العشر وما سقی بالذوانی نصف العشر۔

(ابن ماجہ ص 130، نسائی مترجم ج 2 ص 105)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا اور حکم دیا کہ جو چیز بارش سے سیراب ہو یا یعلیٰ (یعنی خود بخود) ہو اس میں عشر ہے اور جو ڈولوں سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔

7- عن سلیمان بن یسار و عن بسر بن سعید ان رسول اللہ



ﷺ قال فيما سقت السماء والعيون والبعل العشر و فيما سقى  
بالنضح نصف العشر۔ (موطا امام مالک مترجم ص 269)

سلیمان بن یسار اور بسر بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
کہ بارش اور چشموں اور تالابوں سے سیرا کی جانی والی زمین کی پیداوار میں عشر  
(دسواں حصہ) ہے اور جو زمین پانی پہنچ کر سیراب کی جائے اس میں نصف عشر  
(یعنی بیسواں حصہ ہے)

8- عن قتادة قال معبر وقراته في كتاب عن النبي ﷺ عند  
كل رجل كتبه لهم فيما سقى بالنضح ولا رشية نصف العشر قال  
معبر ولا اعلم فيه اختلافاً وفيما كان بعلاد وفيما كان بالكطائم و  
فيما كان بخلا العشر قال معبر ولم اسمع فيه اختلافاً۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے  
ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے معمر کہتے ہیں  
کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور جس زمین کو بارش  
یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم  
میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد 4 ص 134، ابن ابی شیبہ ج 4 ص 130)

قرآن مجید کی دو آیات اور چھ احادیث سے امام ابو حنیفہ کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ آیات  
اور احادیث میں قلیل اور کثیر کا فرق کئے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم  
عائد فرمایا گیا ہے۔ اور یہ احادیث عموم قرآن کے مطابق بھی ہیں۔

پہلے جو دلائل نقل کئے گئے ہیں ان میں مطلقاً حکم موجود ہے اب ہم ایسی روایت بھی نقل  
کرتے ہیں جس میں قلیل و کثیر کی وضاحت موجود ہے۔

9- كتب عمر بن عبد العزيز ان هو خذ مما انتب الارض من

قليل او كثير العشر

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ جو کچھ زمین اگائے تھوڑا یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ج 4 ص 12 حدیث نمبر 7196 - مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 371 حدیث نمبر 10028)

اس حدیث میں صاف صراحت موجود ہے کہ پیداوار کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ زکوٰۃ لازمی ہے۔

صحابہ کرام، تابعین اور دیگر فقہائے اسلام سے امام ابوحنیفہ کے نظریہ کی تائید:

10- عن ابن عمر عن عمر بن الخطاب قال ما سقت الا نهار والسبأ والعيون فالعشر وما سقى بالرشاء فنصف العشر.

(مصنف عبدالرزاق جلد 4 ص 134)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

11- عن عاصم بن ضمره عن علي قال ما سقى فتحا او سقة السبأ ففيه العشر وما سقى بالعوب فنصف العشر.

(مصنف عبدالرزاق جلد 4 ص 133)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

12- عن مجاهد قال فيما اخرجت الارض فيما قل منه او كثر العشر او نصف العشر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 139)

مجاہد بیان کرتے ہیں زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

13- عن حماد قال في كل شئ اخرجت الارض العشر ونصف العشر.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 139)

العشر.

حماد کہتے ہیں ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

14- عن ابراہیم قال فی کل شئی اخرجت الارض زکوۃ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 139)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوۃ ہے۔

15-16-17-18 یہ جملہ دلائل اپنے عموم کے ساتھ اس پر دال ہیں کہ جو چیز بھی زمین سے

پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شافعی، فتح الباری ج 2 ص 350 میں اور قاضی شوکانی

رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد نیل الاوطار ج 4 ص 151 میں علامہ بدر الدین عینی حنفی بنایہ ج ص 1335 مطبوعہ نولکشور

میں لکھتے ہیں۔

قال ابن العربی اقوی المذاهب و احوطها للمساکین قول ابی

حنیفۃ و هو التمسک بالعموم۔

علامہ ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ قوی تر مذہبوں کا اس مسئلہ میں مذہب امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے باعتبار دلیل اور احتیاط کے۔

علامہ ابن العربی کے حوالہ سے جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ علامہ ابن العربی کی مشہور کتاب

عارضة الاحوذی شرح جامع ترمذی ج 2 ص 135 پر موجود ہے۔

19- نواب صدیق حسن خان غیر مقلد دلیل الطالب ص 426 میں لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی عمومی

دلیلیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ مثلاً

خذ من اموالہم صدقة و قول النبی ﷺ فیما سقت السہاء

الحديث و این حدیث در صحیح است و راجع لہ التحفة۔

(جلد 2 ص 12)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے تو اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ①:

صاحب ہدایہ ج 1 ص 181 میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے عشر

مراد نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کا یہ کہنا بجا ہے اور اس کے دو قرینے ہیں۔

## قرینہ اولیٰ

ترمذی کی روایت میں یہ لفظ نہیں۔

لیس فیما دون خمسة ذود صدقة و لیس فیما دون خمسة او سق  
صدقہ

نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ اور نہیں ہے پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ اور نہیں  
ہے پانچ گنے یا نو کرے سے کم ہیں زکوٰۃ یعنی غلے یا م میں۔  
نسائی میں یہ روایت مکمل اس طرح ہے۔

ولا فیما دون خمس ذود ولا فیما دون خمس اواق صدقة  
اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں

## قرینہ ثانیہ

پانچ وق اس زمانہ میں پانچ اوقیوں کی قیمت میں برابر تھے یعنی دوسو درہم ان کی مالیت تھی  
اس سے عشر کا انتقاء نہیں ہوتا۔

### جواب نمبر ②:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پانچ وق سے کم مقدار کی زکوٰۃ حکومت وصول نہیں کرے گی بلکہ  
اس کا مالک خود اپنے طور پر اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

### جواب نمبر ③:

اس حدیث میں کھجور سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو تجارت کے لئے ہوں کیونکہ اس وقت عام طور  
پر کھجوروں کی خرید و فروخت وق کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک وق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی  
اس حساب سے پانچے وق کی قیمت دوسو درہم ہوئے جو مال تجارت میں زکوٰۃ کے لئے متعین نصاب ہے۔

## اعتراض نمبر ①۶

بیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ①۶: جلسہ استراحت کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن مالک بن الحویرث اللیثی انه رای النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی  
وتر من صلوٰتہ لم ینہض حتی یرتوی قاعدا

ترجمہ: سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی  
کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ طاقۃ رکعت میں ہوتے تو سیدھے بیٹھ جانے  
کے بعد کھڑے ہوتے۔ (یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے ہو کر بیٹھتے  
پھر دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوتے)

بخاری ج ۱ کتاب الاذان باب من استوی قاعدا فی وتر من صلوٰتہ نہض صفحہ ۱۱۳ رقم الحدیث ۸۲۳۔

### فقہ حنفی

واستوی قائما علی صدور قدمیہ ولا یقع ولا یعتمد بیدیہ علی الارض

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۰)

اور اپنے پاؤں پر سیدھا کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ اپنے ہاتھ زمین پر ٹیکے۔

(فقہ حدیث ص ۵۵)

### جواب:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں احناف کا مسلک یہ ہے کہ جلسہ  
استراحت کرنا سنت نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو پھر جائز ہے۔ احناف ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جس میں  
عدم جلسہ استراحت کا ذکر ہوا ہے۔ اور دوسری روایات کی توجیہ کرتے ہیں۔  
راشدی صاحب نے ہدیہ کی عبارت کو نامکمل نقل کیا ہے۔

ہدایہ کی پوری عبارت۔ سجدہ ثانیہ کے بعد سیدھا اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ  
زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھے اور زمین پر ہاتھ کا  
سہارا لے کر اٹھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ (جلسہ استراحت) کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت ابو  
ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے (یعنی یہ  
آپ کی مبارک عادت تھی) اور جس حدیث میں جلسہ استراحت کا فعل مذکور ہے وہ بڑھاپے پر محمول ہے



جی جب آپ کا بدن مبارک بڑھاپے کی وجہ سے پوجھل ہو گیا تھا (ابوداؤد) اس وقت آپ نے یہ فعل فرمایا اور یہ آرام کا قاعدہ ہے اور نماز آرام کے لئے نہیں بنائی گئی۔ (ہدایہ ج 1 ص 110 باب منہ الصلوٰۃ)

دیکھو صاحب ہدایہ نے نہ تو جلسہ استراحت والی حدیث کا انکار کیا کہ ان پر انکار حدیث کی تہمت لگائی جائے اور نہ فقہ کے مسئلہ کو بے دلیل لکھا بلکہ باقاعدہ حدیث پاک سے اسے ثابت فرمایا۔ راشد مدی صاحب نے ہدایہ میں اس حدیث کو پڑھنے کے باوجود حدیث رسول ﷺ کا انکار کر دیا بلکہ سنت رسول کو صاحب ہدایہ کا بے دلیل حکم قرار دیا۔ اور اس سنت پر عمل کرنے کو حدیث کے چھوڑنے سے تعبیر کیا۔

## مثال

اس کو مثال سے سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب فرمایا کرتے تھے مگر آپ سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بھی بخاری شریف کی صحیح ترین حدیث سے ثابت ہے اب ایک عالم ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق بیان کر دے کہ اصل سنت تو بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی ہے اور جو حدیث بظاہر اس کے مخالف ہے وہ عذر پر محمول ہے کہ کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے لیکن بلا عذر طریق سنت کو نہ چھوڑنا پائے۔ اب کوئی اس عالم کو منکر حدیث کہنا شروع کر دے تو براصل وہ خود منکر سنت ہے احناف نے کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمارا یہ مسئلہ مخض قیاسی ہے۔

## احناف کے دلائل کہ نماز میں جلسہ استراحت نہیں کرنا چاہئے

1- عن عباس او عیاش بن سہل الساعدی انہ کان فی مجلس فیہ ابوہ و کان من اصحاب النبی ﷺ و فی المجلس ابو ہریرۃ و ابو حمید الساعدی و ابو اسید ف ذکر الحدیث و فیہ ثم کبر ف سجد ثم کبر فقام ولم یتورک۔ (ابوداؤد ج 1 ص 107)

عباس یا عیاش بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسی مجلس میں تھے جس میں ان کے والد بھی تھے جو نبی ﷺ کے صحابہ میں سے تھے اور اسی مجلس میں حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو حمید ساعدی اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہم تھے انہوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بیان کیا کہ پھر آپ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر حکمی کہی تو آپ سیدھے کھڑے ہو گئے بیٹھے نہیں۔

2- عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ علیہ العہل عند اہل العلم یختارون ینہض الرجل علی صدور قدمیہ الخ.

(ترمذی ج 1 ص 65)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی پر عمل ہے اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی نماز میں دوسری، تیسری رکعت کے لئے (پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔

3- عن عبدالرحمن بن غنم ان ابا مالک الاشعری جمع قومه فقال یا معشر الاشعریین اجتمعوا و اجعوا نساءکم و ابنائکم اعلمکم صلاۃ النبی ﷺ صلی لنا بالمدينة (فذكر الحدیث یطول وفيہ) ثم قال سمع الله لمن حمده واستواقما ثم کبر و خر ساجدا ثم کبر فرفع راسه ثم کبر فسجد ثم کبر فانتہض قائم. الحدیث (مسند احمد ج 5 ص 343)

حضرت عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا اے اشعریں کی جماعت خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی ﷺ کی نماز سکھلا دوں جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے آپ نے پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ سمع الله لمن حمده کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

4- عن ابی ہریرۃ ان رجلا دخل المسجد یصلی و رسول الله ﷺ فی ناحیۃ المسجد فجاء فسلم علیہ فقال له ارجع فصل فانک لم تصل فارجع فصل ثم سلم فقال و علیک ارجع فصل فانک لم تصل قال فی الثانیۃ فاعلمنی قال اذا قمت الی الصلوۃ

فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر واقرا بما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع راسك حتى تعدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تستوى وتطمئن جالساً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع حتى تستوى قائماً ثم افعل ذلك في صلوئك كلها۔ (بخاری ج 2 ص 986)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ شخص نماز سے فارغ ہو کر آپؐ کے پاس آیا اور سلام کیا آپؐ نے فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ واپس گیا اور (دوبارہ) نماز پڑھ کر پھر آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی تیسری مرتبہ اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے (نماز کا طریقہ) بتلا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو اور جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اسی طرح ساری نماز میں کرو۔

**خلفائے راشدین جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے**

عن الشعبي ان عمروا وعليا واحباب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كانوا ينهضون في الصلوة على صدور اقدامهم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 394)

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔

**حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے**

عن عبدة بن ابی لبابة قال سمعت عبد الله بن يزيد يقول رمقت

عبداللہ بن مسعود فی الصلوٰۃ فرایتہ ینہض ولا یجلس قال ینہض  
علی صدور قدمیہ فی الركعة الاول والثالثة.

(معجم طبرانی کبیر ج 9 ص 266 و سنن بکری بیہقی ج 2 ص 125)

عبدہ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نماز میں  
بغور دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے)  
کھڑے ہو جاتے ہیں بیٹھے نہیں عبدالرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے  
قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے پہلی اور تیسری رکعت کے بعد۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن وہب بن کیسان قال رایت ابن الزبیر اذا سجد السجدة  
الثانیة قام کہا هو علی صدور قدمیہ. (مصنف ابی شیبہ ج 1 ص 394)

حضرت وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ  
کو دیکھا کہ وہ جب دوسرا سجدہ کر لیتے تو اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل جسے  
ہوتے ویسے ہی کھڑے ہو جاتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن نافع عن ابن عمر انه کان ینہض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ.  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 394)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نماز  
میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی جلسہ

استراحت نہیں کرتے تھے

ثنا سلیمان الا عمش قال رایت عمارۃ بن عمیر یصلی من قبل  
ابواب کندیۃ قال فرایتہ رکع ثم سجد فلما قام من السجدة  
الاخیرۃ قام کہا هو فلما انصرف ذکرک ذالک له فقال حدثنی

عبدالرحمن بن یزید انہ راى عبد اللہ بن مسعود یقوم علی صدور قدمیہ فی الصلوۃ قال الاعمش فحدثت بهذا الحدیث ابراہیم النخعی فقال ابراہیم حدثنی عبدالرحمن بن یزید انہ راى عبد اللہ بن مسعود یفعل ذالك فحدثت به خيثمة بن عبدالحسن فقال رايت عبد اللہ بن عمر یقوم علی صدور قدمیہ فحدثت به محمد بن عبد اللہ الثقفی فقال رايت عبدالرحمن بن ابی لیلی یقوم علی صدور قدمیہ فحدثت به عطیة العوفی فقال رايت ابن عمرو ابن عباس و ابن الزبیر و اباسعید الخدری رضی اللہ عنہ یقومون علی صدور اقدامہم فی الصلوۃ۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج 2 ص 125)

امام اعش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمارۃ بن عمیر کو ابواب کنندہ کی جانب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے رکوع کیا پھر سجدہ کیا جب آپ دوسرے سجدے میں اٹھے تو جیسے تھے ویسے ہی کھڑے ہوئے، آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے عبدالرحمن بن یزید نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے قدموں کے پتھوں کے بل کھڑے ہوئے تھے۔ امام اعش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی عبدالرحمن بن یزید نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے امام اعش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ حدیث خيثمة بن عبد الرحمن سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے قدموں کے پتھوں کے بل کھڑے ہوئے تھے امام اعش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث محمد بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ کو بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اپنے قدموں کے بل ہی کھڑے ہوتے تھے امام اعش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عطیہ عوفی



سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل ہی کھڑے ہوتے تھے۔

**عام صحابہ کرام جملہ استراحت نہیں کرتے تھے**

عن النعمان بن ابی عیاش قال ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ فکان اذا رفع راسه من السجدة فی اول رکعة والثالثة قام کہا هو ولم یجلس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 395)

حضرت نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے پنا سر اٹھاتے تھے تو ویسے ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے بیٹھے نہیں تھے۔

**حضرت ابن ابی لیلی رضی اللہ عنہ بھی جملہ استراحت نہیں کرتے تھے**

عن محمد بن عبد اللہ قال کان ابن ابی لیلی ینہض فی الصلوة علی صدور قدمیه۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 394)

محمد بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

**حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ بھی جملہ استراحت نہیں کرتے تھے**

عن ابراہیم انه کان یسرع فی القیام فی الركعة الاولى من اخر سجدة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 395)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے قیام میں جلدی کرتے تھے۔

**عام مشائخ کا معمول تھا کہ وہ جملہ استراحت نہیں کرتے تھے**

عن الزہری قال کان اشیاخنا لا یما یلون یعنی اذا رفع احدھم راسه من السجدة الثالثة فی الركعة الاولى والثالثة ینہض کہا هو ولم یجلس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 394)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا بیٹھتا نہ تھا۔

**حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، حضرت امام مالک رحمہ اللہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں**

”فی التمهید اختلف الفقهاء في النهوض من السجود الى القيام فقال مالك والاوزاعي والثوري وابو حنيفة واصحابه ينهضون على صدور قديميه ولا يجلس وروى ذلك عن ابن مسعود وابن عمر و ابن عباس و قال النعمان بن ابي عياش ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ يفعل ذلك وقال ابو الزناد ذلك السنة وبه قال ابن حنبل و بن راهويه وقال احمد واكثر الاحاديث على هذا“

(الجوہر النقی ج 2 ص 125)

تمہید میں ہے کہ سجدہ سے قیام کے لئے اٹھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ نمازی اپنے قدموں کے بل کھڑا ہو اور جلسہ استراحت نہ کرے اور یہی مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے حضرت نعمان بن ابی عیاش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابو الزناد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جلسہ استراحت نہ کرنا نبی سنت ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اتحق بن راہویہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث اسی پر ہیں (کہ جلسہ استراحت نہ کیا جائے)

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے حضور ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا آپ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کا یہی معمول نقل فرماتے ہیں اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اسی طریقہ سے قیام کرنے کو آپ کا طریقہ بتلاتے ہیں، حضور ﷺ نے ایک ایسے شخص کو جو صحیح طرح نماز نہیں پڑھ رہا تھا صحیح طریق نماز

پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ نے اس سے کہا کہ تم اطمینان سے سجدہ کر چکو تو سجدے سے اٹھو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ آپ کے اس فرمان سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جلسہ استراحت مسنون نہیں کیونکہ اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو آپ ضرور اس شخص کو اس کے کرنے کا حکم دیتے۔

خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے تابعین اور تبع تابعین بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، حضرت امام مالک رحمہ اللہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے یہ مختصر ہے بخاری میں۔  
اس سے قبل یہ روایت مفصل نقل کی گئی ہے وہ ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

عن ابوب عن ابی قلابۃ انہ مالک بن الحویرث قال لا صاحبہ الا انبئکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ قال وذاک فی غیر حین صلوۃ فقام ثم رکع فکبر ثم رفع راسہ فقام ہنیۃ ثم سجد ثم رفع راسہ ہنیۃ ثم سجد ثم رفع راسہ فصری صلوۃ عمرو بن سلمۃ شیخنا هذا ایوب کان یفعل شیئاً لم ارہم یفعلونہ کان یقع فی الثالثۃ والرابعۃ۔ الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ، حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتلاؤں؟ حضرت ابو قلابہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض نماز کا وقت نہ تھا، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور تکبیر کہی پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر آپ نے سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے غرض انہوں نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خیر القرون میں جلسہ استراحت کا رواج نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 131ھ جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو دیکھا ہے انہوں نے حضرت مالک بن حویرث کی یہ حدیث بیان کی تو فرمایا کہ حضرت مالک بن حویرث نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ جیسی نماز پڑھی، عمرو بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ عمرو بن سلمہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔ (جلسہ استراحت کرتے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جلسہ استراحت کا بالکل رواج نہیں تھا ورنہ اس کے بارے میں حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہ فرماتے کہ میں نے یہ صحابہ و تابعین کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا آج بھی حرمین شریفین کے امام جلسہ استراحت نہیں کرتے، ہاں اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے اور پھر اٹھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ عذر کی وجہ سے بہت سے اعمال میں شریعت کی طرف سے رخصت ہے چنانچہ قعدہ میں عذر کی وجہ سے دو زانو بیٹھنے کی بجائے چوکڑی مار کر بیٹھنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

(دیکھئے بخاری ج 1 ص 114)

راشدی صاحب تو وفات پا گئے ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ حدیث مالک بن الحویرث رحمۃ اللہ علیہ میں جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے اور دوسری احادیث میں نہ کرنے کا اب اس ظاہری تعارض کو کیسے رفع کیا جائے۔ آپ کے نزدیک دلیل شرعی صرف قرآن و حدیث ہے آپ اس تعارض کا حل قرآن و حدیث سے پیش کریں گے اگر آپ کے نزدیک ایک صحیح باقی ضعیف ہیں تو یہ بھی حدیث سے ثابت کریں کسی امتی کا قول پیش نہ کریں اگر ایک ناخ اور باقی منسوخ ہیں تو بھی صحیح حدیث سے ثابت کریں ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں اس بارہ میں کوئی فیصلہ موجود نہیں نہ صحیح ضعیف کا نہ ناخ منسوخ کا نہ باری باری دونوں پر عمل کرنے کا۔ اب جو فیصلہ کتاب و سنت سے نہ ملے ہمارے نزدیک حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کے موافق اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مجتہدین نے خیر القرون کے تعامل کے پیش نظر اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ قدرت طاقت والے جلسہ استراحت نہیں کرتے اور بوڑھے معذور جیسے حضرت عمرو بن سلمہ کرتے ہیں دونوں قسم کی احادیث پر عمل کا طریقہ سکھا دیا کہ حالت قدرت میں جلسہ استراحت نہ کرنے والی حدیث پر عمل کرو اور عذر میں جلسہ استراحت والی حدیث پر۔

## اعترض نمبر ۱۷

پیر بدیع الدین شادراشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۱۷: دوہری اذان کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی محمد ذرۃ قال قال علی رسول اللہ ﷺ التاذین ہو بنفسہ (وفیہ) ثم تعوذ فتقول الخ

ترجمہ: سیدنا ابو محمد ذرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں ترجیع والی (دوہری) اذان سکھائی۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان ج ۱ ص ۸۰ رقم الحدیث ۵۰۳) (وسنن نسائی کتاب الاذان باب کیف الاذان ج ۱ ص ۱۰۳، رقم الحدیث ۶۳۳) (وسنن ابی ماجہ باب الترجیع فی الاذان ج ۱ ص ۱۰۱ رقم الحدیث ۷۰۸)

نوٹ: اذان میں شہادتیں کے کلمات کو پہلے دو دوسرے مرتبہ دہرائی (آہستہ) آواز سے کہنا پھر دوبارہ دو دوسرے مرتبہ بلند آواز سے کہنا ترجیع کہلاتا ہے

### فقہ حنفی

الاذان سنة للصلاة الخمس والجمعة لا سواها ولا ترجيع فيه (هداية اولين ج ۱ کتاب الصلاة باب الاذان ص ۸۷)

اذان پانچ نمازوں اور جمعہ کے لئے سنت ہے اور اس میں ترجیع نہیں ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۵۶)

جواب

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ امام صاحب کا یہ نظریہ مندرجہ ذیل احادیث پر مبنی ہے:

۱- عن عبد اللہ بن زید الانصاری قال قال کان رسول اللہ ﷺ



قدھمہ الاذان حتی هم ان یأمر رجلاً فیقومون علی الطام  
 فیدفعون یدیہم. و یشیرون الی الناس بالصلوۃ حتی رایت فیما  
 یری النائم کان رجلاً علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد  
 یقول اللہ اکبر اربعاً. اشہدان لا الہ الا اللہ مرتین. اشہدان  
 محمداً رسول اللہ مرتین. حی علی الصلوۃ مرتین. حی علی الفلاح  
 مرتین. اللہ اکبر اللہ اکبر. لا الہ الا اللہ ثم اقام فقال مثلہا و  
 قال فی آخرہا قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ فأخبرت رسول  
 اللہ ﷺ فقال اذهب فقصہا علی بلال رضی اللہ عنہ ففعلت فاقبل الناس  
 سرعاً ولا یدرون الا انہ فرغ فاقبل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وقال لو  
 لا ما سبقنی بہ لا خبرتک انہ قد طاف بی الذی طاف بہ.

(نسب الایرج ص 275)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اطلاع نے  
 فکر مند کر رکھا تھا یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیں وہ ٹیلوں  
 پر چڑھ کر ہاتھ کھڑے کر کے اشاروں سے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیں حتیٰ کہ  
 میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک آدمی ہے جس کے اوپر دو سبز کپڑے ہیں مسجد  
 کی دیوار پر کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے۔ اللہ اکبر چار دفعہ اشہدان لا الہ الا اللہ دو  
 دفعہ اشہدان محمداً رسول اللہ دو دفعہ حی علی الصلوۃ دو دفعہ حی الفلاح دو  
 دفعہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اس نے اقامت پڑھی وہ بھی اسی طرح اور اس  
 کے آخر میں قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ کہا یعنی تحقیق نماز کھڑی ہو گئی  
 پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جا بال کے  
 سامنے اسے بیان کر میں نے بیان کر دیا تو لوگ دوڑتے ہوئے آئے مگر کچھ سمجھ  
 نہ سکے اتنے میں وہ فارغ بھی ہو چکا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے اگر  
 وہ مجھ سے سبقت نہ لے گیا ہوتا تو میں آپ کو بتلاتا کہ میرے ساتھ بھی وہی  
 گزری ہے جو اس کے ساتھ گزری۔

یہ اذان اگرچہ خواب میں سکھائی گئی ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہ سچا خواب ہے جاؤ بلال کو سکھا دو۔ تو آپ کے حکم سے یہ اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھائی گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساری عمر حضور اکرم ﷺ کے سامنے اور آپ کے بعد مسجد نبویؐ میں یہی اذان پڑھتے رہے جسمیں ترجیح نہیں ہے یعنی شہادتین کو لوٹا کر نہیں پڑھا جاتا تو آنحضرت ﷺ کی اصل مسنون اذان یہی ہے جس پر آج تک اہل مدینہ کا عمل ہے۔

2- عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب محمد ﷺ ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الى النبی ﷺ فقال يا رسول الله ﷺ رایت فی المنام کان رجلا قام وعلیه بردان اخضر ان علی جدمه حائط فاذن مثنی واقام مثنی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 203، بیہقی ج 1 ص 240 وقال ابن حزم رحمہ اللہ وهذا فی غایۃ الصحۃ، محلی ابن حزم ج 3 ص 114)

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور اذان کا واقعہ بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے ایک شخص پر دو سبز رنگ کی چادریں ہیں اور وہ دیوار پر کھڑا اذان دوہری دوہری مرتبہ پکار رہا ہے۔ اور اقامت بھی دوہری مرتبہ۔

3- عن السائب بن یزید قال کان ال اذان علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وعمر مرتین مرتین۔  
(صحیح ابن حبان ج 3 ص 136)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اذان آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دوہری دوہری ہوتی تھی۔

4- عن ابی محذور قال کنت اودن لرسول الله ﷺ فی صلاة الفجر فاقول اذا قلت حی علی الفلاح الصلوة خیر من النوم الصلوة خیر من النوم۔  
(مصنف عبد الرزاق ج 1 ص 472)

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صبح کی نماز کے لئے اذان پڑھتا تھا۔ اور حی علی الفلاح کے بعد میں الصلوٰۃ خیر من النوم دو بار پکارتا تھا۔

5- عن ابی محذورہ قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاذان (الی ان قال) اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشہدان لا الہ الا اللہ اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان رسول اللہ اشہدان محمد رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ (صحیح ابن حبان ج 3 ص 143)

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھائی اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان رسول اللہ اشہدان محمد رسول اللہ۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔

6- عن الشعبي عن عبد الله بن زيد الانصاري قال سمعت اذان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فكان اذانه واقامته مثنى مثنى۔ (صحیح ابوداؤد ج 1 ص 331)

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان سنی۔ (آپ کی اذان سے مرد آپ کے موزن کی اذان ہے) آپ کی اذان و اقامت دونوں میں کلمات دو دو دفعہ ہی تھے۔

7- عن عبد العزيز بن رفيع قال سمعت ابا محذورہ يوذن مثنى مثنى ويقيم مثنى مثنى۔ (طحاوی ج 1 ص 95)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سنا وہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت میں بھی اسی طرح دو دو کلمات کہتے تھے۔

8- عن الاسود بن یزید ان بلالا کان یثنی الاذان و یثنی الإقامة و کان یبداء بالتکبیر و یختتم بالتکبیر۔

(مصنف عبدالرزاق ج 1 ص 462، لمحاوی ج 1 ص 94، دارقطنی ج 1 ص 242)

حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے (شروع کی چار تکبیرات کے علاوہ باقی) کلمات دو دفعہ کہتے تھے اور اسی طرح اقامت کے چار کلمات بھی دو دفعہ کہتے تھے اور اذان و اقامت کی ابتداء و انتہاء اللہ اکبر پر کرتے تھے۔

9- عن سوید بن غفلة قال سمعت بلالا یؤذن مشنی و یقیم مشنی

(لمحاوی ج 1 ص 94)

حضرت سوید بن غفلة فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اذان و اقامت کے کلمات دو دفعہ کہتے تھے۔

10- عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه ان بلالا کان یؤذن

للبنی رضی اللہ عنہ مشنی مشنی و یقیم مشنی مشنی۔

(دارقطنی ج 1 ص 242)

عون بن ابی جحيفة رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اذان و اقامت کے کلمات دو دفعہ کہتے تھے۔

11- عن ابراهيم قال ان بلالا کان یثنی الاذان و الإقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 206)

حضرت ابراہیم غنمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو مرتبہ کہتے تھے۔

12- عن ابراهيم قال کان ثوبان رضی اللہ عنہ یؤذن مشنی و یقیم

(لمحاوی ج 1 ص 95)

حضرت ابراہیم غنمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دفعہ کہتے تھے۔

13- ثناء الحجج بن ارطاة قال نا ابو اسحق قال کان اصحاب

علی و اصحاب عبد اللہ یشفعون الاذان والاقامة۔

(مسند ابن ابی شیبہ ج 1 ص 206)

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب اذان و اقامت کے کلمات دو درجہ کہتے تھے۔

14- قال عبد الرزاق سمعت الشوری واذن لنا بمشي فقَالَ اللهُ

اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ

الله مَرَّتَيْنِ فَصَنَعَ كَمَا ذَكَرَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ اَبِي لَيْلَى فِي

الاذان والاقامة تمام مثل الحديث۔ (مسند عبد الرزاق ج 1 ص 462)

عبد الرزاق کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے میدان منی میں ہمارے سامنے اذان

کہی میں نے سنا کہ آپ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر دو مرتبہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا

الله دو مرتبہ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللهِ دو مرتبہ پھر آپ نے اذان و اقامت بعینہ

اس طرح کہی جس طرح حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کی حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

نوٹ: حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کی حدیث نمبر ⑤ پر گزری ہے۔

راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ حنفی اس حدیث کو نہیں مانتے۔ یعنی ان کا یہ مذہب حدیث کے

خلاف ہے اور ہمارے دلائل کا ذکر نہ کرنا درست نہیں ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام صاحب کا نظریہ

کتنی احادیث پر مبنی ہے۔ باقی رہی وہ روایت جو راشد صاحب نے نقل کی ہے اس کی ہم توجیہ

کرتے ہیں انکار نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ عام اذان کا طریقہ تو احناف والا ہی تھا۔ باقی رہا ابو

خزورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو وہ خاص ہے۔

## اعتراض نمبر ⑱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑱: پگڑی پر مسح کرنا

حدیث نبوی ﷺ

عن مغيرة بن شعبه ان النبي ﷺ توضأ فمسح بनावسيته و على العمامة والخفين



ترجمہ: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت اپنی پیشانی، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

(مسلم ج ۱ کتاب الطہارۃ باب مسح علی الخفین ص ۱۳۴ رقم الحدیث ۶۲۶)

## فقہ حنفی

ولا يجوز المسح على العمامة

(ہدایہ اولین کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین ص ۶۱)

پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ (فقہ مدیث ص ۵۷)

جہاں:

احناف کسی بھی حدیث کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ کسی مسئلہ میں وارد ہونے والے تمام دلائل کو سامنے رکھ کر تمام روایات میں تطبیق دیتے ہیں۔ اور وہ جو زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح بات معلوم ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔

دلائل احناف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

(پارہ نمبر ۶ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶)

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھوؤ) اور اپنے سر پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو بھی منحنوں سمیت۔ (دھوؤ)

۱- عن انس بن مالك قال رايت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم ينقض العمامة۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء فرماتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے سر مبارک پر قطری پگڑی تھی۔ آپ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور پگڑی کو کھولا نہیں۔

2- قال الشافعي اخبرنا مسلم عن ابي جريح عن عطاء ان رسول الله ﷺ توضع فحسر العمامة عن راسه ومسح مقدم راسه او قال ناصيته بالماء. (كتاب الامم ج 1 ص 26)

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو سر سے اوپر کیا اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا۔ یا حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے اپنی ناصیت پر مسح فرمایا پانی سے۔

3- عن ابن عمر انه كان اذا مسح راسه رفع القلنسوة ومسح مقدم راسه. (رواه الدارقطني ج 1 ص 107 وفي التعليق المغني سند صحيح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سر پر مسح فرماتے تو ٹوپی سر سے ہٹا لیتے اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرماتے۔

4- مالك انه بلغه ان جابر بن عبد الله الانصاري سئل عن المسح على العمامة فقال لا حتى يمسه العشر بالماء. (موطا امام مالک ص 23)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ بن انصاری رضی اللہ عنہ سے پگڑی پر مسح کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جائز نہیں ہے جب تک بالوں کا پانی سے مسح نہ کرے۔

5- مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عروة بن الزبير كان ينزع العمامة ويمسح راسه بالماء. (موطا امام مالک ص 23)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سر سے پگڑی ہٹا کر پانی سے سر پر مسح فرماتے تھے۔

6- عن نافع انه راى صفية بنت ابي عبيد امرأة عبد الله بن عمر تنزع خمارها و تمسح على راسها بالماء و نافع يومئذ صغير، قال يحيى و سئل مالك عن المسح على العمامة و الخمار فقال لا ينبغي ان يمسه الرجل ولا المرأة على العمامة ولا خمار وليمسها على رؤسها. (موطا امام مالک ص 23)

امام نافع سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو عبیدہ کی صاحبزادی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اہلیہ کو دیکھا کہ انہوں نے دوپٹہ سر سے ہٹا کر پانی سے سر پر مسح کیا نافع پہنچے ان دنوں پہنچے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں۔ کہ امام مالک پہنچے سے پگڑی اور دوپٹے پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ پگڑی اور دوپٹے پر مسح کریں انہیں چاہئے کہ سر پر مسح کریں۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران وضو سر پر مسح کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے لہذا جو شخص دوران وضو سر پر مسح نہیں کرے گا اس کا وضو نہیں ہوگا۔

احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے سر پر پگڑی یا ٹوپی ہو تو دوران وضو یا تو ان کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر پر مسح کرے یا سر سے پگڑی یا ٹوپی اتار کر مسح کرے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایسا ہی کیا کرتے تھے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ احناف کا مسلک قرآن اور حدیث کے عین مطابق ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ ہمارے مخالف نہیں بلکہ حنفی مذہب کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں موجود ہے مسح بنا صیۃ ان الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسح اس میں فرض مقدار ناصیہ ہی ہے۔ جو احناف کا مذہب ہے۔

اگر ناصیہ کی مقدار سے کم مسح کافی ہوتا تو بیان جواز کے لئے کم از کم ایک آدھ مرتبہ آپ اس پر عمل فرماتے مگر ایسا کہیں ثابت نہیں۔ حنفی صرف پگڑی پر مسح کو جائز نہیں سمجھتے۔

### اعتراض نمبر ۱۹

بیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۱۹: تیمم کے لئے ایک ہی ضرب کافی ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن عمار فی حدیثہ ضرب النبی ﷺ بکفیه الارض و نفخ فیہما ثم مسح بہما وجہہ و کفیه۔

ترجمہ: سیدنا غمار بن عمارؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر ان دونوں میں پھونکا، پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کیا۔

بخاری ج ۱ کتاب التیمم باب حل ینفخ فی یدیه بعد ما ینعرب بہما الصعیذ للتیمم ص 48. رقم الحدیث 368 (مسرح کتاب النیض باب التیمم ص 161. رقم الحدیث 368) (واللفظ للبخاری)

### فقہ حنفی

والتیمم ضربتان یمسح بأحدهما وجهه و بالأخری یدیه الی المرفقین۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الطہارۃ باب التیمم ص 50)

تیمم کرنے کے لئے دو ضربیں ہیں (یعنی اپنے ہاتھوں کو زمین پر دو بار مارنا) ایک بار چہرے پر مسح کرنے کے لئے اور دوسری بار دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک کے لئے۔

(فقہ حدیث ص 58)

جواب:

راشدی صاحب نے حضرت غمار بن یاسر کی ایک حدیث کا نکل نقل کیا ہے حالانکہ اس کے تمام طریق راشدی صاحب کو پیش کر کے اس اضطراب کو ختم کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ حضرت غمار بن یاسر سے مختلف سندوں کے ساتھ مختلف الفاظ آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

الف۔ ایک ضرب سے تیمم کرے اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے۔

(بخاری ج ۱ ص 48 مسلم ج ۱ ص 116)

ب۔ تیمم دو ضرب سے کرنا ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں سے کندھوں اور بغلوں تک کے لئے۔

(ابوداؤد ج ۱ ص 51 نسائی ج ۱ ص 60 ثنوی ج ۱ ص 66 منہ احمد ج 4 ص 263)

ج۔ تیمم دو ضرب ہے ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(رواہ البزار فی منہ نصب الراية ج ۱ ص 154 قال الحافظ ابن حجر ہنا حسن الدار ص 36)

راشدی صاحب کا فرض تھا کہ وہ پہلے اس حدیث کے مکمل طرق نقل کرتے پھر ایک طریق کو

قبول اور دو طریقوں کو رد کرنے کی وجہ کسی حدیث صحیح سے بیان کرتے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں طریق قبول کر لینا کہ وہ صحیح ہے اور فلاں فلاں دو طریق حدیثوں کے رد کر دینا کہ وہ ضعیف ہیں۔ لیکن راشدی صاحب نے حدیث نقل کرنے میں ایسا نہیں کیا انہوں نے ایک طریق بتایا اور دو کو چھپایا۔ عجیب بات ہے کہ راشدی صاحب نے بھی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ایک ہی طریق کو مانا اور دو کو بلا وجہ بیان کئے چھوڑا تو وہ اہل حدیث رہے ہم نے بھی اس کے ایک طریق پر عمل کیا مگر ہمیں حدیث کا مخالف کہا گیا۔ احناف نے جن دو طریقوں کو چھوڑا اس کی باقاعدہ وجہ بیان کی ہے۔ فقیہ شہیر محدث کبیر امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں کندھوں تک مسح کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ نزول آیت سے پہلے صحابہ کی اپنی اپنی رائے تھی۔ چنانچہ امام طحاوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نقل فرماتے ہیں کہ میرا ہارسفر میں گم ہو گیا صحابہ ہار کی تلاش میں گئے جب نماز کا وقت ہوا تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے صحابہ نے تیمم کیا کسی نے صرف ہتھیلیوں تک کسی نے کندھوں تک پس یہ بات جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ پر آیت تیمم نازل ہوئی۔ (طحاوی ص 80 ج 1) معلوم ہوا کہ یہ بعض صحابہ کا اپنا عمل تھا۔

جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے خود صحابہ کو تیمم کا طریقہ سکھایا، چنانچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان ہی لوگوں میں تھا جب کہ تیمم کی رخصت نازل ہوئی پس ہمیں حکم دیا گیا اور ہم نے ایک ضرب سے چہرے کا مسح کیا اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا۔ (رواہ البوار باساند حسن، الدرر النایہ لحافظ ابن حجر ص 36)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ قرآن پاک کے بھی موافق ہے کیونکہ قرآن پاک میں پہلے وضو کا حکم ہے پھر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کو وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے وضو میں چار فرض کا ذکر تھا تیمم میں ان میں سے دو ساقط فرما دیئے اور دو کو باقی رکھا ان کی کیفیت اصل وضو کے موافق ہونی چاہئے تاکہ وہ ان کے قائم مقام کہلا سکیں۔ اب وضو میں حکم ہے فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق تم اپنے چہروں کو وضو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور تیمم کے بارے میں فرمایا میں فرمایا فامسحوا بوجوہکم وایدیکم منہ مسح کرو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اب ظاہر ہے کہ وضو میں چہرہ کو دھونے اور ہاتھوں کے دھونے کے لئے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے اس لئے تیمم میں بھی چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے لئے الگ الگ ضرب ہوگی اور وضو میں پورے چہرے کو



ضربا جاتا ہے تو تیمم میں بھی چہرے کا پورا مسح ہوگا مگر ہاتھوں کا کہنیوں تک تاکہ تیمم وضو کا ان دونوں فرضوں میں پورا پورا قائم مقام رہے۔  
(طحاوی ج 1 ص 81)

رہا حضرت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا وہ طریق جو راشدی صاحب نے بیان کیا ہے یہ بعد کا ہے جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو تیمم کا طریقہ تو آتا تھا مگر وہ اس کو صرف وضو کے تیمم کا طریقہ سمجھتے تھے جب ان پر غسل فرض ہوا اور پانی نہ ملا تو سارے کپڑے اتار کر زمین پر لوٹے پھر آ کر یہ واقعہ رسول قدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا۔ آنحضرت ﷺ نے سمجھایا کہ غسل اور وضو کے تیمم میں کوئی فرق نہیں چونکہ طریقہ پہلے حضرت عمار رضی اللہ عنہ جانتے تھے اس لئے اختصار کے ساتھ حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا۔

### صاحب ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں فریب

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ”تیمم دو ضربوں سے ہے ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرے اور دوسری کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیمم دو ضربوں کے ساتھ ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے (ہدایہ اولین ص 50) دیکھئے صاحب ہدایہ نے صاف طور پر فرمایا تھا کہ یہ طریق فرمان رسول سے ثابت ہے۔ راشدی صاحب نے یہ بات نقل نہیں کی۔

### تیمم میں دو ضربیں ہیں

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت مند بزار کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

### دلائل احناف

1- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين۔

(دارقطنی ج 1 ص 180)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

2- عن جابر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربہ للوجه و  
ضربة للذراعین الى المرفقین۔ (دارقطنی ج 1 ص 181)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے  
فرمایا تیمم میں ایک ضرب چہرہ کے لئے ہے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں  
بازوؤں کے لئے۔

2- عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة  
للوجه و ضربة للیدین الى المرفقین۔ (مسند ک حاکم ج 1 ص 179)  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم  
میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں  
ہاتھوں کے لئے۔

4- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان تیمم رسول اللہ ﷺ ضربتین  
ضربة للوجه و ضربة للیدین الى المرفقین۔ (جامع الترمذی ج 1 ص 233)  
حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تیمم دو ضربیں تھا ایک  
ضرب چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

5- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلاء  
سے نکلے ایک راہ گیر نے آپ کو سلام کیا آپ نے دو ضربوں سے تیمم کر کے اس  
آدمی کو سلام کا جواب دیا جب کہ وہ گلی کے موڑ سے چھپنے والا تھا۔

(ابوداؤد ج 1 ص 53، بخاری ج 1 ص 64، دارقطنی ج 1 ص 65، الطیالبی ج 1 ص 253، بیہقی ج 1 ص 206)

اگر ایک ضرب سے تیمم کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس جلدی کے موقع پر ضرور  
اختصار سے کام لیتے اذالیں فلیس۔

6- حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے

جس میں آیت تیمم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا

اسلم قم ف تیمم صعیدا طیباً ضربتین ضربة لوجهک و ضربة

لذا علیک ظاہرہما و باطنہما الحدیث۔ (بخاری ج 1 ص 81)

اے اسلع رضی اللہ عنہ کھڑا ہو اور پاک مٹی سے تیمم کر ایک ضرب اپنے چہرے کے لئے اور دوسری ضرب اپنے بازوؤں کے لئے اندر باہر دونوں طرف یہ روایت اس طرح بھی ہے کہ رنج کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے دو ضربوں سے تیمم کر کے دکھایا میرے ابا کو میرے دادا نے اس طرح تیمم کر کے دکھایا میرے دادا کو حضرت اسلع رضی اللہ عنہ نے اسی طرح تیمم کر کے دکھایا اور حضرت اسلع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس طرح رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کر کے دکھایا۔ (اخرج الطبرانی والدارقطنی والبیہقی زلیحی ج 1 ص 153)

7- حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے مبارک پر مسح فرمایا پھر دوسری ضرب کے بعد اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرما کر میرے سلام کا جواب دیا۔ (دارقطنی ج 1 ص 65)

8- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ خود اس طرح سکھایا کہ زمین پر ایک ضرب لگا کر چہرہ مبارک کا مسح فرمایا اور پھر زمین پر دوسری ضرب لگا کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا۔ (بیہقی ج 1 ص 206)

9- عن نافع ان ابن عمر تیمم فی مرید النعم فقال بیدیه علی الارض فمسح بہما وجہہ ثم ضرب بہما علی الارض ضربۃ اخری ثم مسح بہما یدیه الی البرفقین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 158)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چوپایوں کے بازو میں تیمم کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر جھکائے اور ان سے چہرہ پر مسح کیا پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔

10- عن نافع قال سالت ابن عمر عن التیمم ف ضرب بیدیه الی الارض و مسح بہما یدیه و وجہہ و ضرب ضربۃ اخری فمسح بہما ذراعیہ۔

(لمحادی ج 1 ص 81)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تیمم کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری بار دونوں ہاتھ مارے اور ان سے دونوں بازوؤں کا مسح کیا۔

11- عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین۔

(مسند امام زیٹ ص 77)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

12- عن جابر انه ضرب بیدیه الارض ضربة فمسح بهما وجهه ثم ضرب بهما الارض ضربة اخرى فمسح بهما ذراعیہ الی المرفقین۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

13- عن حبیب الشہید انه سمع الحسن سئل عن التیمم ف ضرب بیدیه علی الارض فمسح بهما وجهه ثم ضرب بیدیه علی الارض ضربة اخرى فمسح بهما یدیه الی المرفقین۔ (مسند ابن ابی شیبہ ج 1 ص 158)

حضرت حبیب شہید سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ (بصری) کو سنا کہ آپ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

14- عن ابن طائوس عن ابیہ انه قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین۔

(مسند ابن ابی شیبہ ج 1 ص 159)

ابن طاووس رحمہ اللہ اپنے والد طاووس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دوضریں ہوتی ہیں۔ ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

15- عن الزهري قال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعين۔ (مسند ابن أبي شيبة ج 1 ص 159)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیمم میں دوضریں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے۔

16- عن ابراهيم في التيمم قال تضع راحيتك في الصعيد فتمسح وجهك ثم تضعها ثانية فتنفضهما فتمسح يديك وذراعيك الى المرفقين۔ (کتاب الاثار لا امام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص 15)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے تیمم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر رکھ کر چہرہ کا مسح کر لو پھر دوبارہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھاڑو اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ اور بازوؤں کا مسح کر لو۔

17- یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام لیث بن سعد مصری رحمہ اللہ اور عام فقہاء کا ہے اور ابن المنذر نے یہی مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت بصری امام شعبی اور سالم بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ کما فی شرح المذہب ج 1 ص 210 للنفوذی رحمہ اللہ قال وهو قول اکثر العلماء (بحوالہ معارف السنن ج 1 ص 378) امام مالک کا یہی مسلک قواعد ابن رشد ج 1 ص 56 اور المدونة الکبری ج 1 ص 46 پر مذکور ہے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ تیمم میں دوضریں ہوتی ہیں۔ پہلی ضرب چہرہ پر مسح کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں پر مسح کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تیمم میں دوضریں ہیں۔ جلیل القدر صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی تیمم میں دوضریں ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ، طاووس رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جیسے اجلہ تابعین کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ تیمم میں دوضریں ہیں۔



غیر مقلدین اگر ان احادیث کو ضعیف ثابت کرنا چاہیں تو صراحتہ نبی معصوم ﷺ سے اپنی روایت کا صحیح ہونا اور باقی سب احادیث کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیں کہ کسی غیر معصوم امتی کا قول ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ اس کے نزدیک کسی غیر معصوم امتی کا قول دلیل شرعی نہیں۔ رہا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صراحتہ کسی ایک حدیث کی ترجیح ثابت نہ ہو تو وہ فان لہ تجد فیہ میں شامل ہے اور اب باجواز رسول ﷺ مجتہد کی طرف رجوع ہوگا چنانچہ ہم نے خیر القرون کے مجتہد اعظم امام ابو حنیفہؒ کی طرف رجوع کیا انہوں نے خیر القرون کے تعامل اور کتاب و سنت کو سامنے رکھ دو ضربوں سے تیمم والی احادیث پر عمل کیا اور کر دیا کیونکہ خیر القرون میں بلا تکثیر اسی پر عمل جاری تھا۔ اب خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں کسی مابعد خیر القرون کے امتی کے اقوال کو پیش کرنا گویا حدیث خیر القرون کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔

اور غیر مقلدین یہ بھی یاد رکھیں کہ احناف کو کسی ایک حدیث کی مخالفت کا بھی کھڑکا نہیں کیونکہ جب دو ضرب سے تیمم کرتے ہیں تو ان دو میں ایک ضرب یقیناً آجاتی ہے اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے اور جب وہ کہنیاں تک مسح کرتے ہیں تو اس میں تسلیاں اور پہنچے یقیناً آجاتے ہیں اور اس طرح اس طریقہ تیمم میں سب احادیث پر عمل ہے اور کسی حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی۔  
رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اب اس کے جواب کی ضرورت تو نہیں مگر مختصر عرض کرتے ہیں۔

- 1- یہ روایت مسند ابوداؤد طیالسی ص 89 میں آتی ہے اس میں شک کے ساتھ یہ لفظ ہیں: الی الکوین اوالرفیقین۔ تو جب اسی روایت میں مرفیقین کے لفظ بھی ہیں تو علی التبعین کفین پر کیسے عمل کیا جائے گا؟
- 2- امام نوویؒ شرح مسلم ج 1 ص 161 میں لکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی روایت میں آپؐ نے طریقہ تعلیم کی طرف اشارہ کیا ہے نہ کہ پوری تعلیم دی۔
- 3- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجتہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ جیسے آپؐ نے غسل کے بارے میں فرمایا کہ تین چلو سر پر ڈالے جائیں ظاہر بات ہے کہ اس سے غسل تو نہیں ہوتا۔
- 4- دراصل حضرت شمارؒ کو تیمم للوضو کا علم پہلے سے تھا لیکن تیمم لہنا بت کی کیفیت معلوم نہیں

تھی اس لئے تمعک کیا زمین پر لوٹ پوٹ ہوئے تو آپؐ نے صرف اشارہ فرمادیا کہ جیسے وضو کا تیمم ہے ویسے غسل کا تیمم ہے تمعک کی ضرورت نہیں یہ اجمالی تعلیم تھی اس کو مذکورہ مفصل احادیث پر محمول کرنا چاہئے۔

5۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

یعنی مروی ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنہیوں تک اور تحقیق مروی ہے مثل آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دونوں طرح پر اور وجہ توفیق کی ظاہر ہے رہنمائی کرتا ہے طرف اس کے لفظ انما یکضیک کا کہ اول یعنی ایک ضرب ادنی تیمم کا ہے اور ثانی یعنی دو ضربیں وہی سنت ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

## اعتراض نمبر ۲۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۰: نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں

## حدیث نبوی ﷺ

عن عبد اللہ بن المغفل قال قال رسول اللہ ﷺ صلوا قبل المغرب رکعتین صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال فی الثالثة لمن شاء کراہیۃ ان یتخذھا الناس سنة

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: ”مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرو تیسری بار فرمایا جس کا دل چاہے“ یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں لوگ اسے سنت (موکدہ) نہ بنالیں۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۷ کتاب التہجد باب الصلوۃ قبل المغرب رقم الحدیث نمبر ۱۱۸۳) (صحیح

مسلم ج ۱ ص ۲۷۸ کتاب فضائل القرآن باب بین کل اذانین صلاۃ حدث نمبر ۸۳۸)

## فقہ حنفی

ولا یتنفل بعد الغروب قبل الفرض

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیف فصل فی المواقف الی تکرہ فیہا الصلوٰۃ ص 86)  
 سورج کے غروب ہو جانے کے بعد فرض نماز سے پہلے نفل نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔  
 (فتاویٰ مدنی ص 59)

**جہاں:**

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کے متعلق روایات دونوں طرح کی ہیں بعض روایات میں پڑھنے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں نہ پڑھنے کا۔ اس وجہ سے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ میں بھی اختلاف ہے۔  
 امام نووی فرماتے ہیں:

و فی المسئلة مذبیان للسلف فاستحبها جماعة من الصحابة و  
 التابعین و من المتأخرین احمد و اسحق و لم یستحبها ابو بکر و  
 عمر و عثمان و علی و آخرون من الصحابة و مالک و اکثر الفقهاء۔  
 (نووی شرح مسلم ج ۱ ص 278)

اس مسئلہ میں سلف کے دو مذہب ہیں ایک گروہ اس کو مستحب کہتا ہے۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور فقہاء متأخرین ہیں۔ امام احمد رضی اللہ عنہ اور اسحق رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرا گروہ ان کے پڑھنے کو مستحب قرار نہیں دیتا۔ اس گروہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (یعنی تمام خلفائے راشدین) کے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم امام مالک اور اکثر فقہاء کرام ہیں۔

(اور احناف بھی اس کے قائل ہیں ”مشتاق“) امام ترمذی فرماتے ہیں: اور اختلاف کیا ہے اصحاب رسول ﷺ نے مغرب کے قبل کی نماز میں۔ جو لوگ ان دونوں کے پڑھنے کو صرف مباح قرار دیتے ہیں سنت یا مستحب نہیں سمجھتے وہ مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کے۔  
 (کشف الاستار ج 10 ص: 338)

## اعتراض نمبر ۲۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۱: غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ نحي النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ و خرج بہم الی المصلی فصفا بہم و کبر علیہ اربع تکبیرات۔

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی موت کی خبر سنائی اور عید گاہ کی طرف نکلے، صفیں بنائی گئیں اور آپؐ نے چار تکبیرات کہیں۔

(بخاری ج ۱ کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنائزۃ اربعاً صفحہ ۱۷۸۔ رقم الحدیث ۱۳۳۳ ایضاً باب الرجل ینحی الی اہل المیت بنفسہ ص ۱۶۷) (مسلم ج ۱ کتاب الجنائز باب فی التکبیر علی الجنائزۃ ص ۳۰۹ رقم الحدیث ۲۲۰۴) (واللفظ للبخاری)

### فقہ حنفی

فلا تصح علی غائب

(ألدرا المختار باب صلاة الجنائز ج ۲ ص ۲۰۹، طبع دار الفکر بیروت)

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۶۰)

جواب:

- ۱- آنحضرت ﷺ کے کئی صحابہ کا ملک عرب میں وصال ہوا مگر آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی آپؐ کی پوری زندگی میں ایک بھی مثال کسی صحیح سند سے نہیں ملتی۔
- ۲- خود آنحضرت ﷺ کے وصال پر کسی صحابی نے آپؐ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی۔
- ۳- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

- 4- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال پر کسی ملک میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔
- 5- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔
- 6- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کسی ملک میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔
- 7- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔
- 8- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کسی ملک میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔
- 9- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی۔
- 10- امہات المؤمنین کے وصال پر کسی ملک میں نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔
- 12- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اطہار کی وفات پر تمام علاقوں میں جنازہ غائبانہ نہ پڑھا گیا۔

اسلام میں ان ہستیوں سے بڑھ کر اور کوئی ہستیاں نہیں گزریں۔ ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اگر غائبانہ نماز جنازہ سنت ہوتا تو ان کا ضرور بضرور پڑھا جاتا۔ اگر کسی غیر مقلد میں ہمت ہے تو صرف ایک ہی حدیث پیش کرے۔

مگر غیر مقلد ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنے سے عاجز ہیں تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھنا ہی سنت متواترہ ہے اور سنت متواترہ کے خلاف کوئی حدیث خبر واحد مل جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کو قبول نہ کرو۔ (الکفایہ)

جس حدیث کو راشدی صاحب نے نقل کیا ہے اس میں نہ غائب کا لفظ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھنا صحابہ کرام نے کہا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا۔ راشدی صاحب نے قیاس سے یہ مسئلہ نکال لیا۔

رہا نجاشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ پڑھنا تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔

- 1- یہ آپ کی خصوصیات میں داخل ہے۔
- 2- یا اس پر نماز جنازہ اس لئے پڑھا گیا کہ اس کے وطن میں عیسائی لوگ تھے اس لیے اس پر اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔
- 3- یا اس لئے کہ اس کی لعش کسی نہ کسی وجہ سے حاضر تھی یا تو اس کی میت آپ کے سامنے کر دی گئی تھی۔ آپ اس کو دیکھ رہے تھے۔ گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر نہیں آتی تھی یا آپ کے سامنے



سے پردہ ہٹا کر آپ کو دکھا دی گئی تھی۔

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

و قال بعض العلماء انما صلى عليه لانه يكتف ايمانهم من قومه فلم يكن عنده يوم مات من يصلى عليه فلهذا صلى عليه (ص) قالوا فالغائب ان كان قد صلى عليه ببلدة لا تشرع الصلوة عليه ببلدة اخرى ولهذا لم يصلى النبي (ص) في غير المدينة لا اهل مكة ولا غيرهم وهكذا ابو بكر وعمر وعثمان وغيرهم من الصحابة لم ينقل انه صلى على احد منهم في غير البلدة التي صلى عليه فيها فالف الله اعلم. (البدایہ والنہایہ ج 3 ص 78)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نجاشی پر آنحضرت ﷺ نے جنازہ اس لئے پڑھایا تھا کہ وہ اپنے ملک حبش میں اپنا ایمان اپنی قوم سے چھپاتا تھا اور جس دن وہ فوت ہوا اس دن اس کے پاس وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس پر نماز جنازہ پڑھتا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا (ایسا ہی اگر کسی پر جنازہ کی نماز نہ پڑھی گئی ہو تو پھر اس پر غائبانہ پڑھنی درست ہوگی) علماء نے کہا ہے کہ غائب پر اگر اس کے شہر میں نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو پھر کسی دوسرے شہر میں اس پر نماز جنازہ مشروع نہیں ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے علاوہ کسی پر نماز جنازہ نہیں پڑھی نہ اہل مکہ پر اور نہ ان کے علاوہ دوسروں پر اور اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ نے بھی کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا اور ان سے یہ منقول نہیں کہ ان میں سے کسی نے اس شہر کے علاوہ جس میں اس میت پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو کسی پر نماز جنازہ پڑھی ہو۔

امام بن عبد البر رحمہ اللہ نے بھی کتاب التہدید میں لکھا ہے کہ:

اکثر اہل علم اس کو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں نجاشی کی میت کو آپ کے سامنے حاضر

کر دیا گیا تھا۔ اس کا مشاہدہ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی یا اس کا جنازہ آپ کے سامنے اس طرح بلند کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا تھا جب کہ قریش نے آپ سے

سوال کیا تھا اسی طرح ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی وفات پا گیا ہے۔ اس پر نماز جنازہ پڑھو  
آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے صفیں بنائیں آپ نے چار  
تکبیرات پڑھیں اور ہم بھی گمان کرتے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

6- اگر غائب پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو آنحضرت ﷺ اپنے ان اصحاب پر نماز جنازہ ضرور  
پڑھتے جو مدینہ سے باہر فوت ہو چکے تھے اور مسلمان بھی شرقاً و غرباً خلفاء راشدین پر نماز جنازہ  
پڑھتے حالانکہ کسی سے یہ منقول نہیں۔  
(فتح المبین ج 2 ص 496)

7- علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اعذار میں سے ان محدثین اور فقہاء کا قول ہے کہ اس (نجاشی) کے جنازہ کو آپ کے  
سامنے مشکف کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ آپ نے اس کو دیکھ لیا تو اس کا حکم اس شخص کا ہوگا جس کو امام  
کے سامنے حاضر کر دیا گیا ہو جس کو امام تو دیکھتا ہے لیکن مقتدی اس کو نہیں دیکھتے“ ایسی صورت میں نماز  
جنازہ پڑھنا بلا خلاف جائز ہے۔

اور اس سلسلہ میں استدلال واحدی کی بات سے کیا ہے جس کو بغیر۔ م کے اس نے عبداللہ بن  
عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

آنحضرت ﷺ کے سامنے نجاشی کو ظاہر کر دیا گیا تھا آپ نے اس کو دیکھا اور نماز  
جنازہ پڑھی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے جو حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ صحابہ کرام  
کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں اور صحابہ کرام یہی خیال کرتے تھے کہ جنازہ  
آنحضرت ﷺ کے سامنے ہے۔

اور ابو عوانہ رحمہ اللہ نے بھی ابان وغیرہ عن یحییٰ رحمہ اللہ کے طریق سے جو روایت بیان کی ہے کہ ہم  
نے نماز جنازہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے پڑھی اور ہم یہی خیال کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے۔  
اور اعذار میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نماز جنازہ نجاشی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے یہ بات  
ثابت نہیں ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے کسی غائب میت پر سوائے نجاشی کے نماز جنازہ پڑھی ہو۔

## اعتراض نمبر ۲۲

پیر بلع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۲: اذان و اقامت کے کلمات کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة

ترجمہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں

اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہیں۔

تخریج بخاری ج ۱ کتاب الاذان باب الاذان مشنی مشنی صفحہ ۸۵. رقم الحدیث ۶۰۵-۶۰۶ مسلم ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب الامر بشفع الاذان الخ ص ۱۶۴ رقم الحدیث ۸۳۸۔

### فقہ حنفی

و الاقامة مثل الاذان انه یزید فیہا بعد الفلاح قد قامت الصلاة مرتین

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان ص ۸۷)

اقامت، اذان ہی کی طرح ہے۔ یہ فرق ہے کہ اقامت میں ”حمی علی الفلاح“

کے بعد دو مرتبہ ”قد قامت الصلوٰۃ“ کہتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۶۱)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ سے یہ عبارت نقل کی ہے والاقامة

مثل الاذان اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے لکھا تھا کذا فعل البک

(ہدایہ ص ۸۷)

النازل من السماء۔

صاحب ہدایہ نے بات صاف کر دی ہے کہ یہ اقامت کسی فقیہ نے معاذ اللہ گھر سے نہیں گھڑی

بلکہ اصل اذان و اقامت اس فرشتے کی ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان سکھائی تھی اس

فرشتے نے اقامت مثل اذان سکھائی تھی۔ راشدی صاحب نے آگے والی عبارت چھوڑ دی۔

## فقہ حنفی کے دلائل

- 1- حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کی اذان اور اقامت دونوں دوہری دوہری تھیں۔  
(ابن ابی شیبہ ج 1 ص 136 عبد الرزاق ج 1 ص 161 و 462 آثار السنن ج 1 ص 52 و صحیح ہذا اسنادی نایہ الصحیحہ الخلی ابن حزم ج 2 ص 158 ما فیہ الدین و فیہ العید کہتے ہیں رجالہ الصحیح نسب الراوی ج 1 ص 267 ابو داؤد ج 1 ص 75)
- 2- حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان و اقامت دو مرتبہ تھی۔  
(ترمذی ج 1 ص 27)
- 2- حضرت ابو محذورہ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و اقامت دو مرتبہ سکھائی۔  
(عبد الرزاق ج 1 ص 458)
- 4- عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں میں نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان و اقامت سنی دونوں دو مرتبہ تھیں۔  
(طحاوی ج 1 ص 93)
- 5- حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بھی اذان و اقامت دوہری کہتے تھے۔  
(دارقطنی و اسنادہ صحیح آثار السنن ج 1 ص 53)
- 6- حضرت ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اذان و اقامت دوہری دوہری تھی۔  
(عبد الرزاق ج 2 ص 462)
- 8- حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان و اقامت کہتے سنا ان کی اذان و اقامت دو مرتبہ ہوتی تھی۔  
(رواہ الطحاوی و اسنادہ حسن آثار السنن ج 2 ص 53)
- 9- حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان بھی دو مرتبہ اور اقامت بھی دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔  
(رواہ دارقطنی و الطبرانی)
- محدث طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دوہری اقامت کہنا تو اتر سے ثابت ہے۔  
(طحاوی ج 1 ص 92)
- 10- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مؤذن اقامت دو مرتبہ کہا کرتا تھا۔  
(عبد الرزاق ج 1 ص 463)

11- حضرت سعد بن قیس کہتے ہیں بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ اذان و اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے ایک دن ایک موزن کو سنا جس نے ایک ایک مرتبہ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو دو مرتبہ کیوں نہ کبھی تیری ماں مر جائے۔ (ابن ابی شیبہ ج 1 ص 138)

12- ابواسحاق کہتے ہیں اصحاب علی رضی اللہ عنہ اور اصحاب عبداللہ بن مسعود سب کے سب اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

13- حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے منی میں اذان و اقامت کبھی جو دو دو مرتبہ تھی۔

(عبدالرزاق ج 1 ص 462)

14- مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ اقامت کہنا امراء کی تخفیف ہے اقامت تو دو مرتبہ ہی ہے۔ (عبدالرزاق ج 1 ص 463، ابن ابی شیبہ ج 1 ص 138، الجاوی ج 1 ص 95)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں سنت متواترہ دوہری اقامت ہی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب میں بھی دوہری اقامت ہی متواتر تھی۔ بعض امراء نے اختصار سے کام لے کر اقامت اکبری بنالی۔ پس ثابت ہوا کہ دوہری اقامت احناف نے گھر سے نہیں گھڑی آنحضرت ﷺ کے سب موزن حضرت ابوحنزہ رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، حضرت سلمہ بن الأكوع رضی اللہ عنہ دوہری اقامت ہی کہا کرتے تھے اور یہی خلافت راشدہ میں رائج تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد بعض امراء نے اکبری تکبیر نکالی اور اپنے دور حکومت سے اس کو روانہ کیا۔ راشدی صاحب نے سنتوں کے مٹانے پر کمر باندھ رکھی ہے وہ جس حدیث سے دھوکا دے رہے ہیں ان میں اگر کلمات مراد لئے جائیں تو وہ سنت متواترہ کے خلاف ہوگی خود ان کے عمل کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ وہ اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ دو مرتبہ اور اقامت میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ ایک مرتبہ اس لئے اس حدیث میں شفع سے مراد یہ ہوگا کہ اذان کے کلمات دو سانس میں ہوں اقامت کے ایک سانس سے۔

اذان:

اللہ اکبر اللہ اکبر (شفع)

اللہ اکبر اللہ اکبر

اشھدان لا الہ الا اللہ

اشھدان لا الہ الا اللہ



اشھدان محمد رسول اللہ	اشھدان محمد رسول اللہ
حی علی الصلوۃ (دومرتبہ)	حی علی الصلوۃ
حی علی الفلاح (دومرتبہ)	حی علی الفلاح
لا الہ الا اللہ	اللہ اکبر اللہ اکبر

اقامت:

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وتر ایک سانس میں  
 اشھدان لا الہ الا اللہ دونوں ایک سانس سے وتر  
 اقامت میں یہ دونوں کلمے ایک ہی سانس میں کہے۔  
 پس اس تطبیق سے احادیث میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

### اعتراض نمبر ۲۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲: شراب کا سرکہ

### حدیث نبوی ﷺ

عن انس ان النبی ﷺ سئل عن الخمر تتخذ خلا فقال لا  
 ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے  
 شراب کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس سے سرکہ بنایا جاسکتا ہے؟ آپ نے  
 اس سے منع فرمایا۔

(مسلم ج ۲ کتاب النشربہ باب تحریر تخلیل الخمر الخ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۵۱۴۰)

### فقہ حنفی

و اذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلا بنفسها او شىء يطرح  
 فيها ولا يكره تخليها

(ہدایۃ الخرنین ج ۴ کتاب النشربہ ص ۴۹۹)

شراب کا سرکہ بنایا جاسکتا ہے، برابر ہے وہ سرکہ نفس شراب سے بنایا جائے یا اس میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے اس میں کراہیت نہیں۔

(فتاویٰ دہلی ص 62)

جہاں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم (یعنی سرکہ بنانے سے منع کرنا) ابتدائی دور کا ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نیا نیا اتر ا تھا اور لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت بالکل ختم کرنے کے لئے اس قدر سختی کی گئی تھی کہ شراب کے لئے استعمال ہونے والے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ بعد میں جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی نفرت اچھی طرح جا گزری ہو گئی تو برتنوں کے استعمال اور شراب کو سرکہ بنالینے سے ممانعت بھی ختم کر دی گئی۔ برتنوں کے استعمال کی اجازت کی احادیث کتب میں معروف ہیں۔ یہاں شراب کا سرکہ بنالینے کی اجازت کی روایات و آثار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے سرکوں میں سے بہترین شراب کا بنا ہوا سرکہ ہے۔ (سنن البری تہقیق ج 5)

2- حدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے ہمارے یہاں ایک بکری تھی جس کا ہم دودھ دوہا کرتے تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا تو پوچھا کہ وہ بکری کیا ہوئی لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مر گئی تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال سے انتفاع کیوں نہیں لیا تو ہم نے عرض کیا کہ وہ تو مردار تھی تو آپ نے فرمایا کہ دباغت سے وہ حلال ہو جاتی ہے جیسے خمر (شراب) کو سرکہ حلال کر دیتا ہے۔ (دارقطنی جلد 4 ص 266، الہدایہ ج 4 ص 404)

3- عبدالرزاق عن معمر عن سلیمان التیمی قال حدثنی امرأۃ یقال ام حراش امہارات علیا یصطبغ بخل خمر۔

(مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 252، مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

ام حراش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شراب سے بنے ہوئے سرکے کو بطور سالن استعمال کرتے ہوئے دیکھا۔

4- عن جبیر بن نفیر قال اختلف رجلان من اصحاب معاذ فی خل الخمر فسالاهما ابا الدرداء فقال لا بأس بہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 12)

جبر بن نفیر کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کا شراب کے سر کے بارے میں اختلاف ہوا تو انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

5- عبدالرزاق عن سعید بن عبدالعزیز الثنوخی عن عطیہ بن قیس قال مر رجل اصحاب ابی الدرداء ورجل یتغدی فدعاہ الی طعامہ فقال وما طعامک قال خبر و مری و زیت قال المری الذی یصنع من الخمر قال نعم قال هو خمر فتوا عدا الی ابی الدرداء فسالاہ فقال ذبحت خمرها الشمس والبلح والحیتان یقول (لا بأس بہ۔ (مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 253)

عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک آدمی ایک دوسرے آدمی کے پاس سے گزرا جو کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے اسے کھانے کی دعوت دی اس نے پوچھا کیا کھانا ہے؟ اس نے کہا روٹی اور مری اور تیل اس نے پوچھا وہ ”مری“ جو شراب سے بنائی جاتی ہے؟ اس نے کہا ہاں اس نے کہا یہ شراب ہی ہے۔ پھر دونوں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے (اس کے متعلق) دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ اس کے نشے کو دھوپ اور نمک اور مچھلی کی آمیزش نے ختم کر دیا ہے۔ یعنی اس (کے کھانے) میں کوئی حرج نہیں۔

6- عبدالرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء ایجعل الخمر خلا؟ قال نعم وقال لی ذلک عمرو بن دینار مثله۔

(مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 253)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا شراب کو سرکہ بنایا جاسکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اور اسی طرح مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا۔

7- عبدالرزاق عن معمر عن ایوب قال رایت ابن سیرین اصطنع خل خمر او قال مساخل خمر۔ (مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 253)

ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین کو دیکھا کہ انہوں نے شراب سے سرکہ

بنایا یا یہ کہا کہ شراب کے سر کے میں کوئی حرج نہیں۔

8- حدثنا ابو بکر حدثنا قال ابن مهدی عن حماد بن زید

عن یحییٰ بن عتیق عن ابن سیرین انه کان لا یوی باسا بخل الخمر۔

(معنی ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

یعنی بن عتیق کہتے ہیں کہ ابن سیرین رحمہ اللہ شراب کے سر کے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

9- حدثنا ابو بکر قال حدثنا ازهر عن ابن عون قال کان

محمدا لا یقول خل خمر و یقول خل العنب و کان یصطبغ فیہ۔

(معنی ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13، کتاب الاموال مترجم جلد اول 241، 242)

ابن عون کہتے ہیں کہ محمد بن رحمہ اللہ ”شراب کے سر کے“ کہنے کے بجائے ”انگور کا سر کے“ کہتے تھے اور اس کو سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

10- حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عبد اللہ بن نافع عن

ابیہ عن ابن عمر انه کان لا یوی باسا ان یا کل ہما کان خمر ا فصار

خلا۔ (معنی ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عمر رحمہما اللہ شراب سے بنے ہوئے سر کے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

11- حدثنا ابو بکر قال حدثنا حمید بن عبد الرحمن عن ابیہ

عن مسر بل العبدی عن امہ قالت سألت عائشہ عن خل الخمر

قالت لا باس بہ ہوا دام۔ (معنی ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

مسر بل عہدی کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شراب کے سر کے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں یہ بھی ایک سالن ہے۔

12- حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو اسامۃ عن اسماعیل بن

عبد الملک قال رايت سعید بن جبیر یصطبغ بخل خمر۔

(معنی ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

سعید بن جبیر رحمہ اللہ شراب سے بنے ہوئے سر کے کو بطور سالن استعمال کرتے تھے۔

13- حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن مہدی عن مبارک عن

الحسن قال لا باس بخل خمر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

حسن بصری کہتے ہیں کہ شراب سے بنے ہوئے سرکہ میں کوئی حرج نہیں۔

### حادثہ عکلی کا حوالہ

شیرمہ راوی ہیں کہ حادثہ عکلی نے اس شخص کے بارے میں جس نے میراث میں

شراب پانی تھی کہا تھا وہ اس میں نمک ڈال لے تاکہ وہ سرکہ بن جائے۔

(کتاب الاموال مترجم ص 242)

### حضرت عمر بن عبدالعزیز کا حوالہ

ثبی بن سعید کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے کوفہ کے عامل عبدالحمید بن عبدالرحمن کو لکھا

شراب ایک بستی سے دوسری بستی میں نہ منتقل کی جائے اور تمہیں جو شراب کشتیوں پر لدی ہوئی ملے اسے

سرکہ میں تبدیل کر دو چنانچہ عبدالحمید نے یہ حکم اپنے واسطہ کے نمائندہ محمد بن المنشتر کو لکھا انہوں نے خود

پہنچ کر کشتیوں کو معائنہ کیا اور ہر شراب کے ڈرم میں نمک اور پانی ڈال کر اسے سرکہ بنا دیا۔

(کتاب الاموال مترجم ص 238)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے کہ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ وہ پہلے زمانہ کی ہے۔

### اعتراض نمبر ۴۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴۴: عورت کو مسجد جانے سے نہیں روکا جاسکتا

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا استأذنت امرأۃ احدکم

الی المسجد فلا یمنعها

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب

کرے تو اسے منع نہ کرو۔



صحیح بخاری کتاب الاذان باب استذان المرأة زوجها في الخروج الي المسجد رقم الحديث 873  
 اص 120) (صحیح مسلم کتاب الصلاة باب خروج النساء الي المساجد رقم الحديث 183)

## فقہ حنفی

يكره لهن حضور الجماعات ولا بأس للعجوز ان تخرج في الفجر و  
 المغرب والعشاء

(هداية اولين كتاب الصلاة باب الامامة ص 126)

یعنی عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانا مکروہ ہے۔ مگر  
 بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء پڑھنے کے لئے جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ مدیشت 63)

## جہاد:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہے پہلے ہم یہاں پر ہدایہ کی مکمل  
 عبارت نقل کرتے ہیں اس کے بعد اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔  
 ہدایہ کی مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

ويكره لهن حضور الجماعات يعني الشواب منهن لما فيه من خوف  
 الفتنة ولا بأس للعجوز ان تخرج في الفجر والمغرب والعشاء وهذا  
 عند أبي حنيفة وقالوا يخرجن في الصلوات كلها لانه لا فتنة لقلّة  
 الرغبة فلا يكره كما في العيد وله ان فرط الشبق حامل تقع  
 الفتنة غير ان الفساق انتشارهم في الظهر والعصر والجمعة اما في  
 الفجر والعشاء هم نائمون وفي المغرب بالطعام مشغولون والجمانة  
 متسعة فيمكنها الا اعتزال عن الرجال فلا يكر

ترجمہ: اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا، یعنی جوان  
 عورتوں کو کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کہ بوڑھی  
 عورتیں فجر و مغرب اور عشاء میں نکلیں یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے  
 صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں تمام تمام نمازوں میں نکل سکتی ہیں

کیونکہ ان میں کم رشتہ کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے اس لئے مکروہ نہ ہوگا جیسے عید میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے اس لئے فتنہ واقع ہوگا صرف اتنی بات ہے کہ فاسق لوگ ظہر و عصر و جمعہ کے اوقات میں منتشر رہتے ہیں رہا فجر و عشاء کا وقت سو اس میں وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے ہیں اور جنگل وسیع ہوتا ہے تو اس میں بوڑھی عورتوں کو مردوں سے علیحدہ ہونا ممکن ہے اس لئے ان کا عید میں جانا مکروہ نہیں۔

(فتاویٰ المعانی شرح ہدایہ جلد 3 ص 304-305)

اس مسئلہ کے متعلق احادیث و آثار مختلف وارد ہوئے ہیں۔ راشدی صاحب نے اجازت والی روایت کو نقل کر دی اور دوسری تمام روایات چھوڑ دی ہیں۔ ہم وہ روایات یہاں پر نقل کرتے ہیں جن کی وجہ سے فقہاء نے جوان عورتوں کے لئے مسجد میں جانا مکروہ کہا ہے۔

### حدیث نمبر ①:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البراءة عورة وانہا اذا خرجت استشر فہا الشیطان وانہا اقرب ما تكون الی اللہ وھی فی قعر بیتہا رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون۔  
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الاستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو ملتا ہے، وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کوٹھڑی میں ہو۔  
(مجمع الزوائد ج 2 ص 35 ترمذی ص 189)

اس مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔  
(دکنئے الترغیب والترہیب ج 1 ص 135)

### حدیث نمبر ②:

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل عین زانیۃ والبراءۃ اذا استعطرت فمیرت بالمجلس فہی کذا وکذا یعنی زانیۃ و هذا حدیث حسن صحیح۔  
(ترمذی ص 396)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر آنکھ زنا کار ہے اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزرے تو وہ ایسی ہے یعنی زنا کار ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر (۳):

عن الاشعری قال قال رسول الله ﷺ ایما امرأة استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا من ریحها فہی زانیۃ۔

(نہائی ج 2 ص 343: مسند احمد ج 2 ص 246)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ انہیں اس کی خوشبو آئے وہ زانیہ ہے۔

حدیث نمبر (۴):

عن عبد الله بن مسعود قال انما النساء عورة و ان المرأة لتخرج من بيتها و ما بها من باس فيستشر فيها الشيطان فيقول انك لا تمرين باحد الا اعجبتيه و ان المرأة لتلبس ثيابها فيقال اين تريدین فتقول اعود مريضا او اشهد جنازة او صلی فی مسجد و ما عبت امرأة ربها مثل ان تعبد فی بیتها۔ (رواة الطبرانی فی الکبیر رجالہ ثقات) (مجمع الزوائد ج 2 ص 35: منہج ابن ابی شیبہ ج 2 ص 384)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتیں واجب الستر ہیں جو عورت اپنے گھر سے بلا حجاب نکلتی ہے شیطان اس کو تاکتا ہے اور یہ کہتا ہے تو جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گی اس کے دل کو بھائیے گی اور عورت اپنے کپڑے پہن کر نکلتی ہے اس سے کہا جاتا ہے تم کہاں جا رہی ہو؟ وہ کہتی ہے میں بیمار کی عیادت کرنے جا رہی ہوں یا جنازہ پڑھنے جا رہی ہوں یا مسجد میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں اور عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اوائل اسلام میں زہمیوں کی تیمارداری اور بیماروں کو پانی پلانے کے لئے عورتیں حجاب کے

ساتھ غزوات میں شریک ہوتی تھیں لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو غزوات میں جانے سے منع کیا۔

2- اس حدیث میں یہ بھی ہے عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن ام كېشة امها قالت يا رسول الله اتاذن انا اخرج في جيش كذا وكذا قال لا قالت يا رسول الله انه ليس ارید ان اقاتل انما ارید اداوی الجرحی والهرضى او اسقى لهرضى قال لو لا ان تكون سنة و يقال فلانة خرجت لاذنت لك ولكن اجلسي رواه الطبرانی في الكبير والاوسط و رجالها رجال الصحيح. (مجمع الزوائد ج 5 ص 324 و 323)

حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے فلاں فلاں لشکر میں جانے کی اجازت دیتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے تو صرف زخمیوں اور بیماروں کو دوا دوں گی یا بیماروں کو پانی پلاؤں گی آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا تو آگے چل کر یہ چیز امر شرعی بن جائے گی اور اس سے یہ استدلال کیا جانے لگے کہ فلاں عورت جہاد میں گئی تھی تو میں تم کو اجازت دے دیتا لیکن (اپنے گھر میں) بیٹھو! اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

حدیث نمبر ⑥:

عن ام سلمة عن رسول الله ﷺ قال خير مساجد النساء قعربہ قعربہ رواه احمد ابو يعلى.  
(مجمع الزوائد ج 2 ص 33، مستدرک ماہم ج 1 ص 209)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کی بہترین مسجد ان کے گھروں کا اندونی حصہ ہے۔

حدیث نمبر ⑦:

عن ام حميد قالت قلت يا رسول الله ﷺ يمنعنا ازواجنا ان تصلي

معك ونحب الصلوة معك فقال رسول الله ﷺ صلواتك في بيوتك افضل من صلواتك في حجر كن و صلواتك في حجر كن افضل من صلواتك في دور كن و صلواتك في دور كن افضل من صلواتك في الجماعة رواه الطبراني في الكبير۔

ام حمید بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے شوہر ہم کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنا حویلیوں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا حویلیوں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(مجمع الزوائد ج 2 ص 34، مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 384)

حدیث نمبر ⑧:

عن ام سلمة قالت قال رسول الله ﷺ صلوة المرأة في بيتها خير من صلواتها في حجرتها و صلواتها في بيتها خير من صلواتها في دارها و صلواتها في دارها خير من صلواتها خارج۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط مجمع الزوائد ج 2 ص 34)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کا اندر کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (مجمع الزوائد ج 2 ص 34)

حدیث نمبر ⑨:

عن عبد الله عن النبي ﷺ قال صلوة العمرأة في بيتها افضل من صلواتها في حجرتها و صلواتها في محددتها افضل من صلواتها في بيتها۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حویلی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد ج 1 ص 84)



## حدیث نمبر ⑩:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا نساءکم المساجد و بیوتہن خیر لہن۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

(فضل العبود شرح ابی داؤد ج 1 ص 444، مستدرک ماہم ج 1 ص 209)

## حدیث نمبر ⑪:

عن سلیمان ابن ابی حثمۃ عن امہ قالت رایۃ النساء القواعد یصلین مع رسول اللہ ﷺ فی المسجد۔

سلیمان بن ابی حثمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا بوڑھی عورتیں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔

(مجمع الزوائد ج 2 ص 34)

## حدیث نمبر ⑫:

عن عائشۃ قالت لو ادرک رسول اللہ ﷺ ما احدثت النساء لمنعهن المسجد کہا منعت نساء بنی اسرائیل فقلت للمعمرۃ او منعن قالت نعم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتوں نے جو (بناؤ سنگھار) اب ایجاد کیا ہے اگر اس کو رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے اس طرح روک دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔  
راوی نے عمرہ سے پوچھا کیا ان کو روک دیا گیا تھا؟ فرمایا ہاں۔

(بخاری ج 1 ص 120، ہوطا امام مالک مترجم ص 188، مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 150)

## حدیث نمبر ⑬:

عن عائشۃ قالت بینما رسول اللہ ﷺ جالس فی المسجد اذا دخلت امرأۃ من مزینۃ ترفل فی زینۃ لہا فی المسجد فقال النبی صلی اللہ

علیہ وسلم یا ایہا الناس انہوا نسائکم عن لبس الزینۃ والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نسائہم الزینۃ و یتبخترن فی المساجد۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک عورت آئی مزینہ کی اور بڑے ناز سے زینت کئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنی عورتوں کو منع کرو زینت کا لباس پہن کر اور ناز کے ساتھ مسجد میں آنے سے اس لئے کہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں ہوئی (یعنی اللہ کا غصہ ان پر نہیں اترا) یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے بناؤ کیا اور مسجدوں میں ناز سے داخل ہونے لگیں۔

(ابن ماجہ مترجم علامہ وحید الزمان ج 3 ص 276)

حدیث نمبر (۱۴):

عن مولیٰ ابی رھم اسمہ عبید ان ابا ہریرۃ لقی امرأۃ متطیبۃ ترید المسجد فقال یا امۃ الجبار ابن تریدین قالت المسجد قال و لہ تطیبت قالت نعم قال فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما امرأۃ تطیبت ثم خرجت الی المسجد لم تقبل لہا صلوۃ حتی تغتسل۔

ابورہم کے مولے (غلام آزاد) سے جس کا نام عبید ہے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو مسجد میں جاتے دیکھا خوشبو لگائے ہوئے تھی۔ انہوں نے کہا اے خدا کی لونڈی تو کہاں جاتی ہے وہ بولی مسجد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو خوشبو لگائی ہے وہ بولی ہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس عورت نے عطر لگایا اور مسجد میں گئی اس کی نماز قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ غسل کرے (یعنی خوشبو کو دھو ڈالے اپنے بدن اور کپڑے سے)

تشریح: علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں

اب تک انصاری کا یہی حال ہے ان کی عورتیں گرجوں میں عمدہ عمدہ عطر لگا کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے عمدہ لباس کے ساتھ بڑے ناز و انداز سے آتی ہیں اور صد ہا فساق و فجار ان کی قوم کے اور

نیز دوسری قوموں کے بھی عورتوں کو گھورنے کے لئے گر جائیں جاتے ہیں نہ نماز سے غرض ہے نہ دعا سے اور مسلمانوں میں چونکہ اکثر عورتیں پردے میں رہتی ہیں اس وجہ سے ایسے موقع مسجدوں میں تو کم ملتے ہیں مگر میلوں ٹھیلوں اور بزرگوں کے عرسوں میں اکثر مسلمانوں کی عورتیں بناؤ سنگار کر کے جاتی ہیں اور پردے ہی کے اندر سے اپنا جو بن دکھلاتی ہیں اور ان کے مرد جو دیوث سے کم نہیں ہیں ان عورتوں کو ایسے بُرے کام سے نہیں روکتے جب آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو بناؤ سنگار کر کے مسجد میں آنے سے منع کیا جہاں خدا کی عبادت کی جاتی ہے تو بازار یا میلہ یا عرس میں عورتوں کو اس طرح سے جانا سخت منع ہوگا البتہ اگر عورتیں موٹا لباس پہن کر بغیر زیب و زینت کے نماز کے لئے مسجد میں آئیں یا ضرورت سے بازار میں جائیں تو درست ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عہد مبارک میں یہ شائع تھا اور بعضوں نے اس زمانہ میں مطلقاً عورتوں کو باہر نکلنا منع رکھا ہے بوجہ فتنہ کے اور بعضوں نے بوڑھی عورتوں کے لئے جائز رکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

(ابن ماجہ مترجمہ جامعہ الزمان ج 3 ص 276)

### حدیث نمبر (۱۵):

عن امر حمید امرأة ابی حمید الساعدی انہا جائت النبی ﷺ فقالت یا رسول اللہ ﷺ انی احب الصلوۃ معک قال قد علمت انک تحبین الصلوۃ معی و صلاتک فی بیتک خیر من صلاتک فی حجر تک و صلاتک فی حجر تک خیر من خیر من صلاتک فی دارک و صلاتک فی دارک خیر من صلاتک فی مسجد قوم و صلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجد قالت فامرت فبنی لہا مسجد فی اقصى بیت فی بیتہا و اظلمہ فکانت تصلى فیہ حتی لقیبت اللہ عزوجل۔ رواہ احمد (مجمع الزوائد ج 2 ص 34 و 33)

ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام حمید رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہایا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ کے ساتھ (مسجد میں) نماز پڑھنا اچھا لگتا ہے آپ نے فرمایا مجھے علم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا اچھا لگتا ہے (لیکن) تمہارا اپنے گھر کے (کسی اندرونی) کمرے میں نماز پڑھنا (بیرونی) کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر (کے صحن) میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر

ہے۔ (بین کر) ام حمید رضی اللہ عنہا نے (اپنے گھر والوں کو) حکم دیا کہ میرے لئے گھر کے تاریک ترین کمرے میں میری نماز کی جگہ بنا دو (پھر ان کے لئے نماز کی جگہ بنائی گئی) اور وہ وفات تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔

حدیث نمبر (۱۶):

عن ابی عمرو الشیبانی انه راى عبد الله يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول اخرجن الى بيوتكن خير لكن.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ مشہور، مجمع الزوائد ج 2 ص 35)

ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے اور کہتے ہیں اپنے گھروں کو چلی جاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

حدیث نمبر (۱۷):

ولعب عند احمد بن سالم قال كان عمر رجلا غيورا فکان اذا خرج الى الصلوة تبعته عاتكة بنت زيد فکان يكره خروجها ويكره منعها و كان يحدث ان رسول الله ﷺ قال اذا استاذنکم نساءکم الى الصلوة فلا تمنعوهن.

(مجمع الزوائد ج 2 ص 33)

سالم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک غیرت مند آدمی تھے اور وہ جب نماز کے لئے نکلتے تو (ان کی اہلیہ) عاتکہ بنت زید بھی ان کے پیچھے چلی آتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا نکلنا نا پسند تھا لیکن وہ انہیں روکنے کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے وہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں تم سے نماز کے لئے جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں مت روکو۔

حدیث نمبر (۱۸):

عن ابی عمرو الشیبانی قال رايت ابن مسعود يحصب النساء يخرجهن من المسجد يوم الجمعة. (مسند ابن ابی شیبہ ج 2 ص 384)

ابو عمر و الشیبانی کہتے ہیں میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کنگر مار مار کر جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے۔

حدیث نمبر (۱۹):

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت صلوۃ العشاء وامرت فتنیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار۔ (مشکوٰۃ مترجم ج ۱ ص ۲۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نقل کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر گھر میں عورتیں نہ ہوتیں اور اولاد (بچے) حکم کرتا میں عشاء کی نماز کو قائم کرنے کا اور حکم کرتا اپنے خادموں کو کہ جلاتے اس چیز کو جو گھروں میں آگ کے ساتھ۔

حدیث نمبر (۲۰):

عن ابی عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دو۔

اس حدیث میں رات کو اجازت دینے کا حکم دیا ہے اس سے علی الاطلاق عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔

حدیث نمبر (۲۱):

عن زید بن خالد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولیخرجن وھو تفلات۔ (کشف الاستار ج ۱ ص ۲۲۲)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندہ یوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے منع نہ کرو عورتوں کو چاہئے کہ وہ بغیر خوشبو لگائے جائیں۔

حدیث نمبر (۲۲):

عن ابی ہریرۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ و لكن یخرجن وھن تفلات۔ (نفل المعبر ج ۱ ص ۴۴۳)



ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندویں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکیں جب وہ گھروں سے نکلیں تو زیب و زینت کے بغیر آئیں۔  
اس حدیث میں اجازت کے باوجود ایک سخت قسم کی قید بھی حضور اکرم ﷺ نے لگا دی ہے جس پر آج کل عمل بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر عورتیں زیب و زینت کے ساتھ ہی مسجدوں میں آتی ہیں۔  
حدیث نمبر (۲۳):

عن عبد الله ابن عباس امن امرأة سألته عن الصلوة في المسجد يوم الجمعة فقال صلاتك في محضك افضل من صلاتك في بيتك و صلاتك في بيتك افضل من صلاتك في حجر تك و صلاتك في حجر تك افضل من صلاتك في مسجد قومك. (مسند ابن ابی شیبہ ج 2 ص 384)  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے مسجد میں جمعہ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا تمہارا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔  
ان احادیث کے علاوہ قرآن پاک کا حکم بھی موجود ہے۔

و قرن فی بیوتکن ولا تہرجن تہرج الجاہلیۃ الاولی. (اتزاب 33)  
اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پرانی جاہلیت کی بے پردگی کے ساتھ نہ رہو۔  
مندرجہ بالا احادیث کے پیش نظر فقہاء کا کہنا ہے کہ مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم تاکید تھا لیکن عورت کے لئے یہ حکم نہ استحباب کے لئے تھا نہ تاکید کے لئے۔ الغرض فقہاء نے فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکا ہے فتنے کا احساس جب خیر القرون میں ہی ہو گیا تھا تو اس دور میں فتنے کا انکار کون کر سکتا ہے اور کس آیت اور حدیث میں ہے کہ فتنہ کی حالت میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے کی تاکید ہے؟

## اعتراض نمبر (۲۵)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۲۵): بھول معاف ہے

## حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال ان الله تجاوز عن امتي الخطا والنسيان وما استكرهوا عليه

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا بھول اور وہ کام جو اس سے زبردستی کروایا گیا ہو معاف کر دیئے ہیں۔

(سنن ابی ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق المکرہ والناسی رقم الحدیث 2043/2045) (رواہ البیہقی فی کتاب الاقرار باب من نایجوز اقرارہ رقم الحدیث 1232/6 ص 84. بلفظ وضع عن متی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فی کتاب الایمان باب جامع الایمان. رقم الحدیث 19798. عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

## فقہ حنفی

ومن تكلم في صلاة عامدا او ساهيا بطلت صلاته

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ ص 134)

جس نے دوران نماز جان بوجھ کر یا بھول کر بات چیت کر لی، اس کی نماز باطل ہو گئی۔

(فتاویٰ مدنی ص 64)

## جہاں:

کئی روایات سے ثابت ہے کہ ابتدا میں نماز کے دوران میں گفتگو کر لینے کی اجازت تھی اور صحابہ کرام نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینے کے علاوہ آنے والے کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ کتنی رکعات ہو گئی ہیں۔ لیکن بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور نماز کی حالت میں ہر قسم کی گفتگو ممنوع قرار پائی۔

احناف کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے۔

1- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نماز کی حالت میں باتیں کیا کرتے تھے۔

آدمی نماز کی حالت میں اپنے ساتھ کھڑے آدمی سے بات چیت کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری و قوموا اللہ قانتین ۵ (اور اللہ کے حضور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ)

چنانچہ ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا اور کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص 204)

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نماز کے دوران میں یوں ہوا کہ ایک آدمی نے چھینک ماری تو میں نے اسے یہ حکم اللہ کہہ دیا۔ اس پر صحابہ کرام نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کیوں تم میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہو تو صحابہ کرام اپنے ہاتھ اپنی زبانوں پر مارنے لگے۔ نماز کے بعد حضور ﷺ نے مجھے سمجھایا اور کہا۔

بے شک نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی بات کرنا درست نہیں ہے۔ یہ تو صرف تسبیح تمبیر اور قرآن کی قرات کا نام ہے۔ (صحیح مسلم ج 1 ص 203)

اس حدیث میں جان بوجھ کر کلام کرنے یا بھول چوک سے کلام کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ حکم دونوں صورتوں کو عام ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے ہم حضور ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کرتے تو آپ اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ جب ہم ہجرت حبشہ سے واپس آئے تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کیا، لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ اس پر مجھے بہت تشویش لاحق ہوئی میں وہیں بیٹھ گیا، جب حضور نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات میں سے جو چاہتا ہے بھیجتا رہتا ہے۔

اب اس نے یہ حکم اتارا ہے کہ نماز کے دوران میں کلام نہ کیا جائے۔ (سنن نمائی ج 1 ص 181) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ ہجرت حبشہ کی تھی۔ پہلی دفعہ ہجرت کرنے کے بعد پھر مکہ غزوہ واپس چلے گئے تھے جب کہ دوسری ہجرت کرنے کے بعد وہاں سے 2 ہجری میں غزوہ بدر سے پہلے مدینہ منورہ چلے آئے۔ (فتح الباری ج 2 ص 60، البدایہ والنہایہ ج 3 ص 69)

اس روایت سے دوسری واپسی کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران میں گفتگو کی اجازت 2 ہجری میں غزوہ بدر سے پہلے منسوخ ہو چکی تھی۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ امت کو بھول چوک یا غلطی سے کئے گئے کاموں کا گناہ نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی عمل بھول کر یا غلطی سے کام شرعیہ کے خلاف کر لیا جائے تو وہ ادا نہ ہو۔ چنانچہ اس روایت کے صحیح مفہوم کی رو سے یہ بات تو درست ہے کہ بھول کہ نماز میں کلام کر لینے سے گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے کہ اس صورت میں نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

## اعتراض نمبر ۲۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۰: غلام کا قصاص بھی ہے اور دیت بھی

### حدیث نبوی ﷺ

عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل عبداً  
قتلناه ومن جدع عبداً جدعناه

ترجمہ: سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول  
اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو قتل کیا، ہم اس کو قتل کریں گے اور جس  
نے اپنے غلام کا کوئی عضو کاٹا، ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔

(ترمذی ج ۱ ابواب الدیات باب ما جاء فی الرجل یقتل عبداً صفحہ ۱۶۹، رقم الحدیث ۱۴۱۴) (ابوداؤد  
ج ۲ کتاب الدیات باب من قتل عبداً او مثلہ باقداً منہ ص ۲۷۲، رقم الحدیث ۴۵۱۵) (ابن ماجہ ابواب الدیات  
باب هل یقتل الحر بالعبد ص ۱۹۱، رقم الحدیث ۲۶۶۳) (سنن النسائی کتاب القسامۃ والقعود والدیات باب  
القود من السید للمولیٰ رقم الحدیث ۴۷۵۷۴۷۴ ص ۲۴۰)

### فقہ حنفی

ولا یقتل الرجل بعبداً

(ہدایۃ آخرین ج ۴ کتاب الجنایات باب ما یوجب القصاص ص ۵۶۳)

کسی آدمی کو اس کے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(فقہ وحدیث ص ۶۵)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک خود آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے عین

مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

عن ابن عباس قال جاءت جاریۃ الی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فقالت

ان سیدی اتھنی فاقعدنی علی النار حتی احترق فرجی فقال لها عمر رضی اللہ عنہ هل رای ذلك عليك قالت لا قال فهل اعترفت له بشی قالت لا فقال عمر رضی اللہ عنہ علی به فلما رای عمر الرجل قال اتعذب بعذاب الله قال یا امیر المومنین اتهمتها فی نفسها قال رایت ذلك علیها قال الرجل لا قال فاعترفت لك به فقال لا قال والذي نفسی بیده لو لم اسمع رسول ﷺ یقول لا یقاد مملوک من مالکة من مالکة ولا ولد من والده لا قدمها منك فبرده و ضربہ مائة سوط و قال للجاریة اذهبی فانث حررة لوجه الله و انت مولاة الله و رسوله قال ابو صالح و قال اللیث و هذا القول معمول به۔

(سنن الکبری ج 8 ص 36)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک لونڈی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے مالک نے مجھ پر (بدکاری کا) الزام لگایا۔ اور مجھے آگ کے اوپر بیٹھا دیا جس سے میری شرمگاہ جل گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، کیا اس نے تمہیں (بدکاری کرتے ہوئے) دیکھا۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا، کیا تو نے اس کے سامنے کسی بات کا اقرار کیا؟ اس نے کہا نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اسے میری پاس لاؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو دیکھا تو کہا کیا تم (اپنی لونڈی کو) اللہ تعالیٰ کے عذاب میں عذاب دیتے ہو؟ اس نے کہا، اے امیر المومنین مجھے اس کے متعلق بدکاری کرنے کا گمان ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا؟ اس نے کہا نہیں آپ نے کہا، کیا اس نے تمہارے سامنے اعتراف کیا؟ اس نے کہا نہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، خدا کی قسم اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہوتا کہ غلام کے بدلے میں آقا سے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ تو میں اس کو تجھ سے بدلہ دلواتا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے کپڑے اترا کر اسے سو کوڑے لگوائے اور لونڈی سے کہا جاؤ، تم اللہ کے لئے آزاد ہو اور تم اللہ اور اس کے رسول کی لونڈی ہو۔ ابو صالح نے کہا کہ لیث کہتے ہیں کہ اسی بات پر عمل چلا آ رہا ہے۔



## حدیث نمبر (۲):

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان رجلا قتل عبدا متعبدا  
فلجده النبي ﷺ مائة جلدة و نفاذ سنة و محاسبه من المسلمين و  
لم يقده به و امره ان يعتق رقبة.

(سنن الکبریٰ ج 8 ص 36، سنن دارقطنی ج 3 ص 143، مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 304)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عدا قتل  
کر دیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگانے اس کو ایک سال کے لئے جلا  
وطن کر دیا اور غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیا۔ آپ نے اسے قصاص میں  
قتل نہیں کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ ایک غلام کو آزاد کرے۔

## حدیث نمبر (۳):

عن علي ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال اتی رسول اللہ ﷺ برجل قتل عبدا  
متعبدا فلجده رسول اللہ ﷺ مائة جلدة و نفاذ سنة و محاسبه  
من المسلمين و لم يقده به۔

(سنن الکبریٰ ج 8 ص 36، سنن دارقطنی ج 3 ص 144، مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 304)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا جس  
نے اپنے غلام کو عدا قتل کر دیا تھا۔ آپ نے اس کو سو کوڑے لگوائے۔ ایک سال  
کے لئے اسے جلا وطن کر دیا اور مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیا (لیکن)  
اسے بدلے میں قتل نہیں کیا۔

## حدیث نمبر (۴):

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان رجلا قتل عبدا متعبدا  
فلجده رسول اللہ ﷺ مائة جلدة و نفاذ سنة و محاسبه من المسلمين و  
لم يقده به و امره ان يعتق رقبة.

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان رجلا قتل عبدا متعبدا  
فلجده رسول اللہ ﷺ مائة جلدة و نفاذ سنة و محاسبه من المسلمين و  
لم يقده به و امره ان يعتق رقبة.

(مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 491)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی آدمی کو اپنے غلام کو قتل کرنے کے جرم میں قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اسے سو کوڑے لگاتے۔ اسے ایک سال کے لئے قید کر دیتے اور ایک سال کے لئے مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیتے تھے۔ جب کہ اس نے عدا قتل کا ارتکاب کیا ہوتا۔ اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیتے۔

اسی مفہوم کی روایت (سنن بیہقی ج 8 ص 37) اور (مسند ابن ابی شیبہ ج 9 ص 305) میں مذکور ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن قتادة عن الحسن قال لا يقاد المحر بالعبد.

قتادہ حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ آزاد قتل نہ کیا جائے غلام کے بدلے میں۔

(ابوداؤد و مترجم علامہ وحید الزماں ج 3 ص 417)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز عمل کی روشنی میں راشدی صاحب کی نقل کردہ روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات محض آقاؤں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے فرمائی تھی، تاکہ وہ اپنے غلاموں کو قتل کرنے کے معاملے میں بے لگام نہ ہو جائیں۔ اس کا مقصد اس جرم کی سزا بیان کرنا نہیں تھا۔ جیسا کہ چوتھی بار شراب پینے والے کے لئے حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں آتا ہے فاقولہ اس کو قتل کر دو۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی پکڑ کر لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی آپ نے اس کا دماء اور قتل نہیں کیا۔ مشکوٰۃ ص 315 آپ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لئے یہ بات فرمائی تھی۔ ورنہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین یہ سزا دینے سے گریز نہ کرتے۔

علاوہ ازیں اس روایت کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ یہ روایت حسن بصری نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایات کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال قتادة ثم ان الحسن نسي هذا الحديث قال لا يقتل حر بعبد ( قال الشيخ ) يشبه ان يكون الحسن لم ينس الحديث لكن رغب عنه لضعفه واكثر اهل العلم بالحديث رغبوا عن رواية الحسن عن سمرة وذهب بعضهم الى انه لم يسمع منه غير حديث الحقيقة.

قتادہ کہتے ہیں کہ حسن بصری یہ روایت بیان کرنے کے بعد بھول گئے اور کہنے لگے کہ آزاد آدمی کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ شیخ کہتے ہیں کہ غالباً حسن بصری روایت کو بھولے نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا۔ اور اکثر ائمہ حدیث نے ان حضرت سمرة رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایتوں سے اعراض کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے سمرة رضی اللہ عنہ سے سوائے ایک حدیث عقیدہ کے اور کوئی روایت نہیں سنی۔

امام بیہقی آگے تحریر فرماتے ہیں۔

عن شعبة قال لم يسمع الحسن من سمرة قال و سمعت يحيى بن معين يقول لم يسمع الحسن من سمرة شيئا هو كتاب قال يحيى في حديث الحسن سمرة من قتل عبدا.

شعبہ کہتے ہیں کہ حسن نے سمرة رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔ اور میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا کہ حسن نے سمرة رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا، بلکہ وہ ایک کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس حدیث (یعنی مالک کو غلام کے بدلے میں قتل کرنے کی حدیث) کے بارے میں یحییٰ نے فرمایا کہ حسن نے سمرة رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں سنی۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج 8 ص 35)

عن قتادة الا ان اكثر الفاظ لا يثبتون سماع الحسن البصري من سمرة في غير حديث العقبة.

قتادہ کہتے ہیں کہ اکثر الفاظ حدیث عقیدہ کی حدیث کے علاوہ سمرة رضی اللہ عنہ سے حسن بصری کے سماع کو ثابت نہیں مانتے۔ (سنن الکبریٰ ج 5 ص 288)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے وہ عقیدہ کے علاوہ ہے۔

## اعتراض نمبر ۲۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۷: کتے کی خرید و فروخت کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن مسعود الانصاری ان رسول الله ﷺ نهى عن ثمن الكلب و  
مهر البغي و حلوان الكاهن

ترجمہ: سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت  
اور زنا کی اجرت اور نجومی کا منہ میٹھا کرانے سے منع فرمایا۔

بخاری ج ۱ کتاب البیوع باب ثمن الكلب ص 298. رقم الحديث 2237 (مسلحہ 2 کتاب الما قاة  
والمزارعة باب تحريم ثمن الكلب و حلوان الكاهن و مهر البغي و النهي عن بيع السور رقم  
الحديث 4009 ص 19)

### فقہ حنفی

يجوز بيع الكلب والفهد والسباع

(ہدایہ آخرین ج 3 کتاب البیوع مسائل منشورہ ص 101)

یعنی کتے، چیتے اور دوسرے دزدنوں کی تجارت جائز ہے۔

(فقہ دہ بدیث ص 66)

### جواب:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ احادیث میں مذکور نہیں اس زمانے سے متعلق ہے جب  
کتوں کے بارے میں شریعت کے احکام بہت سخت تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب میں کتوں کے  
ساتھ غیر معمولی انس اور محبت پائی جاتی تھی اور ان کے گھروں میں کتوں کو شوقیہ پالنے کا بکثرت رواج  
تھا۔ یہ انس و محبت اور تعلق ان کے دل سے نکالنے کے لئے ابتداء میں بہت سخت احکام دیئے گئے جو کہ  
بعد میں بتدریج نرم ہوتے گئے اور آخر میں یہ حکم ختم ہو گیا کہ کسی ضرورت کی غرض سے تو کتے کو پال لینے کی

اجازت ہے لیکن شوقیہ طور پر کتار کھنے کی اجازت نہیں ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

1- عبد اللہ بن ابن المغفل قال امر رسول اللہ ﷺ بقتل  
الکلب ثم قال ما بالهم وبال الكلاب ثم رخص في كلب الصيد و  
كلب الغنم۔ (مسلم شریف ج 2 ص 25)

حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ابتداء میں)  
کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کتے لوگوں کو کیا تکلیف دیتے ہیں پھر آپ  
نے شکاری کتے اور بکریوں (کی حفاظت) کے (لئے) کتوں کو پالنے کی  
اجازت دے دی۔ (کتوں کو قتل کرنے کی روایات بہت زیادہ ہیں دیکھئے مسلم  
کتاب المساقات والمزاعم)

اس حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے۔

1- پہلے کتے کو (دیکھتے ہی) قتل کرنے کا حکم تھا۔

2- پھر قتل کرنے کا حکم تو منسوخ ہو گیا مگر کتوں کو پالنا پھر بھی ممنوع ہی رہا۔

3- پھر شکاری کتے اور بکریوں کی حفاظت کے لئے پالنے کی اجازت بھی دے دی گئی چنانچہ

شکار اور کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے لئے کتے کو پالنے کی اجازت کی صریح روایات حضرت

عبد اللہ بن جابر بن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سفیان بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

(دیکھئے صحیح مسلم کتاب المساقات والمزاعم۔ باب الامر بقتل الکلب و بیان نحرہ بیان تحریرہ اقتنا محالا السید اوزاع او ماشیہ نحو ذلک)

2- عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال من اقتنی کلبا

لیس بکلب صید ولا ماشیۃ ولا ارض فانه ینقص من اجرہ قیر

اطان کل یوم۔ (مسلم شریف مترجم ج 4 ص 306 حدیث نمبر 8193)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص

نے شکار مویشی اور زمین کے علاوہ کتا پالا۔ (یا رکھا) اس کے اجر میں سے ہر روز

دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ان تین وجہوں سے کتا پالنے کی اجازت ہے۔ یہ اجازت

بعد کے زمانے ہی کی ہے۔ جس وقت کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔



3- قرآن پاک میں بھی کتے کے شکار کا ذکر ملتا ہے۔

آیت:

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُوا لَكُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ

تو کھاؤ اس شکار میں سے جو وہ (شکاری کتے وغیرہ) مار کر تمہارے لئے رہنے دیں اور اس

(پارہ نمبر 6 سورۃ المائدہ آیت نمبر 4)

پر اللہ کا نام لو۔

4- آنحضرت ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اذا ارسلت الكلب المعلم و

ذکرت اسلم اللہ علیہ فاخذ فکل جب تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سیدھایا ہوا کتا شکار

پر چھوڑ دے اور کتا اسے پکڑ لے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لئے جائز ہے۔

(نسائی ج 2 ص 192)

ان روایات کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی جائز ضروریات کے لئے

کتے کو پالنا اور اس سے فائدہ اٹھانا درست ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کی خرید و فروخت کرنا بھی درست

ہے۔ اسی وجہ سے جن بعض روایات میں کتوں کی خرید و فروخت سے ممانعت آئی ہے۔ خود انہی

روایات میں یہ استثناء بھی ثابت ہے چنانچہ دیکھئے مندرجہ ذیل روایات۔

1- عن جابر ان النبی ﷺ نہی عن ثمن السنور والکلب الا

کلب صید۔

(نسائی کتاب الصيد ج 2 ص 195، سنن دارقطنی ج 3 ص 73، سنن الکبریٰ تہقیق ج 6 ص 6، مسند احمد ج 3 ص 317)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بلی اور کتے کی بیع

سے منع فرمایا۔ مگر شکاری کتے کی بیع ہے۔

2- عن ابی ہریرۃ قال نہی عن ثمن الکلب الا کلب الصيد۔

(ترمذی ج 1 ص 154، سنن دارقطنی ج 3 ص 73، سنن الکبریٰ تہقیق ج 2 ص 6)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے منع کیا (حضور اکرم ﷺ

نے) کتے کی قیمت سے۔ مگر شکاری کتے کی قیمت کو یعنی اس کو منع نہیں کیا۔

3- ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فی ثمن کلب الصيد حضور ﷺ نے

شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت دی۔ (مسند امام اعظم ص 169، نسب الرايع ج 4 ص 54)

اس کے علاوہ طحاوی اور سنن الکبریٰ بیہقی میں عبداللہ بن عمرو اور سنن بیہقی میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے (قضى فی کلب صید قتله رجل باریعین درهما) فیصلہ فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم اور بیس اونٹوں کا تاوان ادا کرے۔

(بیہقی ص 8 ج 6، طحاوی ج 2 ص 228)

اگر شکاری کتے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ بالا فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔ ان روایات میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت مذکور ہے جب کہ کھیتی اور ریوڑ کے محافظ کتے کی خرید و فروخت کی اجازت اس پر قیاس کرنے سے ثابت ہوگی۔ اور جو روایت راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ وہ پہلے زمانہ کی ہے۔ جب کتوں کو قتل کرنے کا حکم تھا جب شکار اور کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے لئے کتار کھنے کی اجازت ہوگئی تو شکاری کتے کی بیع کی اجازت بھی بعد میں ہوگئی تھی۔

## اعتراض نمبر ۲۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۸: مسجد میں نماز جنازہ کا حکم

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان عائشة لما توفي سعد بن ابی الوقاص قالت ادخلوا به المسجد حتی اصلى عليه فانكر ذلك عليها فقالت والله لقد صلى رسول الله ﷺ على ابني بيضاء في المسجد سهواً خيه

(مسلم ج ۱ کتاب الجنائز فضل فی جواز الصلاة علی المیت فی المسجد ص ۳۱۳، رقم الحديث 2254)

ترجمہ: سیدنا ابوسلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ جب سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کا انتقال ہو گیا تو عائشہؓ نے کہا اس (کی میت) کو مسجد میں لے آؤ، تاکہ میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھ سکوں۔ تو ان کی اس بات کو عجیب جانا گیا

تب انہوں نے کہا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں پہل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی تھی۔

### فقہ حنفی

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب الجنائز فصل فی الصلاۃ علی المیت ص ۱۸۰)

یعنی میت پر مسجد میں یعنی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(فقہ و حدیث ص ۶۷)

جواب:

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں شروع دور میں یہ دستور تھا کہ جب کسی صحابی کی وفات ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ اس کے گھر تشریف لے جا کر بموقع دفن نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ لیکن جب صحابہ کرام نے اس میں آپ کی مشقت اور تکلیف کا احساس کیا تو انہوں نے میت آپ کے در دولت پر لانی شروع کر دی۔ اور آپ کے گھر کے قریب ایک جگہ تجویز کر لی جہاں میت کو رکھ کر آپ کو اطلاع کی جاتی۔ آپ تشریف لا کر اس متعین جگہ پر نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ یہ متعین جگہ (جنازہ گاہ) مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی مشرقی دیوار کی طرف مسجد نبوی سے باہر تھی اسی جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مستقل نماز جائز پڑھائے تھے اس جگہ کا نام موضع جنازہ اور مصلی جنازہ تھا۔ اسی جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اور اسی جگہ کے قریب دوزنا کا یہودی مرد و عورت کو سنگسار کیا گیا تھا۔

اسی موضوع جنازہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام بھی اسی جگہ جنازے پڑھاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی موجود ہے۔ کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھتا ہے اسے کوئی اجر نہیں ملتا۔ حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

۱- عن ابن شہاب قال کان رسول اللہ ﷺ اذا هلك الهالك  
شہداء یصلی علیہ حیث یدفن فلما ثقل رسول اللہ ﷺ و بدن  
نقل الیہ المومنون موتاهم فصلی علیہم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم علی الجنائز عند بیته فی موضع الجنائز الیوم ولم یزل ذالک جاریاً۔ (وفاء الوفاء باخبار دارالمسینح ج 2 ص 532)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بموقع دفن نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بھاری ہو گیا (اور آپ کے لئے جانا دشوار ہو گیا) تو صحابہ کام نے میت کو آپ کے مکان کے قریب ہی لے جانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان کے قریب موضع جناز میں نماز جنازہ پڑھاتے۔ یہی دستور آج تک چلا آ رہا ہے۔

2- عن ابن شہاب قال حدثنی سعید ابن المسیب ان اباً هريرة قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صف بهم بالمصلی فکبر علیہ اربعاً۔ (بخاری ج 1 ص 177)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سعید ابن المسیب نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلی جناز میں لوگوں کی صف بندی کی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

3- عن عبد اللہ بن عمر ان اليهود جاوا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل منهم و امرأة زنیاً فامر بهما فرجما قریباً من موضع الجنائز عند المسجد۔ (بخاری ج 1 ص 177)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ایک ایسے مرد و عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ نے ان کے بارے میں سگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں موضع جناز کے قریب مسجد نبوی سے متصل سگسار کیا گیا۔

4- قال محمد لا یصلی علی جنازة فی المسجد و کذا لک بلغتا عن ابی هريرة و موضع الجنائز بالمدينة خارج من المسجد و هو الموضع الذی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنائز فیه۔

(مولانا محمد ص 165)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ایسے ہی پہنچا ہے ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ مدینہ طیبہ میں موضع جنازہ مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔

5- عن وائل بن داود قال سمعت قال لہامات ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المقاعد۔ (ابوداؤد ج 2 ص 98)

حضرت وائل بن داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی نماز جنازہ مقاعد (مصلی جنازہ) میں پڑھی۔

6- انبأ ابن جریج قال قلت لناع اکان ابن عمر یکرہ ان یصلی وسط القبور قال لقد صلینا علی عائشۃ وام سلمۃ رضی اللہ عنہما وسط ابقیع والامام یوم صلینا علی عائشۃ رضی اللہ عنہا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ وحضر ذالک عبداللہ بن عمر۔

(سنن بکری بیہقی ج 2 ص 435، مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 525)

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا ہم نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ بقیع کے درمیان میں پڑھی تھی۔ جب ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نماز پڑھی تو امام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

ان چھ روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جنازہ کے لئے ایک جگہ مقرر تھی۔ (یعنی جنازہ گاہ) اس میں جنازہ پڑھا جاتا تھا۔

7- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ۔

(ابوداؤد ج 2 ص 98، ابن ماجہ ص 110، مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 527)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے



مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

8- عن صالح مولى التوامة عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له قال صالح وادركت رجالا ممن ادركو النبي ﷺ و ابابكر اذا جاوا فلم يجدوا الا ان يصلوا في المسجد رجعا فلم يصلوا۔

(مختل المعبود فی ترتیب مند الطیالیسی ابی داؤد ج 1 ص 165)

حضرت صالح مولى التوامة رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔ حضرت صالح فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔ دیکھا کہ وہ جب نماز جنازہ کے لئے آتے اور انہیں نماز جنازہ کے لئے مسجد کے سوا کوئی جگہ نہ ملتی تو وہ واپس ہو جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے۔

9- عن صالح مولى التوامة عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له قال وكان اصحاب رسول الله ﷺ اذا تضايق بهم المكان رجعوا ولم يصلوا۔ (معن ابن شبيب ج 3 ص 364)

حضرت صالح مولى التوامة رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد میں نماز پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔ حضرت صالح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام جب نماز جنازہ کے لئے جگہ تنگ ہو جاتی تو واپس چلے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

10- عن صالح مولى التوامة عن ادرک ابابكر و عمر انهم كانوا اذا تضايق بهم المصلى انصرفوا ولم يصلوا على الجنازة في المسجد۔ (معن ابن ابی شبيب ج 3 ص 365)

حضرت صالح مولى التوامة ان صحابہ و تابعین سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو پایا ہے کہ جب نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ تنگ ہو جاتی تو وہ واپس چلے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

11- عن کثیر بن عباس قال لا عرفن ما صلیت ما جنازة فی المسجد۔

(معنی ابن ابی شیبہ ج 3 ص 365: معنی عبد الرزاق ج 3 ص 527)

حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ (عہد نبوی میں) کسی بھی جنازہ کی نماز مسجد نبوی میں نہیں پڑھی گئی۔

12- عن ابن ابی ذئب عن المقبری انه رای حرس مروان بن الحکم یخرجون الناس من المسجد یمنعونهم ان یصلوا فیہ علی الجنائز۔

(وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ ج 2 ص 531)

حضرت ابن ابی ذئب سعید بن ابی سعید مقبری (متوفی 125) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مروان بن حکم کے سپاہیوں کو لوگوں کو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکتے اور نکالتے ہوئے دیکھا ہے۔

13- عن کثیر بن زید قال نظرت الی حرس عمر بن عبد العزیز یطردون الناس من المسجد ان یصلی علی الجنائز فیہ۔

(وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ ج 2 ص 531)

حضرت کثیر بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں کو نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے سے روکتے ہوئے دیکھا ہے۔

14- قال وقال مالک وا کره ان توضع الجنائز فی المسجد فان وضعت قرب المسجد للصلوة علیہا فلا یصلی ان یصلی من فی المسجد علیہا بصلوة الامام الذی یصلی علیہا اذا ضاق خارج المسجد بأهلہ۔

(المعنی ابن ابی شیبہ ج 1 ص 177)

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میں جنازہ کے مسجد میں رکھے جانے کو مکروہ

سمجھتا ہوں ہاں اگر نماز جنازہ کے لئے مسجد کے قریب جنازہ رکھا جائے تو پھر اس شخص کے لئے نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو مسجد میں ہو اور جنازہ پڑھانے والے امام کی اتباع سے جنازہ پڑھے یہ بھی اس وقت ہے جب کہ مسجد کے باہر کی جگہ جنازہ پڑھنے والوں کی وجہ سے ٹگ ہو جائے۔

## 5- علامہ ابن قیم کی تحقیق:

حافظ ابن قیم مسجد میں نماز جنازہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و الصواب ما ذکرناہ اولاً و ان سنة و ہدیہ الصلوۃ علی الجنازۃ

خارج المسجد الا لعذر و لا الامرین جائز والا فضل الصلوۃ

علیہا خارج المسجد۔ (زاد المعاد فی حدیث خیر العباد ج 1 ص 140)

درست بات وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے۔ اور نبی ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہی پڑھنا ہے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آجائے اور دونوں امر جائز ہیں لیکن افضل یہی ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھی جائے۔

مذکورہ دلائل سے حنفی مسلک اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ مولانا راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے غلط ہے۔ رہی وہ روایت جو انہوں نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے۔

کہ ابن بیضاء کی نماز جنازہ تو معمول کے مطابق موضع جنازہ میں ہی خارج المسجد ہی ہوئی تھی البتہ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں آگئے تھے۔ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی شاید یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صحابی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی تصدیق منقول نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشتباہ ہوا ہے ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک واقعہ جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آیا ہو وہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو بھی یاد نہ رہے سارے کے سارے ہی بھول جائیں۔ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو یاد رہے۔ دوسرے حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ”مجھے خوب معلوم ہے کہ دور رسالت میں مسجد نبوی میں کسی کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی“ وہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشتباہ ہی ہوا ہے۔

حدیث اور اہل حدیث، تفصیل کے لئے دیکھئے نماز جنازہ خارج از مسجد عہد رسالت میں۔

### اعتراض نمبر ۲۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۹: کافر کا قصاص مسلمان سے نہیں لیا جائے گا

### حدیث نبوی ﷺ

عن علی عن النبی ﷺ قال الا لا یقتل مسلم بکافر

ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کافر کے عوض

مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

بیرواؤد ج 2 کتاب الدیات باب ایقاد المسلم من الکافر ص 275. رقم الحدیث 4530 (نثانی ج 2 کتاب  
شامة والقود والدیات سقوط القود من المسلم للکافر ص 241. رقم الحدیث 4739) (واللفظ لابی داؤد)

### فقہ حنفی

والمسلم بالذمی..... الخ

(ہدایہ آخرین 4 کتاب الدیات ص 562)

مسلمان اور ذمی کافر کی دیت برابر ہے۔ (فقہ وحدیث ص 68)

جہاں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان حربی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور  
ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے  
گا۔ اس سے مراد حربی کافر ہے نہ ذمی۔ امام اعظم کے اس نظریہ کی تائید اسی حدیث میں موجود ہے۔  
راشدی صاحب نے مکمل حدیث نقل نہیں کی۔ اس حدیث میں بکافر کے بعد ولاؤ عہد فی  
عہدہ کے الفاظ بھی تھے۔ راشدی صاحب نے نقل نہیں کئے۔ کیونکہ ان الفاظ سے امام اعظم کے نظریہ  
کی کھلی تائید ہوتی ہے۔ اب روایت کا صحیح مفہوم اس طرح بنتا ہے۔

اور خبردار کافر (حربی) کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے۔

اس روایت میں ذمی کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے کہ اگر کسی ذمی نے کسی حربی کافر کو مار دیا تو اسے بھی مسلمان کی طرح بدلے میں نہیں مارا جائے گا۔ اس سے امام اعظم کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ ذمی کیونکہ ذمی کا حکم مسلمان کی طرح آپ نے فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے علاوہ اور روایات میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں مثلاً۔

1- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ

نہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

(سنن الکبریٰ ج 8 ص 39)

2- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ۔ (سنن الکبریٰ ج 8 ص 30)

نہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

3- حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ والمسلمون

(سنن الکبریٰ ج 8 ص 30)

نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

4- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ

(سنن الکبریٰ ج 8 ص 30)

نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

(ابن ماجہ مترجم ج 2 ص 136)

ان چار روایات سے بھی امام اعظم کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ حدیث میں کافر سے مراد حربی کافر ہے اگر اس حدیث میں کافر حربی مراد لیا جائے تو امام صاحب کا مذہب حدیث کے مطابق خود



کی ثابت ہو جاتا ہے۔ راشدی صاحب نے ہدایہ سے جو عبارت تعارض میں نقل کی ہے اس میں ذمی کا ذکر ہے۔ خاص ذمی کا فر کے بدلے قتل کیا جائے ذکر بھی حدیث میں موجود ہے۔ مثلاً

الف۔ عن ابن البیلمانی عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قتل مسلماً بمعاهد وقال انا اکره من وفي بذمتہ۔

(سنن البیہقی ج 8 ص 30)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذمی کے بدلے میں قتل کیا اور کہا جو شخص اپنا ذمہ پورا کرے میں اس کا (بدلہ لینے کا) زیادہ حق دار ہوں۔

عن محمد بن المنکدر عن عبدالرحمن بن البیلمانی ان رجلاً من المسلمین قتل رجلاً من اهل الكتاب فرفع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ ﷺ انا احق من وفي بذمتہ ثم امر به فقتل۔

(سنن البیہقی ج 8 ص 30)

مسلمانوں کے ایک ذمی نے اہل کتاب کے ایک آدمی کو قتل کیا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا جو آدمی اپنا ذمہ پورا کرے میں اس کا (بدلہ لینے کا) زیادہ حق رکھتا ہوں پھر آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔

راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے سو فیصد غلط ہے۔

### اعتراض نمبر ۳۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۰: عورتوں کا عید گاہ جانا

حدیث نبوی ﷺ

عن ام عطیة قالت امرنا ان نخرج الحيض يوم العیدین والذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم ويعتزل الحيض عن مصلاتهم۔ (الحديث)

ترجمہ: سیدنا ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں کو بھی نماز عید پڑھنے کے لئے عید گاہ کی طرف جانے کا حکم دیا جب کہ حائضہ عورتوں کے لئے یہ حکم تھا کہ عید گاہ سے دور رہ کر مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک رہیں۔

(البخاری ج ۱ فی کتاب الصلوٰۃ باب وجوب الصلوٰۃ فی الشیاب رقم الحدیث 351 ص 51) (المسافر فی کتاب صدۃ العیدین باب ذکر اباحتہ خروج النساء فی العیدین رقم الحدیث 2054 ج ۱ ص 91-290)

## فقہ حنفی

### ویکرہ لهن حضور الجماعات

(ہدایۃ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب الامامۃ 2 ص 126)

یعنی عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جانا مکروہ ہے۔

(فقہ و حدیث ص 69)

### جہاں:

راشدی صاحب نے یہ مسئلہ اپنی کتاب فقہ و حدیث کے صفحہ نمبر 63 مسئلہ نمبر 24 کے تحت بیان کیا تھا یہاں پر پھر عورتوں کے عید گاہ جانے کے حوالہ سے لکھ دیا ہے۔ ہم نے مسئلہ نمبر 24 کے جواب میں تفصیل سے لکھ دیا تھا تفصیل تو وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر طور پر یہاں پر بھی لکھ دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ کون کون سی عورت کس کس نماز میں کن کن شرائط کے ساتھ مسجد میں جاسکتی ہے اور عورت کا یہ جانا بھی صرف جواز کے لئے ہے۔ بہتر اس کے لئے اپنے گھر میں ہی نماز پڑھنا ہے۔ راشد صاحب نے یہ تفصیل ہدایہ سے نقل نہیں کی مطلقاً سب عورتوں کے لئے مکروہ لکھ دیا اور اس کو فقہ حنفی کا مسئلہ کہہ دیا۔ ہم پہلے ہدایہ سے مکمل مسئلہ نقل کرتے ہیں۔

### ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا۔ یعنی جوان عورتوں کو کیونکہ ان کے حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کہ بوڑھی عورتیں فجر و مغرب اور عشاء میں نکلیں یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نقل سکتی ہیں کیونکہ ان میں کم رغبتی کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے اس لئے مکروہ نہ ہوگا جیسے عید میں ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے اس لئے فتنہ واقع ہوگا صرف اتنی بات ہے کہ فاسق لوگ

ظہر و عصر و جمعہ کے اوقات میں منتشر رہتے ہیں۔ رہا فجر عشاء کا وقت سو اس میں وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور جنگل وسیع ہوتا ہے تو اس میں بوڑھی عورتوں کو مردوں سے علیحدہ ہونا ممکن ہے اس لئے ان کا عید میں جانا مکروہ نہیں۔

(نایہ العیاء ترجمہ ج 3 ص 305-304)

ناظرین ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ انصاف سے بتائیں کہ راشدی صاحب نے جو بات فقہ حنفی کے حوالہ سے نقل کی ہے کیا وہ درست ہے۔ ہدایہ میں تو خاص عید گاہ جانے کے متعلق لکھا ہے کہ بوڑھی عورتوں کی عید گاہ میں جانا مکروہ نہیں۔

امام محمد فرماتے ہیں میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

میں نے کہا یہ بتلائیے کیا عورتوں پر عید کی نماز کے لئے جانا واجب ہے؟  
امام اعظم نے فرمایا پہلے انہیں اس کی اجازت تھی لیکن اب میں اس کو نا پسند کرتا ہوں۔ میں نے کہا آیا آپ ان کا جماعت فرائض اور جمعہ کے لئے جانا بھی مکروہ قرار دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا کیا ان کے لئے کچھ اجازت ہے آپ نے فرمایا میں بوڑھی عورتوں کو عشاء، فجر اور عیدین میں جانے کی اجازت دیتا ہوں ان کے علاوہ اور کسی نماز کے لئے اجازت نہیں دیتا۔  
(المبسوط ج 1 ص 382)

المبسوط کے اس حوالہ سے بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بوڑھی عورت کو عید گاہ جانے کی اجازت ہے۔ راشدی صاحب نے فقہ حنفی کی بات درست نقل نہیں کی۔

یہاں تک تو بات ہدایہ کی عبارت نقل کرنے کی تھی اب ہم یہ بتانا چاہیں گے کہ فقہ حنفی اور امام ابوحنیفہ جو ان عورتوں کو تمام فرض نمازوں میں اور جمعہ و عیدین میں اور نماز جنازہ وغیرہ میں جانے سے کیوں منع کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دلائل مختلف ہیں امام ابوحنیفہ نے جن دلائل کی بنا پر یہ نظریہ قائم کیا اب ہم وہ دلائل نقل کرتے ہیں۔

**حنفی کے دلائل:**

فقہائے احناف یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔

بعض احادیث میں عورتوں کو مسجد جانے کی مطلقاً اجازت اور روکنے کی ممانعت آئی ہے۔

2- بعض احادیث میں مشروط اجازت آئی ہے۔

3- بعض احادیث میں عورتوں کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

4- بعض احادیث میں مسجد جانے کی ممانعت آئی ہے۔

ان مختلف احادیث کے پیش نظر امام صاحب نے ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور صحابہ کرام کے ارشادات اور عمل سے ان احادیث کو ترجیحی دی ہے جن میں عورتوں کو منع کیا گیا ہے یا گھر میں نماز پڑھنے کو بہتر فرمایا گیا ہے۔ اور بوڑھی عورتوں کو اجازت بھی دے دی ہے۔

## منع کی احادیث

حدیث نمبر ①:

ابو عمر و شیبانی نے دیکھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عورتوں کو جمعہ کے دن مسجد سے نکال رہے ہیں اور فرما رہے ہیں تم عورتیں اپنے گھروں کی طرف جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر بحوالہ الترغیب والترہیب ج 1 ص 228)

حدیث نمبر ②:

ابو عمر و شیبانی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالنے کے لئے کنکریاں مار رہے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 277)

حدیث نمبر ③:

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے یوں نذرمانی کہ اگر اس کا خاندان جیل سے رہا نہ کر دیا گیا تو وہ بصرہ کی ہر اس مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہے دو رکعت نماز پڑھے گی۔

بصری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وہ اپنے محلہ کی مسجد میں دو رکعتیں ادا کر کے اپنی نذر پوری کرے وہ بصرہ کی ہر مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی (شرعاً) طاقت نہیں رکھتی نیز فرمایا اگر اس (ماننے والی) عورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پالیتے تو وہ اس کا سر کوٹتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 277)

حدیث نمبر ④:

محدث اعمش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی تین بیویاں تھیں وہ ان کی جمعہ اور جماعت میں شریک ہونے کے لئے نہیں چھوڑے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 277)

## حدیث نمبر ⑤:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں عورتوں نے جو زیب و زینت، نمائش حسن اور عطریات کا استعمال شروع کر دیا ہے اگر یہ صورت حال رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہو جاتی تو آپ انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ یحییٰ بن سعید نے عمرہ سے پوچھا بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا؟ عمرہ نے کہا جی ہاں روک دیا گیا تھا۔

## حدیث نمبر ⑥:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن عورتوں کو کنکریاں مار مار کر مسجد سے نکالتے تھے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج 3 ص 228)

## حدیث نمبر ⑦:

محدث ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء تابعی سے پوچھا جیسے مردوں کے لئے یہ حق ثابت ہے کہ جب وہ اذان میں تو مسجد میں حاضر ہوں کیا عورتوں کے لئے بھی ثابت ہے؟ عطاء نے قسم اٹھا کر فرمایا ان کے لئے ثابت نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 147)

## حدیث نمبر ⑧:

محدث اعش کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی تین بیویاں تھیں ان میں سے کسی نے بھی محلہ کی مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔

(مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 101)

## حدیث نمبر ⑨:

ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ علاقہ کی بیوی جو بوڑھی ہو چکی تھی وہ عید کے لئے نکلتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 87)

## حدیث نمبر ⑩:

ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ (تابعی کبیر) عورتوں کا عیدین کے لئے نکلا نہ کروہ جانتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 88)

## حدیث نمبر ⑪:

نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی عورتوں کو عیدین میں نکلنے کی اجازت نہ دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 88)



## حدیث نمبر ۱۲:

بشام بن غروہ اپنے باپ غروہ کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ اپنے اہل میں سے عورت کو نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ میں نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 88)

## حدیث نمبر ۱۳:

عبدالرحمن بن قاسم اپنے باپ قاسم کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ جوان عورتوں کے بارے میں بہت ہی سخت تھے وہ ان کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے نہیں نکلنے دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 88)

## حدیث نمبر ۱۴:

جلیل القدر تابعی ابراہیم نخعی کو جوان عورت کا عیدین کے لیے نکلنا ناگوار تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 6 ص 88)

## حدیث نمبر ۱۵:

حضرت ام حمید کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں ہمارے شوہر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ ہم آپ کو پیچھے نماز پڑھنے کی بہت چاہت رکھتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب فرمایا چھوٹے کمرے کی نماز بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے اور بڑے کمرے کی نماز تمہاری نماز باجماعت کی نماز سے بہتر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 277)

## حدیث نمبر ۱۶:

ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں جنازہ کے پیچھے جانے سے روکا جاتا تھا لیکن اس ممانعت پر عمل کرنا ہم پر لازم نہ تھا۔ (رواہ مسلم ج 1 ص 304)

## حدیث نمبر ۱۷:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے تو دیکھا کہ عورتیں بیٹھی ہیں پوچھا تمہیں کس چیز نے بیٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہم جنازہ کا انتظار کر رہی ہیں آپ نے کہا کیا تم میت کو غسل دیتی ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم میت کو اٹھاتی ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے کہا کیا تم میت کو دوسرے لوگوں کی طرح قبر میں اتارتی ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ؟ لیکن ثواب لے کر نہیں بلکہ گنہگار ہو کر۔ (ابن ماجہ ص 113)

## حدیث نمبر ۱۸:

اور حدیث نمبر ۱۷ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے پہلے جنازہ کے لئے پیچھے جانا جائز تھا مگر کراہیت کے ساتھ اس وقت روکنے میں اتنی سختی نہ تھی لیکن بعد میں اس حکم کے اندر شدت اختیار کی گئی اور معصیت اور کراہت حرمت سے بدل گئی اور اب عورتوں کے لئے جنازہ کے پیچھے جانا معصیت اور گناہ قرار پایا۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ مگر نیکو کار بن کر نہیں گنہگار ہو کر۔ اسی طرح گھر سے باہر نکلنے اور مسجد و عید گاہ کے اندر جانے میں عورتوں کے لئے ابتدا میں نرمی تھی، اتنی سختی نہ تھی لیکن بعد میں شر اور فتنہ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سختی کی اور مسجد جانے سے عورتوں کو منع کرنے لگے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے عورت کا مسجد میں جانا فرض واجب یا ضروری ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے دلائل اس کے خلاف ہیں۔ فقہاء نے جو شرائط مسجد جانے کی عورتوں پر لگائی ہیں ان کی روشنی میں جانے کے ہم بھی جواز کے قائل ہیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھر میں نماز ادا کریں۔

## اعتراض نمبر ۳۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۱: قصاص، تلوار کے ساتھ خاص نہیں

## حدیث نبوی ﷺ

عن انس ان یہودیاً رض راس جاریۃ بین حجرین فقیل لہا من فعل بک هذا افلان افلان حتی سمی الیہودی قاوت براسها فجی بالیہودی فاعترف بأمریہ رسول اللہ ﷺ فرض راسہ بالحجارة ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک بچی کا سر دو پتھروں کے درمیان پکڑ لیا تو اس بچی کو کہا گیا، تیرا یہ حال کس نے کیا، کیا فلاں نے؟ کیا فلاں نے؟ یہاں تک کہ یہودی کا نام لیا گیا، تو اس نے سر کے

اشارے سے ہاں کہا پھر اس یہودی کو لایا گیا، اس نے اعتراف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے سر کو بھی پتھر کے ساتھ کچلنے کا حکم دیا۔

(بخاری ج 2 کتاب النبیات باب اذا قُرب بالقتل مرة قتل به ص 1017، واللفظ له. رقم الحديث 6884)  
(مسلم ج 2 کتاب القسامة والمحارین والقصاص والدیات باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر ص 58)  
رقم الحديث 4361)

### فقہ حنفی

ولا یستوفی القصاص الا بالسیف

(ہدایہ آخرین ج 1 کتاب الجنایات باب ما یوجب القصاص ص 563)

یعنی قصاص تلوار ہی سے لیا جائے گا، کسی دوسری چیز سے نہیں لیا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 70)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

عن ابی بکرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا قود الا بالسیف.

(سنن ابن ماجہ باب لا قود الا بالسیف باب نمبر 194 حدیث نمبر 444) (سنن دارقطنی ج 3 ص 106)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلوار کے علاوہ

کسی اور چیز کے قصاص نہ لیا جائے۔

حدیث نمبر ②:

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ ﷺ لكل شیء خطا الا

السیف ولكل خطا ارش.

(مسند احمد ج 4 ص 272، مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 342، طحاوی مترجم)

ج 3 ص 263، ابن ماجہ حدیث نمبر 443 باب لا قود الا بالسیف، سنن دارقطنی

ج 3 ص 107، سنن الکبریٰ بیہقی ج 8 ص 42)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

تلوار کے سوا ہر شے میں خطا ہے اور خطا میں دیت ہے۔

## حدیث نمبر ③:

عن علی علیہ السلام قال رسول اللہ ﷺ لا قود الا بحدیة ولا قود فی النفس و غیرھا الا بحدیة۔ (سنن دارقطنی ج 3 ص 88)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا قصاص صرف لوہے (ہتھیار) کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے جان یا اس کے علاوہ (کسی عضو) کا قصاص صرف توہے (ہتھیار) کے ذریعہ لیا جاسکتا ہے۔

## حدیث نمبر ④:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا قود الا بالسیف۔  
(سنن دارقطنی ج 3 ص 88 و 87)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قصاص صرف تلوار سے لیا جاسکتا ہے۔

## حدیث نمبر ⑤:

عن عبد اللہ ابن مسعود ان رسول اللہ ﷺ قال لا قود الا بسلاح۔  
(سنن دارقطنی ج 3 ص 88)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قصاص صرف اسلحہ کے ذریعہ۔

## حدیث نمبر ⑥:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا قود فی شلل ولا عرج۔  
(سنن دارقطنی ج 3 ص 91)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالہ سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، شلل، اور عرج میں قصاص نہیں ہوگا۔

ہم نے یہاں پر چند روایات نقل کر دی ہیں ان کے علاوہ اور روایات اور آثار بھی اس کے متعلق موجود ہیں جن سے حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

رہی وہ روایات جو راشدی صاحب نے نقل کی اس کے علماء نے کئی جواب دیئے ہیں جن میں سے دو جواب ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

جواب نمبر ①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو قاطع الطريق اور ڈاکو کے حکم میں فرمایا اور ڈاکو کو امام (یعنی امیر مملکت) جس طرح چاہے قتل کر سکتا ہے۔

جواب نمبر ②: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مشلہ کرنا مباح تھا جس طرح نبی کریم ﷺ نے عربین کو سزا دی تھی بعد میں اس سے منع کر دیا گیا اور یہ منسوخ ہو گیا۔ (عمدة القاری ج 12 ص 254)

### اعتراض نمبر ③۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ③۲: تکبیرات عیدینی کتنی اور کب؟

### حدیث نبوی ﷺ

عن کثیر ابن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ کبر فی العیدین

فی الاولى سبعاً قبل القراءة وفي الاخرة خمساً قبل القراءة

ترجمہ: بیشک نبی ﷺ عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے بات

تکبیرات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات کہتے تھے۔

(ترمذی ج 1 ابواب العیدین باب فی التکبیر فی العیدین ص 70، رقم الحدیث 536) (ابن ماجہ ماجاء فی

صلوة العیدین باب ماجاء فی فکھم یکبر الامام فی الصلوة العیدین ص 91 رقم الحدیث 1289)

### فقہ حنفی

یکبر فی الاولى للافتتاح وثلاثاً بعدها ثم یقرأ الفاتحة وسورة و

یکبر تکبیرة یرکع بها ثم یدتدی فی الركعة الثانية بالقراءة ثم

یکبر ثلاثاً بعدها ویکبر رابعة یرکع بها

(ہدایہ اولین ج 1 کتاب الصلوة باب العیدین ص 173)

پہلی رکعت میں نماز کے آغاز کے لئے تکبیر کہی جائے گی اور اس کے بعد تین تکبیریں کہی



جائیں گی۔ پھر سورۃ فاتحہ اور دوسری کوئی سورۃ پڑھی جائے گی۔ پھر رکوع کے لئے تکبیر کہی جائے گی۔ پھر دوسری رکعت کا قرات سے آغاز کیا جائے گا، اس کے بعد تین تکبیریں کہی جائیں گی اور چوتھی تکبیر رکوع کے لئے کہی جائے گی۔ (فتاویٰ مدیٹھ ص 71)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف آتی ہیں احناف کا مسلک مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ①:

عن القاسم ابی عبد الرحمن انه قال حدیثی بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ قال صلی بنا النبی ﷺ یوم عید فکبر اربعاً واربعا ثم اقبل علينا بوجهه حين انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز و اشار باصابعه وقبض ابهامه. (طحاوی شریف ج 2 ص 438)

ابو عبد الرحمن قاسم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز پڑھائی تو (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بھول نہ جانا عید کی تکبیریں جنازہ کی طرح چار ہیں۔ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند کر لیا۔

حدیث نمبر ②:

عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشة جلیس لابی هريرة ان سعید بن العاص سال ابا موسی الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی الاضحی والفطر فقال ابو موسی کان یکبر اربعاً تکبیرہ علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابو موسی کذا لک کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیہم قال ابو عائشة و انا حاضر سعید بن العاص.

(ابوداؤد ج 1 ص 163 طحاوی ج 2 ص 439 منہ احمد ج 4 ص 416)

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین ابو عائشہ نے بتلایا کہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے جیسا کہ آپ جنازہ میں کہتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا، حضرت ابو عاتشہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال کے وقت خود موجود تھا۔

ان دونوں احادیث سے خفی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ خفی مسلک کی تائید میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار پیش کئے جاسکتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں سرور العینین فی تکبیرات العیدین) رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل فرمائی وضعیف ہے۔

### اعتراض نمبر ۳۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۳: پیشاب کے چھینٹوں کے پچنا از حد ضروری ہے

### حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عامة عذاب القبر من البول ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عام طور پر قبر کا عذاب پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(رواہ الحاکم فی مستدرکہ عن ابن عباس رفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال عامة عذاب القبر من البول رقم الحديث 654 جلد 1 ص 293 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت) (سنن الدارقطنی عن ابی ہریرۃ ج 1 ص 128، رقم 7 طبع دار لمعرفۃ بیروت)

### فقہ حنفی

فان انتضح عليه البول مثل روس الابر فذاك ليس بشيء و قدر

الدرهم و ما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر و خر  
الدجاج وبول الحمار جازت الصلوة معه

(ہدایہ اولین ج کتاب الطہارات باب النجاس و تطہیرہا صفحہ 74-77)

ترجمہ: سوئی کے سر کے برابر اگر پیشاب کے قطرے لگے ہوئے ہیں تو کوئی  
خرج نہیں۔۔۔ اگر درہم کے برابر سخت نجاست مثلاً: پیشاب، شراب، مرغ  
کی بیٹھ یا گدھے کا پیشاب لگا ہوا ہو تو نماز درست ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص 72)

جہاں:

جو حدیث راشدہ کی صاحب نے نقل کی ہے اسے احناف مانتے ہیں اور احناب پیشاب کو  
ناپاک کہتے ہیں لیکن یہ حدیث تو غیر مقلدین کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ حلال  
جانور ہوں یا حرام سب کا پیشاب پاک ہے حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔  
نواب علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں۔

"والہنی طاهر و كذلك الدم غير دم الحيضة و كذلك رطوبة  
الفرج و كذلك الخمر و بول ما يوكل لحمه و ما لا يوكل لحمه من  
الحيوانات"۔ (نزل الابراج ص 49)

یعنی منی پاک ہے ایسے ہی حیض کا خون، شرمگاہ کی رطوبت شراب اور حلال و حرام  
جانوروں کا پیشاب سب پاک ہیں۔

ناظرین حدیث کی مخالفت احناف نے کی یا خود غیر مقلدین نے۔

حنفی مسلک میں پیشاب ناپاک ہے

حنفی مسلک کی اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار ص 68 میں ہے۔

"روی انه عليه السلام لما فرغ من دفن صحابي صالح ابتلى بعذاب  
القبر جاء الى امرأة فسألها عن اعماله فقالت يرحى الغنم ولا يتنزه  
من بوله فحينئذ قال عليه السلام استنزهوا من البول فان عامة  
عذاب القبر منه"۔

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک نیک صالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو احساس ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوئے ہیں آپ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

راشدی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ خفی مسلک میں ناپاک بدن اور ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ بھی بالکل جھوٹ ہے، ہم یہاں پر دونوں چیزوں کا حکم فقہ خفی سے بیان کرتے ہیں۔

### فقہ خفی میں بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا

1- نمازی کے بدن کا نجاست حقیقی سے پاک ہونا ضروری ہے۔ یعنی بول و براز خون،

پیپ، شراب وغیرہ۔ (ہدایہ ج 1 ص 58 شرح فتاویٰ ج 1 ص 63 کبیری ص 177 غلامہ)

2- نمازی کے کپڑوں کا بھی نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔

(شرح فتاویٰ ج 1 ص 63 کبیری ص 58)

3- فقہ خفی کی مشہور کتاب قدوری میں ہے۔

نمازی پر واجب ہے کہ ناپاکیوں اور پلیدیوں سے اول اپنے بدن وغیرہ کو پاک کرے۔

(قدوری مترجم اردو ص 34 مجموعہ ایچ ایم سعید کینی کراچی)

4- فقہ خفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے۔

”یطهر بدن المصلی و ثوبه و مکانہ عن نجس و مرئی بزوال“ پاک کیا جائے

نمازی کا بدن اور کپڑا اور پڑھنے کی جگہ ایسی نجاست سے جو دیکھائی دے۔

(شرح وقایہ مترجم ص 122-123 مکتوبہ میر محمد کراچی)

5- مفتی کفایت اللہ دہلوی خفی لکھتے ہیں۔

### نماز کی پہلی شرط کا بیان

سوال: بدن پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: بدن پاک ہونے سے یہ مراد ہے کہ بدن پر کسی قسم کی نجاست پلیدی نہ ہو۔

(تعلیم الاسلام حصہ دوم ص 22 مطبوعہ تاج پبلی کرائچی)

مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی مزید لکھتے ہیں:

نماز کی دوسری شرط (کپڑے پاک ہونے) کا بیان۔

سوال: کپڑوں کے پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: جو کپڑے کہ نماز پڑھنے والے بدن پر ہوں جیسے کرتہ، پاجامہ، ٹوپی، عمامہ، اچکن وغیرہ ان

سب کا پاک ہونا ضروری ہے۔ (تعلیم الاسلام حصہ سوم ص 71)

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ فقہ حنفی میں نماز پڑھنے کے لئے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا شرائط نماز میں ہے۔ غیر مقلدین اس مسئلہ پر اکثر اعتراض کرتے ہیں اس لئے ہم یہاں پر اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد شریف صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بے شک فقہاء علیہم الرحمۃ نے ایسا لکھا ہے لیکن یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ بہ نسبت گناہ کے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنے والے کو گناہ بھی نہیں۔ جو فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔

درمختار میں ہے۔

”عفا الشارع عن قدر درهم وان کرہ تحریماً فیجب غسلہ“

(درمختار)

شارع نے قدر درهم معاف کیا ہے اگرچہ مکروہ تحریمہ ہے پس اس کا دھونا واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ جس کپڑے کو بقدر درهم نجاست لگی ہوگی اس میں نماز پڑھنا ہمارے نزدیک

مکروہ تحریمہ ہے۔ اس کا دھونا واجب اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔

کمال قال الشیخ عبدالحی لکھنوی فی عمدۃ الرعاۃ ص 50 ج 1

”اشار الی العفو عنه بالنسبۃ الی صحۃ الصلوۃ بہ فلا ینافی الاثم“

کہ یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ یہ کہ اس کو گناہ نہیں۔

اور یہ اجازت ہی اس صورت میں ہے کہ دھونے کے لئے پانی یا دوسرا پاک کپڑا نہ ملے۔



اگر پانی میسر ہے اور وقت کی گنجائش بھی ہے تو اسے دھو لینا چاہئے۔

چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ ص 13 میں ہے۔

”دخل فی الصلوۃ فری فی ثوبہ تجاسة اقل من قدر الدرهم و  
کان فی الوقت سعة فالافضل ان یقطع او یغسل الثوب و  
یستقبلہا فی جماعۃ اخرى و ان فاتتہ هذا لیکون موریا فرضہ  
على الجواز بیقین فان کان عادما للماء اولہ یکن فی الوقت  
سمة اولاً برج اخرى جماعۃ اخرى مضی علیہا و هو الصحیح“۔  
یعنی نماز شروع کی تو دیکھا کہ کپڑے میں قدرے درہم سے کم نجاست ہے اور  
وقت میں فراخی ہے تو افضل یہ ہے کہ نماز قطع کر کے کپڑا دھو ڈالے اور دوسری  
جماعت میں نئے سرے سے شروع کرے اگرچہ یہ جماعت اس کی فوت بھی کیوں  
نہ ہو جائے تاکہ اس کے فرض یقیناً ادا ہو جائیں اور اگر پانی نہیں یا وقت میں  
وسعت نہیں یا دوسری جماعت ملنے کی امید نہیں تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے۔  
طحطاوی فرماتے ہیں۔

”المراد عفا عن الفساد به والا نكراة التحريم باقية اجماعاً ان  
بلغت الدرهم وتنزيهاً ان لم تبلغ“ (طحطاوی علی مراتب الاصلاح ص 90)  
یعنی عفو سے مراد ہے کہ نماز فاسد نہیں ورنہ کراہت تحریمی اجماعاً باقی رہتی ہے اگر درہم کو  
نجاست پہنچے اگر درہم سے کم ہو تو کراہت تنزیہی رہتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر بقدر درہم نجاست کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی جس کا  
اعادہ واجب اور کپڑے کا دھونا واجب ہے۔

پس دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ معترض ان تمام باتوں کو بھی لکھتا پھر اعتراض کرتا تاکہ  
ناظرین کو اصل مذہب کا پتہ لگ جاتا۔ مگر یہاں تو عوام کو صرف مغالطہ میں ڈال کر مذہب حنفی سے بیگانہ  
کرنا مقصود تھا دیانت سے کیا کام؟ جب اصل مسئلہ معلوم کر چکے تو اس معافی کا ماخذ بھی معلوم کر لینا  
چاہئے۔ یہ معافی فقہاء نے استتباء بالا حجار سے اخذ کی ہے کیونکہ ظاہر ہے پتھر ڈھیلے مزیل نجاست نہیں  
ہیں بلکہ مجفف اور منشف ہیں تو موضع غائط کا نجس ہونا شریعت نے نماز کے لئے معاف کیا ہے اور وہ

قدر درہم ہوتا ہے اس لئے فقہاء نے نماز کے لئے بقدر درہم معاف لکھا ہے۔

نووی شرح صحیح مسلم میں حدیث اذا استيقظ احدكم من منامه کے بعض فوائد بھی لکھتے ہیں:

”منها ان موضع الاستنجاء لا يطهر بالاحجار بل يبتلى نجسا معفوا

(نووی ص 136)

عنه في حق الصلوة۔

یعنی بعض فوائد میں سے یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ پتھروں سے پاک نہیں ہوتی بلکہ

نجاست رہتی ہے جو نماز کے حق میں معاف ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر فتح الباری پ 1 میں لکھتے ہیں:

”قدرناه بقدر الدرهم اخذنا عن موضع الاستنجاء“۔ (ص 58)

کہ وہ قلیل نجاست جو کہ عفو ہے ہم نے اس کا اندازہ بقدر درہم رکھا اور اس کا

ماخذ استنجاء کی جگہ (کا معاف ہوتا ہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

”قال في شرح المنية ان القليل عفو اجماعا اذا الاستنجاء بالحجر

كان بالا جماع وهو لا يستأمر النجاسة والتقدير بالدرهم مروي

عن عمرو و علي و ابن مسعود و هو مما لا يعرف بالرأى فيحمل على

السمع اهـ و في الحلية القدير بالدرهم وقع على سبيل الكناية

عن موضع خروج الحدث من الدبر كما افادته ابراهيم النخعي

بقوله انهم استنكروا المقاعد في مجالسهم فكنا بالدرهم و

يعضده ما ذكره المشائخ عن عمر انه سئل عن القليل من

النجاسة في الثوب فقال اذ كان مثل ظفري هذا يمنع جواز

الصلوة قالوا وظفرو كان قريبا من كفنا اهـ“۔ (ثامی ص 231 ج اول)

شرح منیہ میں کہا ہے کہ نجاست قلیل اجماعاً معاف ہے کیوں کہ پتھروں سے استنجاء

کرنا بالا جماع کافی ہے اور وہ نجاست کو بالکل ختم نہیں کرتا اور درہم کا اندازہ حضرت عمرو

علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے چونکہ اس میں رائے کا دخل نہیں اس لئے سماع پر

محمول ہوگا اور حلیۃ میں ہے کہ درہم کا اندازہ بطور کنایہ ہے دبر سے جیسے کہ ابراہیم نخعی

فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی مجالس میں مقاعد کا ذکر برا سمجھا تو کنایہ درہم سے تعبیر کیا

اور اسی کی تائید کرتا ہے جو مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب قلیل نجاست کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جب میرے ناخن کے مثل ہو تو نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ آپ کا ناخن ہماری پتیلی (کے مقرر) کے برابر تھا۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ قدر درہم بھی صحابہ سے مروی ہے۔ واللہ الحمد

### اعتراض نمبر ۳۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۳: ایام تشریق سارے کے سارے ایام ذبح ہیں

#### حدیث نبوی ﷺ

عن جبیر بن معطم قال قال رسول الله ﷺ أيام التشریق كلها أيام ذبح

ترجمہ: سیدنا جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

تشریق کے تمام دن (یعنی 11، 12، 13 ذوالحجہ) قربانی کے دن ہیں۔

(مسند احمد ج 4 ص 82) (صحیح ابن حبان ۴۸۱۳۸) (سنن دارقطنی 4671) (سنن الکبریٰ للبیہقی ج 9 ص 295) (معجم طبرانی کبیر ج 2 ص 138 رقم الحدیث 1583) (مسند البزار ج 8 ص 364 رقم الحدیث 3444) (سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی ج 5 ص 617 رقم الحدیث 2476) (وثوق رجاء الحافظ فی فتح الباری ج 10 ص 8 کتاب الاضاحی باب من قال الاضحی یوم النحر تحت حدیث 5550)

#### فقہ حنفی

وہی جائزۃ فی ثلاثۃ ایام یوم النحر و یومان بعدہ

(ہدایۃ آخرین ج ۱ کتاب الاضحیۃ ص 446)

اور یہ (قربانی) جائز ہے تین دنوں میں دس تاریخ کو اور اس کے بعد دو دن۔

(یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ) (فتہ و مدیت ص 73)

جواب:

صرف تین دن تک قربانی کرنے کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

## حدیث نمبر ①:

”مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر قال الاضحى يومان بعد يوم الاضحى -“

(مولانا مالک مترجم ص 410 مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی کے دو دن ہیں دس ذوالحجہ کے بعد۔

## حدیث نمبر ②:

مالك انه بلغه عن علي بن ابي طالب مثل ذلك. (مولانا مالک مترجم ص 410)  
امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات پہنچی ہے  
(یعنی دن تین قربانی والی)

## حدیث نمبر ③:

من طريق ابن ابي شيبة نازيد بن الحباب عن معاوية ابن صالح حدثني ابو مريم سمعت ابا هريرة يقول الاضحى ثلاثة ايام.  
(محلّی ابن ہرمج ص 377)

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے زید بن حباب نے بیان کیا وہ معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابو مریم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں۔

## حدیث نمبر ④:

من طريق و كيع عن شعبة عن قتادة بن انس قال الاضحى يوم النحر ويومان بعد.  
(محلّی ابن ہرمج ص 377)

ابن ابی شیبہ کعب سے روایت کرتے ہیں وہ شعبہ اور قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ قربانی کے دن عید کے بعد صرف دو دن ہیں۔

## حدیث نمبر ⑤:

من طریق ابن ابی لیلی عن المنہال بن عمرو عن سعید بن جبیر  
عن ابن عباس النحر ثلاثة ایام۔

(محلّی ابن جرّم ج 7 ص 377)

ابن ابی لیلیٰ منہال بن عمرو سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل  
کرتے ہیں کہ قربانی تین دن ہے۔

## حدیث نمبر ⑥:

من طریق ابن ابی لیلی عن المنہال بن عمرو بن عن ذر عن علی قال  
النحر ثلاثة ایام افضلها اولها۔

(محلّی ابن جرّم ج 7 ص 377)

ابن ابی لیلیٰ منہال بن عمرو سے وہ ذر سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں  
کہ قربانی تین دن تک جائز ہے ان میں سے پہلا دن افضل ہے۔

## حدیث نمبر ⑦:

من طریق ابن ابی شیبہ ناہیشم عن ابی حمزہ عن حزب ابن ناجیة  
عن ابن عباس قال ایام النحر ثلاثة ایام۔ (محلّی ابن جرّم ج 7 ص 377)

ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ ہم سے یثثم نے بیان کیا وہ حزب بن ناجیہ سے وہ  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن عباس نے فرمایا قربانی تین دن ہے۔

## حدیث نمبر ⑧:

من طریق وکیع عن عبد اللہ بن نافع عن ابیہ عن ابن عمر قال ما  
ذبحت يوم النحر والثانی والثالث فهي الضحایا۔

(محلّی ابن جرّم ج 7 ص 377)

وکیع عبد اللہ بن نافع سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابن عمر سے  
روایت کرتے ہیں کہ یوم النحر (10 ذالحجہ) گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں  
میرا ذبح قربانی ہے۔



حدیث نمبر ⑨:

من طریق ابن ابی شیبۃ ناجریہ عن منصور عن مجاہد عن مالک بن معاذ و ما عز بن مالک الثقفی ان اباہ سمع عمر یقول انما النحر فی هذه الثلاثة الايام۔

(مکلی ابن ج 7 ص 377)

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہمیں جریر نے خبر دی وہ منصور سے وہ مجاہد سے وہ مالک بن معاذ یا معاذ بن مالک ثقفی سے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے والد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ قربانی صرف ان تین دنوں میں ہے۔

حدیث نمبر ⑩:

من طریق ابن ابی شیبۃ عن اسماعیل بن عیاش عن عبید اللہ ابن عمر عن نافع عن ابن عمر قال الاضحی یوم النحر و یومان بعده۔  
(مکلی ابن ج 7 ص 377)

ابن ابی شیبہ حضرت اسماعیل بن عیاش سے وہ عبید اللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ قربانی دسویں تاریخ اور گیارہویں اور بارہویں تک ہے۔

حدیث نمبر ⑪:

رواہ ابن ابی لیلی عن المنہال عن ذر عن علی قال المعدودات یوم النحر و یومان بعده اذبح فی ایہا شئت و قد قبل ان هذا و هم والصحیح عن علی انه قال ذالك فی المعلومات و ظاهر الایۃ ینفی ذالك ایضاً لانه قال فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ و ذلك یتعلق بالنحر و انما یتعلق برمی الجہار المفعول فی ایام التشریق و اما المعلومات فقد روی عن علی و ابن عمر ان المعلومات یوم النحر و یومان بعده و اذبح فی ایہا شئت۔ (احکام القرآن ج 1 ص 316-315)

ابن ابی لیلیٰ منہال اور ذر کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

آپ نے فرمایا معدودات سے مراد یوم الآخر اور اس کے بعد دودن ہیں لہذا میں ان میں سے جب چاہوں قربانی کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں وہم ہے۔ بلکہ آپ سے صحیح روایت یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد ایام معلومات کے بارے میں فرمایا ہے اور آیت طیبہ کا ظاہر بھی اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ جو شخص دودنوں میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں تو معلومات کا تعلق قربانی سے ہے اور معدودات کا تعلق رمی جمار سے ہے جو ایام التشریق میں کی جاتی ہے اور معلومات کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے مراد یوم الآخر اور اس کے بعد کے دودن ہیں ان میں سے جب میں چاہوں قربانی کرتا ہوں۔

ربی وہ روایت جو راشدی صاحب نے پیش کی ہے وہ نہایت ضعیف ہے۔ یہ حدیث راشدی صاحب نے مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ مسند احمد میں اس کی سند اس طرح ہے۔

”سعيد بن عبد العزيز قال حدثني سليمان بن موسى عن جبير بن مطعم“۔

دیکھئے اس سند میں سلیمان بن موسیٰ خود حضرت جابر بن مطعم سے روایت نقل کرتے ہیں جب کہ سلیمان بن موسیٰ کی ملاقات حضرت جابر بن مطعم سے ثابت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت غیر مقلدین کے ہاں قابل عمل نہیں ہوتی۔

اور سلیمان بن موسیٰ متکلم فی راوی ہے۔ بہت سے محدثین نے اس پر سخت قسم کی جرح کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

1- امام بخاری فرماتے ہیں: عندہ من اکبر سلمان بن موسیٰ کے پاس ضعیف قسم کی حدیثیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج 4 ص 227 و کتاب النعمان الصغیر للبغاری مع تاریخ الصغیر ص 262)

2- امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث حدیث میں قوی نہیں ہے نیز فرماتے ہیں فی حدیثی

اس کی حدیث میں کچھ خرابی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج 4 ص 227) اس لئے یہ روایت قابل استدلال نہیں

ہے (ہم نے یہاں پر مختصر بیان کر دیا ہے تفصیل ہماری کتاب قربانی صرف تین دن تک جائز ہے میں ملاحظہ فرمائیں)

## اعتراض نمبر ۳۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۵: زمین بٹائی پر دینا جائز ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ دفع الی یہود نخل خیبر وارضها علی ان یعتملوها من اموالہم و لرسول اللہ ﷺ شطر ثمرها ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کی کھجور اور اس کی زمین آدھی بٹائی پر آباد کرنے کے لئے دی اس شرط پر کہ وہ اس کو اپنے مال سے آباد کریں گے۔

(مسلم ج 2 کتاب المساقاة والمزارعة باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص 15، رقم الحديث 3966)

### فقہ حنفی

قال ابو حنیفة المزارعة بالثلث والربع باطلة

(ہدایہ آخرین ج 1 کتاب المزارعة 424)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تہائی یا چوتھائی پر کھیتی بٹائی پر دینا باطل ہے۔

(فتاویٰ حدیث ص 74)

### جواب:

مضاربت یعنی زمین بونے کے لئے کرایہ پر دینے کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں کسی حدیث میں اجازت اور کسی حدیث میں منع ہے اس وجہ سے ائمہ کرام اور محدثین میں اختلاف واقع ہوا۔ اجازت والی حدیث تو راشدی صاحب نے نقل کر دی اور منع والی کا ذکر تک نہ کیا۔ ہم یہاں پر پیاب منع والی حدیث نقل کرتے ہیں اس کے بعد حنفی مسلک کی وضاحت کرتے ہیں۔

## مضاربت سے منع کی حدیث

عن عبدالله بن السائب قال سألت عبدالله بن معقل عن  
المزراعة فقال اخبرني ثابت بن الضحاك ان رسول الله ﷺ نهى  
عن المزراعة۔ (مسلم ج 2 ص 14)

عبدالله بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا۔  
انہوں نے کہا مجھے ثابت بن ضحاک نے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے۔  
ہم نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے ویسے منع کی احادیث حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ  
بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اگر امام ابو حنیفہ نے ان احادیث کے پیش نظر یہ نظریہ قائم کیا ہے تو کون سا جرم کیا ہے۔ اور  
حدیث کی مخالفت کب لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ راشدی صاحب کو معاف فرمائیں

## حنفی مسلک کی وضاحت

اس مسئلہ میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے  
زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہوتا ہے اس لئے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف  
اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر صحیح ہونے کے باوجود فتویٰ نہیں دیا۔  
خود صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں۔

الا ان الفتوى على قولهما لحاجة الناس اليها و لظهور تعامل  
الامة بها والقياس يترك بالتعامل كما في الاستضاع۔

(ہدایہ آخرین 425 مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت ہے اور تمام  
امت کا مزارعت پر عمل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اجارہ میں ہے۔  
2۔ قدوری مترجم 234 میں ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تہائی یا چوتھائی (بٹائی) پر زمین بونے کے لئے دینا باطل ہے اور  
صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔

جب حنفی مسلک کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے تو اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

### اعتراض نمبر ۳۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۶: نابینا امامت کرا سکتا ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن انس قال استخلف رسول الله ﷺ ابن ام مكتوم يوم الناس وهو اعمى

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی عدم موجودگی میں) ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور وہ نابینا تھے۔  
(ابوداؤد ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ الاعمی ص 95 رقم الحدیث 595)

### فقہ حنفی

فیکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق والاعمی وولد الزنا

(ہدایۃ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ ص 122)

غلام، اعرابی، فاسق، نابینے اور ولد الزنا کو امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے۔

(فتاویٰ مدیث ص 75)

### جواب:

راشدی صاحب نے فقہ حنفی کا مسئلہ پورا نہیں بتایا پورا مسئلہ اس طرح ہے۔

- 1- مسئلہ اندھے کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہوتی ہے اگر استقبال قبلہ نہ کر سکتا ہو اور نجاست سے نہ بچ سکتا ہو اگر سمجھ دار اور متقی ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں  
(بدایہ ج ۱ ص 77 شرح فقیر ج ۱ ص 86 کبیری ص 514 غلامہ)

- 2- قدوری اردو ص 41 میں ہے۔

غلام، گنوار، فاسق، نابینا، حرامی بچہ کو امام بنانا مکروہ ہے اور اگر یہ امام ہو جائیں تو نماز ہو جائے گی۔

- 3- حضرت عطاء تابعی کا فتویٰ: ”عن ابی جریج قال سئل عطاء عن الاعمی ایوم القوم



فقال ما له اذا كان افقههم۔ (مصنف عبد الرزاق ج 2 ص 395)

ابن جریج سے روایت ہے حضرت عطاء سے پوچھا گیا ناپینا کے بارے میں کیا وہ امامت کرا سکتا ہے لوگوں کو تو انہوں نے کہا کیا حرج ہے اگر وہ ان میں سے زیادہ فقیہ ہو۔

4- حضرت ابراہیم نخعی تابعی کا فتویٰ: ”عن حماد قال سالت ابرہیم عن الاعمی هل یوم

فقال نعم اذا قام الصلوۃ۔ (مصنف عبد الرزاق ج 2 ص 395)

حضرت حماد نے کہا میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے دریافت کیا ناپینا شخص کے بارہ میں کہ آیا وہ امامت کرا سکتا ہے تو انہوں نے کہا ہاں کرا سکتا ہے بشرطیکہ نماز اچھی طرح ادا کرتا ہو۔

5- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ناپینا کی امامت سے احتراز فرمانا: مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 119 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں ہے۔

”حدثنا وکیع عن سفیان عن عبد الاعلی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال کیف او مهم و هم یعدلون الی القبلة۔“

6- مصنف ابن ابی شیبہ ص 114 جلد 2 میں ہے

حدثنا الفضل بن دکین عن ابی الحسن عن زیادہ النہری قال سالت انس عن الاعمی یوم فقال ما افقر کم الی ذالک۔

7- مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 119 میں ہے۔

حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان عن وصل الاحدب عن قبیصہ بن برمة الاُسدی قال قال عبد اللہ ما احب ان یکون موزنو کم عیمانکم قال احسبه قال ولا قراء کم۔

8- مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 119 میں ہے۔

حدثنا زید بن حباب عن اسرائیل عن مرزوق عن سعید بن جبیر انه قال الاعمی لا یوم۔

تفصیلی جواب: مولانا منصور علی خان مراد آبادی لکھتے ہیں۔

اقول: حنفیہ کے نزدیک اس اندھے کی امامت مکروہ ہے جو احتیاط نہ کرتا ہو اور کوچہ گروہ اور اگر عالم اور محتاط ہو یا سب میں افضل ہو اس وقت حنفیہ ہرگز مکروہ نہیں کہتے بلکہ حجت میں یہی حدیث

عبداللہ بن ام مکتوم کی لکھتے ہیں کتاب الاشباہ والنظائر احکام الائمۃ میں ہے ”وتمروا امامتہ الا ان یکن علم مکتوم“ یعنی مکروہ ہے امامت اندھے کی مگر جب کہ مقتدیوں سے زیادہ جاننے والا ہو۔ اور بحر الرائق کتاب الامامۃ میں ہے: ”فان کان افضلہم فاولیٰ وعلیٰ هذا حمل تقدیم ابن ام مکتوم

لانه لم یبق من الرجال الصالحین للامامۃ فی المدیۃ احد افضل منه حیثین“۔

یعنی اگر ناپینا افضل قوم ہو تو واسطے امامت کے وہی بہتر ہے اور اسی پر محمول ہے امام کرنا ابن ام مکتوم کا اس لیے کہ مدینے میں کوئی شخص قابل امامت کے ان سے بہتر نہیں رہا تھا اور فتح المنان فی تائید مذہب عثمان باب الامامۃ تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں ہے ”ان کان مقتدی القوم وعالمہا وقارثا لا یکرہ وقد کان شیخنا الاجل الا کرم عبدالوہاب المہتقی یومہ اصحاب مع عمیہ“ یعنی اگر ہوا اندھا مقتدی قوم کا اور عالم اور قاری تو نہیں مکروہ ہے اور تحقیق استاد ہمارے عبد وہاب متقی امام ہوتے تھے اپنے یاروں کے باوجود ناپینائی کے۔ اور محیط میں ہے ”اذا لم یکن غیرہ من البصیر افضل فہو اولیٰ“ یعنی جب کہ ناپینا سے بصیر افضل ہو تو ناپینا بہتر ہے۔ اور جامع باب الامامۃ میں ہے ”اذا کان لایوزیہ غیرہ فی الفضل فی مسجد فہو اولیٰ“ یعنی جس وقت فضیلت میں اور کوئی ناپینا کے برابر نہ ہو تو وہی بہتر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک ناپینا کی امامت مکروہ نہیں مگر اس وقت مکروہ ہے جب احتیاط نہ کرتا ہو یا علم نہ رکھتا ہو عبداللہ بن ام مکتوم ان باتوں سے بری تھے بلکہ اس وقت تو آنحضرت ﷺ تبوک کی لڑائی میں تشریف لے گئے ہیں ان سے بہتر کوئی نہ تھا علی بن ابی طالب کو مکان کے اہتمام میں چھوڑ گئے تھے اگر اس کا بھی اہتمام ان کے سپرد ہوتا تو اس اہتمام میں کوئی ہوجاتی بلکہ صاحب ہدایہ کی خود وجہ کراہیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً ناپینا کی امامت مکروہ نہیں بلکہ جب عدم احتیاط کے مکروہ ہے پس اس مسئلے کو ابن مکتوم کی حدیث کے مخالف کہنا کمال درجے کی نادانی ہے جو اس مع الفارق اسی کو کہتے ہیں ہاں خواب یاد آیا اگر رطب و یابس نہ بھرتے تو سوسنوں کا التزام کیونکر ہو سکتا تھا کچھ معترض صاحب کو خیال نہیں کہ کیا لکھتا ہوں بے دیکھے انکل سے کام لیتے ہیں۔

سمجھ ہی نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی  
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھ

(ماخوذ فتح البین ص 101-110 ترجمہ اور اضافہ کے ساتھ)

## اعتراض نمبر ۳۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۷: ہرنشہ اور چیز حرام ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ كل مسكر خمر وكل مسكر حرام ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہرنشہ دینے والی چیز شراب ہے اور ہرنشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

(مسلم ج ۲ کتاب الاشربة باب بیان ان كل مسكر خمر الخ ص 162، رقم الحديث 5219) ایک حدیث میں ہے۔

قال رسول الله ﷺ ان من الحنطة خمر او من الشعير خمر او من التمر خمر او من الزبيب خمر او من العسل خمر ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گندم، جو، کھجور، انگور اور شہد سے شراب بنتی ہے۔

(ترمذی ج ۲ کتاب الاشربة باب ما جاء في الحبوب التي يتخذ منها الخمر ص 9، رقم الحديث 1872، واللفظ له) (ابوداؤد ج ۲ کتاب الاشربة باب الخمر من ما هي ص 161، رقم الحديث 3676)

### فقہ حنفی

ان ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفة ولا يحدشأربه وان سكر منه (ہدایہ آخرین ج ۱ کتاب الاشربة ص 496)

یعنی گندم، جو، شہد اور جو سے شراب بنانا ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے اس کے پینے والے پر اگرچہ اس کو نشہ ہی کیوں نہ ہو کوئی حد نہیں۔

(فتاویٰ مدیث ص 76)

جواب:

علامہ ابوالحسن مرغینانی رحمہ اللہ حنفی صاحب ہدایہ کو اس مقام پر امام محمد کی جامع صغیر کی عبارت

سے وہم ہو گیا ہے۔ راشدی صاحب نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی اگر پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ اصل یہ بات جامع صغیر کی ہے۔ ہدایہ کے بعد اکثر مصنفین نے صاحب ہدایہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اپنی تصانیف میں یہ مسئلہ بیان کر دیا ہے۔ ہدایہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ ابو الحسن مرغیانی حنفی لکھتے ہیں۔

وقال فی الجامع الصغیر ما سوی ذلک من الاثر بہ فلا بأس بہ قالوا  
هذا الجواب علی هذا العموم والبیان لا یوجد فی غیرہ و هو نص  
علی ان ما یتخذ من الحنطۃ و الشعیر و العسل و الذرة حلال عند  
ابی حنفۃ و لا یحد شاربه عنده و ان سکر منه و لا یقطع طلاق  
السکران منه بمنزلة النائم۔ (ہدایہ اولین ص 495-496 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)

امام محمد نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے (اس قول کی تفصیل کرتے ہوئے) فقہاء نے کہا جس طرح اس کتاب میں عموم ہے وہ (امام محمد کی) اور کسی کتاب میں نہیں ہے اور عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ جو شراب گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری نہیں ہوگی خواہ اس کو نشہ ہو جائے اور اس نشہ میں اس کی طلاق بھی واقع ہیں ہوگی جیسا کہ سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ امام محمد نے جامع الصغیر میں جو یہ لکھا ”و ما سوی ذلک من الاثر بہ فلا بأس بہ“ ان چار شرابوں کے ماسوا سے اس قسم کا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج کرنے والوں نے سمجھا ہے حتیٰ کہ جو شراب بھی نشہ آور ہو اور وہ حلال ہو جائے، بلکہ ماسوا سے مراد وہ مشروبات ہیں جو نشہ آور نہ ہوں کیونکہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک نبیذ اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، اس کے پینے سے حد لازم آتی ہے اگر وہ نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے طلاق ہو جاتی ہے خود امام محمد نے یہ لکھا ہے کہ امام اعظم کا یہی قول ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب کتاب الآثار کے حوالے سے نقل کریں گے اس لئے جامع الصغیر کی اس عبارت میں ایسا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج اور تفصیل کرنے والوں نے بیان کیا ہے اور امام ابو حنیفہ اس بات سے بری ہیں کہ وہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابوں کو حلال قرار دیں اس پر حد لازم نہ کریں اور اس کی طلاق واقع نہ کریں اب ہم ٹھوس حوالہ

جات کے ساتھ اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف بیان کرتے ہیں:

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

فالنبيذ هو ما التمر اذا طبخ ادنى طبخة يحل شربه في قولهم  
مأدام حلوا واذا غلا واشتد وقذف بالزبد. عن ابي حنيفة و ابي  
يوسف يحل شربه للتداوى والتقوى الا المحدثى المسكر.

(ہایہ شرح ہدایہ ج 2 ص 705-704 مطبوعہ ملک سرفیصل آباد)

کججور کے پانی کو معمولی جوش دیا جائے تو یہ نبیذ ہے فقہاء احناف کے قول کے مطابق اس کا  
پینا جائز ہے بشرطیکہ یہ میٹھا ہو جائے اور جب یہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے۔ تو اما ابوحنیفہ اور  
امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ دوا اور طاقت حاصل کرنے کے لئے اس کا پینا جائز ہے البتہ اگر یہ نشہ  
آور ہو تو اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

نبیذ ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ جب وہ نشہ آور ہو تو امام  
ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

2- علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

ورواية عبد العزيز عن ابي حنيفة و سفيان انهما سئلا فيمن  
شرب البنج فارتفع الى راسه و طلق امراته هل يقع قالا ان كان  
يعمله حين شربه ما هو يقع. (فتح القدیر شرح ہدایہ ج 5 ص 82 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رشیدیہ کھم)

عبد العزیز نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور سفیان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بھنگ  
کے نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو کیا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی؟ امام ابوحنیفہ اور سفیان نے کہا  
اگر بھنگ پیتے وقت اس کو بھنگ کا علم تھا اس کی طلاق ہو جائے گی۔

بھنگ بھی ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ کے  
نزدیک بھنگ کے نشہ سے طلاق ہو جاتی ہے۔

3- امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں۔

تروى الحد على السكران من نبیذ كان او غيره ثمانين جلدًا بالسوط الى  
قوله وهو قول ابي حنيفة رحمة الله تعالى.

(کتاب الآحاض 137 مطبوعہ دار القرآن کراچی)



جس شخص کو نبیذ یا کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو ہماری رائے میں اس کو اسی کوڑے حد لگائی جائے گی۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اس عبارت میں امام محمد نے صاف تصریح کی ہے کہ جس مشروب سے بھی نشہ ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نشہ والے شخص پر اسی کوڑے حد لگائی جائے گی۔  
شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں۔

ان السکر من النبیز موجب للحد کشر بالخمر۔

(المبسوط سرخسی جلد 24 ص 29 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نبیذ سے نشہ ہو تو اس سے حد لگانا اس طرح واجب ہے جس طرح خمر پینے سے حد لگانا واجب ہے۔  
علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:  
ومن سکر من النبیز حد۔

(ہدایہ اولین ص 506 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)

جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو گیا اس کو حد لگائی جائے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں۔

ای شراب کان غیر الخمر اذا شربہ لایحد الا اذا سکر بہ۔

(رد المحتار ج 3 ص 225 مطبوعہ عثمانیہ استنبول)

خمر کے علاوہ کسی شراب کو بھی پیا جائے اس سے حد لازم نہیں ہوگی البتہ اگر اس سے نشہ ہو جائے تو حد لازم ہوگی۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں۔

او سکر من نبیز حد۔ (رد المحتار ج 3 ص 225)

نبیذ سے نشہ ہو جائے تو حد لگائی جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

من سکر من النبیز حد۔

جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو جائے اس کو حد لگائی جائے گی۔

مبسوط سرخسی، ہدایہ، درمختار، رد المحتار اور عالمگیری سے ہم نے اس پر حوالہ جات پیش کئے

ہیں کہ بنیذ یا خمر کے علاوہ کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو اس پر حد ہے ہر چند کہ ان عبارات میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تصریح نہیں کی گئی لیکن اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ فقہاء احناف کی کتابوں میں جب مطلقاً کسی مسئلہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ امام ابوحنیفہ کا ہی قول ہوتا ہے اور جہاں امام محمد یا امام یوسف کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے یہ تصریح کر دی جاتی ہے کہ یہاں امام اعظم کا یہ موقف ہے اور فتویٰ امام محمد امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ لہذا ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ہر وہ مشروب حرام ہے جس سے نشہ ہو اور اس کے پینے پر حد لازم ہے اور اگر اس کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے مذہب اور ان کے اقوال کو بیان کرنے والے امام محمد بن حسن شیبانی ہیں اور انہوں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابیں حلال ہیں اور ان کے پینے پر حد نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس کتاب الآثار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کو بنیذ یا کسی اور چیز سے نشہ ہو جائے اس پر حد ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور جامع الصغیر کی عبارت کی جو اس کے خلاف تخریج اور تفصیل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی تخریج کی بنیاد پر ہدایہ، تبیین الحقائق یا بعض دوسری کتابوں میں جو صرف چار شرابوں کو حرام کہا گیا ہے اور باقی نشہ آور شرابوں کو حلال کہا گیا ہے یا ان پر حد لازم نہیں کی وہ سب صحیح نہیں ہے۔

8- مفسر قرآن حضرت مولانا محمد علی صدیقی کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

احناف نے خمر کے موضوع پر طول طویل بحث کی ہیں لیکن ہمیں امام محمد کا یہ فیصلہ پسند ہے

ما اسکر کثیرۃ فقلیلۃ حرام ہر وہ شراب جس کا کثیر مسکر ہو اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

انگور، گیہوں، کھجور، انجیر، شہد سے تیار شدہ مشروب امام محمد کے نزدیک قطعاً حرام ہیں۔ صاحب درمختار کا یہ کہنا یہ یفتی کہ قانون حنفی میں اسی پر فتویٰ ہے اور صرف یہی نہیں کہ شراب جسے قرآن نے خمر کہا ہے وہ حرام ہے بلکہ احناف نے اس معاملہ میں کچھ دوسروں سے زیادہ تشدد آمیز پالیسی اختیار کی ہے وہ اسے صرف حرام نہیں کہتے بلکہ ناپاک اور نجس العین بھی بتاتے ہیں اسے حلال بتانے والے کو دائرہ اسلام میں داخل نہیں سمجھتے۔ مسلمان کے حق میں اسے مالیت والی چیز نہیں مانتے۔ ہر طرح سے اس سے انتفاع پر قدغن قائم کرتے ہیں۔ دواء بھی اس کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں۔ یاد رہے فقہ حنفی میں قانون وہ ہے جس پر ان کے ہاں فتویٰ ہو۔ اقوال منتشرہ کا نام حنفی نہیں ہے بلکہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ شراب پینے

والے کا پسینہ بھی ناپاک ہوتا ہے اور پسینہ آنے سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بہر حال ہمیں احناف کی تفصیلی قانونی بحثوں سے ایک طرف ہو کر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا یہ فیصلہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

نشہ آور ساری شرابیں ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک حرام ہیں وہ سب کو خمر ہی قرار دیتے ہیں اور بغیر کسی تفصیل کے سب کو حرام قرار دیتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد نے شراب کی ساری قسموں کو حرام قرار دیا ہے اور بلاشبہ اس دور کے مطابق اس رائے کو اپنانا ہی احتیاط کا تقاضا ہے اور جزا المسالک شرح موطا امام مالک

(تفسیر معالم القرآن پارہ نمبر 7 جلد نمبر 7 سورۃ المائدہ آیت نمبر 90 مطبوعہ ادارہ تعلیمات القرآن سیالکوٹ پاکستان)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حنفی لکھتے ہیں۔

اشربہ شراب کی جمع ہے شراب ہر بہتی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جسے پیا جاسکے، خواہ حلال ہو یا حرام، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ان مشروبات کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرنے والی ہوں۔ والشراب لعنة کل مائع يشرب واصطلاحاً ما يسكر۔

وہ مشروبات جو شرعاً حرام ہیں چار طرح کے ہیں۔

## 1- خمر

خمر سے مراد انگور کا کچا رس ہے جس میں جوش پیدا ہو جائے اور جھاگ اٹھنے لگے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک تمام حرام مشروبات میں جوش اور شدت کی کیفیت کا پیدا ہونا کافی ہے جھاگ کا اٹھنا ضروری نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک جھاگ کا اٹھنا بھی ضروری ہے حرمت شراب کے معاملہ میں بعض فقہاء احناف نے احتیاطاً صاحبین کی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔ وقیل یوخذ فی حرمة الشراب بمجرد الاشتداد احتیاطاً۔

(ہدایہ جلد پہلام ص 477)

اس کے علاوہ جن مشروبات پر خمر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے وہ ازراہ مجاز ہے۔

(درالمختار ج 5 ص 288)

## خمر کے احکام

خمر نے درج ذیل احکام متعلق ہیں:

1- حرام مشروبات میں سے اسی کو ”خمر“ سے موسوم کیا جائے گا پھر چوں کہ خمر کی حرمت قرآن

مجید میں مصرح ہے اس لئے اگر کوئی شخص اس کی حرمت کا منکر ہو اور اس کو حلال سمجھتا ہو تو اس

کو کافر قرار دیا جائے گا۔ یکفر مستحلہا لانکارہ الدلیل القطعی

2- خمر بذاتہ حرام ہوگا چاہے اس کی وجہ سے نشہ پیدا ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اس کی زیادہ اور کم مقدار

میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ان عینہا حرامہ غیر معلول بالکسر ولا موقوف علیہ۔

3- پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہوگا۔

انہا نجسة نجاسة غلیظہ کالبول۔

4- مسلمان کے حق میں یہ بے قیمت ہو جائے گا اس کی خرید و فروخت جائز نہ ہوگی اگر کوئی شخص

اس کو ضائع کر دے یا غصب کر لے تو اس پر تاوان واجب نہ ہوگا۔ حتی لا یضیی

متلفہا و غاصبہا ولا یجوز بیعہا

5- اس سے کسی بھی طرح کا نافع اٹھانا مثلاً جانوروں کو پلانا، زمین کو اس کے ذریعہ ترک کرنا جسم کے

خارجی استعمال اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوائی علاج وغیرہ جائز نہیں۔

و حرم الانتفاع بہا ولو یسقی دواب او الطین او نظر للتلہی ادنی

دواء او دھن او طعام او غیر ذلک۔

6- اس کے پینے پر بہر حال حد جاری ہوگی چاہے نشہ کی کیفیت پیدا ہوئی

ہو یا نہیں ہو۔

یحد شار بہا وان یسکر منہا

7- خمر بننے کے بعد اگر اس کو پکا جائے یہاں تک کہ نشہ کی کیفیت ختم ہو جائے تب بھی اس کی

حرمت باقی رہے گی البتہ اب جب تک نشہ پیدا نہ ہو جائے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

8- امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا سرکہ بنانا درست ہوگا۔

(ہدایہ چہار ص 478-477، ثامی ج 5 ص 89-288)

## 2- منصف و باذن

انگور کے رس کو اس قدر پکا یا جائے کہ اس کا نصف حصہ یا نصف سے زیادہ اور دو تہائی سے کم

حصہ جل جائے اور نصف یا ایک تہائی سے زیادہ بچ رہے تو یہ بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک شدت پیدا ہو

جانے اور جھاگ پھینکنے کی صورت میں اور صاحبین کے نزدیک محض شدت پیدا ہو جانے کی وجہ سے حرام

ہو جائے گی۔ اگر پکانے کے بعد نصف مقدار باقی رہ جائے تو ”منصف“ اور تہائی سے زیادہ تو ”باقی“ کہلاتا ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک یہ دونوں مشروب حلال ہیں۔

3- سکر

کھجور سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب ”سکر“ اور ”نقع التمر“ کہلاتا ہے یہ بھی حرام ہے فہو حرام مکروہ۔۔۔۔۔

شریک بن عبد اللہ کے نزدیک یہ حلال ہے۔

4- نقع زبيب

کشش سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب جس میں شدت اور جھاگ پیدا ہو جائے امام اوزاعی اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔

حکم

ان تینوں مشروبات اور خمر کے احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے۔ اس لئے کہ احناف کے نزدیک ان کی حرمت خمر سے کم تر ہے جن احکام میں فرق کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں۔

1- ان مشروبات کی حرمت سے انکار کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی اس لئے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان کی حرمت پر اتفاق نہیں ہے اس طرح ان کی حرمت قطعی باقی نہیں رہی بلکہ اس کی حیثیت ایک اجتہادی مسئلہ کی ہے۔

لان حرمتها اجتہادیة وحرمة الخمر قطعیة

2- ان مشروبات کے نجس ہونے پر فقہاء احناف متفق ہیں تاہم بعض حضرات کے نزدیک یہ بھی نجاست غلیظہ ہیں اور بعض کے نزدیک نجاست خفیفہ، سرخی اور صاحب نہر نے ان کے نجاست خفیفہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔

3- امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک یہ اس مقدار میں حرام ہوں گے جس سے نشہ پیدا ہو جائے چنانچہ اگر اتنی مقدار میں پی گئی کہ نشہ پیدا نہ ہونے پائے تو شراب کی سزا (حد) جاری نہیں ہوگی۔

لا یجب الحد بشر بہا حتی یسکر و یجب یشرب قطرة من الخمر



- 4- امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مشروبات ذی قیمت (مستقوم) ہوں گے چنانچہ ان کو فروخت کرنا امام صاحب کے نزدیک درست ہوگا اور اس کو ضائع کرنے والے کو تاوان ادا کرنا ہوگا البتہ یہ تاوان خود ان مشروبات کی شکل میں ادا نہیں کیا جاسکے گا بلکہ قیمت ادا کرنی ہوگی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ مشروبات بھی بے قیمت ہیں۔
- 5- ان سے کسی طرح کا نفع اٹھانا جائز نہ ہوگا۔

(الہدایہ چہارم ص 78-77، شامی ج 5 ص 89-288)

## حلال مشروبات

- اسی طرح جو مشروبات حلال ہیں وہ چار ہیں چاہے ان میں شدت پیدا ہو جائے:
- 1- کھجور اور کشمش کی نبیز جس کو تھوڑا سا پکا یا جائے۔ ان طبع ادنیٰ طبعہ۔
  - 2- کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیز جس کو تھوڑا سا پکا دیا جائے۔
  - 3- شہد، گیہوں وغیرہ کی نبیز چاہے پکائی گئی ہو یا نہیں۔
  - 4- ”مثلت غبی“۔۔ یعنی انگور کے رس کو اس قدر پکا یا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

لیکن اس کے حلال ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ ان مشروبات کے پینے کا مقصد لہو و لعب کا نہ ہو بلکہ قوت حاصل کرنا مقصود ہو، تاکہ نماز، روزہ، جہاد میں سہولت ہو، یا کسی بیماری میں اس سے فائدہ پہنچنے کا امکان ہو۔

التقویٰ فی اللیالی علی القیام فی الایام علی الصیام و القتال  
لا اعداء الاسلام اولتداوی لدفع الالام۔

اگر لہو و لعب مقصود ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ دوم یہ کہ اتنی مقدار نہ ہو کہ اس سے نشہ پیدا ہو۔ مالم یسکر۔۔۔ اگر غالب گمان ہو کہ اس کے پینے سے نشہ آجائے گا۔  
تو پھر اس کا پینا درست نہیں۔

لیکن امام محمد کو اس مسئلہ میں شیخین سے اختلاف ہے ان کے نزدیک ان مشروبات میں اگر شدت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو یہ بھی حرام ہو جاتے ہیں چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ، بہر حال وہ حرام ہوں

گی۔ ان کے پینے پر شراب کی سزا نافذ کی جائے گی۔ اگر پی کر کوئی بحالت نشہ طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ نیز وہ نجس شمار ہوگا۔ یہی رائے ائمہ ثلاثہ کی ہے اور اسی پر متاخرین احناف نے فتویٰ دیا ہے۔  
(دیکھئے رد المحتار ج 5 ص 93-292) (ماخوذ قاموس الفقہ ص 339 تا 343 مضمون میر محمد کراچی)

## اعتراض نمبر ۳۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۸: درندوں کے چمڑے کا استعمال ممنوع ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی المہدی بن اسماعیل عن ابیہ عن النبی ﷺ نہی عن جلود السباع ترجمہ: سیدنا اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے درندوں کے چمڑے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابو داؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمرود والسباع رقم الحدیث 4132) (نسائی ج 2 کتاب الفراء والعتیرۃ باب نہی عن الانتفاء بجلود السباع ص 191، رقم الحدیث 4258) (مسند احمد ج 5 ص 74، 75 رقم الحدیث 20725، 2073)

## فقہ حنفی

کل اہاب دبغت فقد طهر و جازت الصلوۃ فیہ والوضوء منہ الا جلد الخنزیر والادھی

(ہدایہ اولین کتاب الطہارۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ ص 4)

ہر چمڑا باغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے اس میں نماز پڑھنا یا اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ مگر خنزیر اور انسان کا چمڑا پاک نہیں ہوتا۔

(فقہ و حدیث ص 77)

فقہ حنفی کے دلائل

جواب:

اس مسئلہ میں احناف کے پاس کافی احادیث موجود ہیں جن میں آتا ہے کہ چمڑا باغت

سے پاک ہو جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

## حدیث نمبر ①:

عن سودة زوج النبی ﷺ قالت ماتت لنا شاة فذبغنا مسكها ثم  
مازلنا نذبذ فيه حتى صار شنا۔ (بخاری)

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ فرماتی  
ہیں کہ ہماری ایک بکری مر گئی تو ہم نے اس کے چمڑے کو دباغت دی پھر ہم نبیذ  
(جو کھجور اور پانی سے تیار ہوتی ہے) اس میں ڈالتے تھے یہاں تک وہ پرانی  
مشک بن گیا۔

## حدیث نمبر ②:

عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول اذا ذبح  
الاحباب فقد طهر۔ (مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول  
اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جب چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے تو وہ پاک  
ہو جاتا ہے۔

## حدیث نمبر ③:

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ امر ان يستمع بجلود  
الہیثہ اذا دبغت۔ (موطأ امام مالک)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول  
اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب مردار جانور کے چمڑے کو دباغت دی جائے تو اس  
کے استعمال سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ف: کیوں کہ چمڑا دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتا ہے۔

## حدیث نمبر ④:

عن سلمة بن الحبیب قال ان رسول اللہ ﷺ جاء في غزوة تبوك  
على اهل بيت فاذا قرية معلقة فسال الماء فقالوا له يا رسول الله

انما مہیتہ فقال دباغھا ظہورھا۔ (مسند احمد)

حضرت سلمہ بن محقق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک میں ایک گھر پر تشریف فرما ہوئے تو اس میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا آپ نے پانی مانگا۔ گھر والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مشکیزہ مردہ جانور کے چمڑے کا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دباغت اس کو پاک کرنے والی ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال ایما اہاب دبغ فقد طهر۔  
(ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ⑥:

عن جابر بن عبد اللہ قال کنا نصیب مع رسول اللہ ﷺ فی مغائنا من المشرکین الاسقیة فنقتسہا وکلہا مہیتہ فننتفع بذلك۔  
(الحادی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات کے مال غنیمت میں مشرکین کے مشکیزے ملا کر کرتے تھے تو ہم ان کو تقسیم کر لیتے تھے حالانکہ یہ مشکیزے مردار جانوروں کے ہوتے تھے اور ان کے استعمال سے نفع حاصل کرتے تھے۔

حدیث نمبر ⑦:

عن عبد اللہ بن عباس قال تصدق علی مولاة لمیمونۃ بشاة فماتت فمرہا رسول اللہ ﷺ فقال ہلا اخذتم اہابھا فدبغتموہا فانفعتہم بہ فقالوا انہا مہیتہ فقال انما حرما کلہا۔ (طحاوی)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت یہ کہ انہوں نے کہا کہ ام المومنین

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی کو ایک بکری خیرات میں دی تھی اور وہ مر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس پر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ کیوں تم نے اس کے چمڑے کو نہیں لیا کہ اس کو دباغت دے کر اس سے نفع حاصل کرتے۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مردار ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ صرف اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

حدیث نمبر ۸:

قال ماتت شاة لسودة بنت زمعة فقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فلانه يغني الشاة قال فلو لا اخذتم مسكها فقالت تاخذ مسك شاة قد ماتت فقال النبي صلى الله عليه وسلم انما قال الله (قل لا اجد فيها اوحى الى محرما على طاعم يطعمه الاية) فانه لا باس بان تذبحوه فتنفعوا به قالت فارسلت اليها فسلخت مسكها فذبحته فاتخذت منه قربة حتى تخرفت. (طحاوي)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت سودہ بنت زمعة رضی اللہ عنہا کی ایک بکری مر گئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مر گئی ہے یعنی بکری آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں تم نے اس کے چمڑے کو نہیں لیا؟ سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ہم کیسے بکری کے چمڑے کو لے سکتے تھے؟ جو مردار ہو گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام کی آیت (پ 8 رکوع 18) میں یہی فرمایا ہے: قل لا اجد فی او لحم خنزیر فانه رجس“ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے) تم فرماؤ (ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کہتے ہو) میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے۔ اس لئے اگر تم اس کو (یعنی مری ہوئی بکری کے چمڑے کو) دباغت دے دیتے اور اس سے نفع اٹھاتے تو کوئی حرج نہیں تھا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آدمی روانہ کر دیا اور کھال کھنچوا کر منگوالی اور اس کو دباغت دلوا کر اس سے مشکیزہ بنوایا۔ وہ استعمال میں رہا یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔



## حدیث نمبر ⑨:

عن میمونہ قالت مر علی النبی ﷺ رجال من قریش یجرون شاة  
 لهم مثال الحمار فقال لهم رسول اللہ ﷺ لو اخذتم اھا بھا قالوا  
 انھا میتة فقال رسول اللہ ﷺ یطہرھا الماء والقرظ۔ (ابوداؤد)  
 ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول  
 اللہ ﷺ کے پاس چند قریش کے لوگ اپنی ایک مری ہوئی بکری کو جو گدھے کی  
 طرح پھول گئی تھی کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے  
 فرمایا کہ کاش تم نے اس کے چمڑے کو لے لیا ہوتا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ  
 وہ مردار ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی اور کیکر پاک کر دیتے  
 ہیں۔ (اور یہ بھی دباغت کی ایک قسم ہے)

## حدیث نمبر ⑩:

عن عائشہ قالت قال رسول اللہ ﷺ استمتعوا بجلود البیتۃ  
 اذا هی دبغت ترابا کان اور مادا او ملحا او ما کان بعد ان یظهر  
 صلاحہ۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول  
 اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردار جانور کے چمڑے کے استعمال سے جب اسے  
 دباغت دی جائے تو فائدہ اشواء خواہ دباغت مٹی سے دی گئی ہو یا راکھ سے یا  
 نمک سے یا ایسی چیز سے دباغت دی گئی ہو کہ جس سے چمڑے میں صلاحیت  
 پیدا ہو جائے۔

ناظرین! ہم نے دس احادیث نقل کر دی ہیں جن میں صاف مذکور ہے کہ دباغت دینے سے

چمڑا پاک ہو جاتا ہے اب رہی یہ بات کہ دباغت کسے کہتے ہیں تو عرض ہے:

چمڑے سے اس کی بدبو اور ناپاک رطوبتوں کے دور کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ واضح رہے  
 کہ دباغت کی دو قسمیں ہیں۔

## 1- حقیقی 2- حکمی

دباغت حقیقی یہ ہے کہ چمڑے کو داؤدوں کے ذریعہ مثلاً نمک، انار کے چھلکے، مازو اور کیکر یعنی بول کے پتوں سے پاک کیا جائے اور دباغت حکمی یہ ہے کہ چمڑے کو دھوپ میں اس طرح طرح تپایا جائے یا مٹی اور راکھ میں اس طرح رونداجائے کہ اس کی بدبو اور رطوبت دور ہو جائے۔

دباغت حقیقی سے چمڑا ہمیشہ کے لئے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی نجاست پھر عود نہیں کرتی البتہ دباغت حکمی میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ نجس رطوبت پانی کی تری کی وجہ سے عود کر جائے گی تو چمڑا پھر نجس ہو جاتا ہے دوسری روایت میں ہے کہ دباغت حکمی کے بعد چمڑا دوبارہ پانی میں تر ہو جائے اور رطوبت ظاہر ہو جائے تو یہ رطوبت جو ظاہر ہوئی ہے اصلی پہلے کی رطوبت نہیں ہے کیونکہ چمڑے کی اصلی رطوبت دھوپ یا مٹی یا راکھ سے جا چکی تھی اس وجہ سے چمڑے کو نجس نہیں قرار دیا جاسکتا اور اسی دوسرے قول پر (جس سے چمڑے کا پاک رہنا ثابت ہوتا ہے) فتویٰ ہے (شرح وقایہ، عمدۃ الراية، غیاث اللغات) البتہ مختارات النوازل میں یہ صراحت ہے کہ دباغت حکمی میں اگر چمڑے کو دباغت سے پہلے پانی سے دھولیا جائے اور دھوپ یا مٹی یا راکھ کے ذریعہ دباغت دی جائے۔ تو چمڑے کی نجاست بالاتفاق عود نہیں کرے گی اور یہ دباغت حکمی دباغت حقیقی کے مثل ہو جائے گی۔

و عن ابی اھیم قال کل شیء یمنع الجلد من الفساد ھو دباغ.

(رواہ محمد فی الآثار)

حضرت ابراہیم سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہر ایسی چیز جو چمڑے کو خراب ہونے

سے روک دے تو یہی اس کے لئے دباغت ہے۔ (کتاب الآثار)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں

اور اس مضمون کی دوسری روایات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑے کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس کے متعلق تفصیل یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں جو نبی وارد ہے اس سے نبی تنزیہی مراد ہے اور یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے اور حدیث میں نبی اس لئے آئی ہے کہ درندوں کے چمڑوں کو پہننا اور ان کے چمڑوں پر سوار ہونا سرکش لوگوں اور نجی کفار اور عیش پرستوں کا عام دستور ہے لہذا انیک لوگوں کے لئے ان کا استعمال مناسب نہیں اس لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

منع کی بعض روایات میں اہاب کے لفظ بھی آئے ہیں۔ اہاب کہتے ہیں کچی کھال کو اور کچی کھال کو جلد کہتے ہیں فقہ حنفی میں بھی دباغت سے قبل مردار جانور کی کچی کھال اور پٹھے نجس ہیں ان سے نفع لینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کی تجارت جائز ہے مردار جانور کی کچی کھال کو پکانے اور خشک کرنے کے بعد اس سے نفع لینا اور تجارت کرنا جائز ہے اسی طرح مردار جانور کے سینگ اور ناخن وغیرہ جن پر زندگی کا اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو کائے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے ان سے نفع اٹھانا مطلقاً جائز ہے اور یہی تمام ائمہ کا مذہب ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: ایک روایت میں حضرت ابوالسلیحؒ نے درندوں کے چمڑوں کی قیمت کے استعمال کو مکروہ کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قیمت لینا اس وقت مکروہ ہوگا کہ چمڑے کی دباغت نہ ہوئی ہو اس لئے کہ قبل دباغت چمڑا نجس رہتا ہے لیکن دباغت کے بعد اس کو فروخت کر کے قیمت کا حاصل کرنا مکروہ نہیں ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں صراحت ہے کہ مردہ جانوروں کے چمڑوں کا فروخت کرنا باطل اور ناجائز ہے بشرطیکہ وہ جانور ذبح کئے نہ ہوں، یا ان کو دباغت نہ ہوئی ہو۔ (مسرت)

### اعتراض نمبر ۳۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ۳۹: جس چیز کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔

ترمذی ج ۲ ابواب الاشربة باب ما جاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ص ۹، رقم الحديث ۱۵۶۵ (ابوداؤد - کتاب الاشربة باب ما جاء في السكر ص ۱۶۲ رقم الحديث ۳۶۸۱) (ابن ماجہ کتاب الاشربة باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ص ۲۴۳ رقم الحديث ۳۳۹۴۳۳۹۴)

## فقہ حنفی

ولان المفسد هو القدح المسكر وهو حرام عن دنا

(ہدایہ آخرین ج 4 کتاب الشرب ص 497)

یعنی ہمارے (احناف) کے نزدیک وہ شراب کا پیالہ حرام ہے جس سے نشہ ہوتا ہے۔

(فقہ و حدیث ص 78)

جواب:

1- علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ ج 5 ص 79/80 میں لکھتے ہیں خمر کے علاوہ باقی نبیذوں میں نشہ کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہے اور خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد لازم آتی ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو۔

2- امام محمد لکھتے ہیں:

محمد بن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال الخمر  
قلیلھا و کثیرھا۔ (مناہج الاثر ص 154)

امام محمد، امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا خمر  
(شراب) مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

صاحب ہدایہ بھی یہاں پر یہ کہتے ہیں کہ خمر کے علاوہ نبیذ وغیرہ جب حرام ہوتی ہے جب اس میں  
نشہ آجائے۔ جب تک نشہ نہیں اس وقت تک حرام بھی نہیں جس جام سے نشہ آئے گا اسی کو حرام کہا جائے گا پہلے  
جو نبیذ پی ہے وہ صحیح تھی اس میں نشہ نہیں تھا تو اس پر حرام کا حکم کیسے لگے گا۔ ہدایہ کا یہ مسئلہ بالکل درست ہے۔  
وجہ اس کی یہ ہے کہ نبیذ و خمر شراب بمعنی خمر کا نہیں بلکہ اس پانی کا نام ہے جس میں چند کھجوریں  
ڈال دی جائیں تاکہ پانی میٹھا ہو جائے جس طرح آج کل شکر ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا ہے اسی طرح  
زمانہ رسالت مآب ﷺ میں کھجوریں ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا تھا شرعاً اس مشروب کا پینا بلا کراہت  
درست ہے حضور اقدس ﷺ نے اس کو بار بار نوش فرمایا ہے چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس پیالہ میں پینے کی  
طہر چیز پلائی ہے۔ شہد، نبیذ، پانی اور دودھ۔ (مشکوٰۃ مترجم ج 2 ص 219 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حدیث نمبر ۲۰۲:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا ہم ایک مشک میں رسول اللہ ﷺ کے لئے نبیذ بناتے تھے اوپر کی جانب سے اس کو بند کر دیا جاتا تھا نیچے اس کا دہانہ تھا ہم صبح نبیذ ڈالتے آپ رات کو پی لیتے ہم رات کو نبیذ بناتے آپ صبح پی لیتے۔ (مشکوٰۃ مترجم ج 2 ص 320)

حدیث نمبر ۲۰۳:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ کے لئے رات کے پہلے حصہ میں نبیذ ڈالی جاتی تھی آپ اس دن پیتے بعد میں آنے والی رات کو بھی پیتے دوسرے دن اگلی رات بھی اور تیسرے روز عصر تک اگر کچ رہتی خادم کو پلا دیتے یا حکم فرماتے اس کو پھینک دیا جائے۔ (مشکوٰۃ مترجم ج 2 ص 320)

حدیث کی شرح میں محدثین نے فرمایا کہ اگر بوجہ گرمی وغیرہ کے نبیذ میں نشہ پیدا ہو جاتا (جس کی پہچان رنگ بدلنے یا جھاگ پیدا ہونے وغیرہ سے ہو جاتی ہے) تو حضور اکرم ﷺ اس کے گرانے کا حکم دے دیتے اور اگر نشہ پیدا نہ ہو تو خادم کو پلا دیتے۔ (مرقات ص 227 ج 8)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبیذ ترمعدہ و پسندیدہ مشروب ہے۔ البتہ اسے اگر زیادہ دیر تک رکھا جائے تو اس میں کبھی نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے یہ مشروب نشہ آور ہونے سے پہلے بلا کراہت حلال ہے اور نشہ آور ہونے کے بعد بلا شبہ حرام ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے احناف کا مسلک اسی کے مطابق ہے مخالف نہیں۔ فقہ حنفی بھی فخر کے بارے میں یہی کہتی ہے۔ البتہ نبیذ کا حکم جدا ہے ہدایہ میں نبیذ کی ہی بحث تھی نہ خمر کی۔

## اعتراض نمبر ۲۰۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۰۴: ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال لا نکاح الا بولی



ترجمہ: سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(ابوداؤد ج ۱ کتاب النکاح باب فی الولی ص 291، رقم الحدیث 2085) (ترمذی ج ۱ کتاب النکاح باب ما جاء لانکاح الابولی ص 208، رقم الحدیث 1101) (ابن ماجہ کتاب النکاح باب لانکاح الابولی ص 135، رقم الحدیث 1881)

### فقہ حنفی

وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغة برضاءها وان لم یعقد علیہا ولی  
بکرا او ثیبیا (ہدایہ اولین ج 2 کتاب النکاح باب فی الاولیاء والاکفاء ص 313)  
ترجمہ: یعنی آزر، عاقلہ، بالغہ عورت کا نکاح اس کی رضا مندی سے ولی کے  
بغیر ہو جائے گا وہ کنواری ہو یا بیوہ۔ (فتہ دمئیٹ ص 79)

جہاں:

امام ابو حنیفہ کا طریقہ اجتہادیہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں وارد ہونے والی تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر  
ایسا مسلک اختیار کرتے ہیں۔ جس سے حتی الامکان ساری روایات جمع ہو جائیں اور کوئی روایت عمل کرنے  
سے نہ رہ جائے۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے۔ مملوکہ، صغیرہ، مجنونہ کو غلامی، بچپن اور پاگل پن کے  
عواض کی بنا پر اپنا نکاح خود کرنے کا حق بالاتفاق حاصل نہیں ان کا نکاح ان کے ولی ہی کریں گے لیکن آزاد،  
عاقلہ اور بالغہ عورت کے بارے میں قرآن و سنت کے قطعی دلائل اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ اپنا نکاح خود  
کر سکتی ہیں۔ اور ولی کے بغیر اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

### سورۃ بقرہ سے دلائل

پہلی آیت

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ  
أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي  
أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(پارہ نمبر 2 سورۃ بقرہ آیت نمبر 234)

اور جو بوجہ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور یہ بیاہن چھوڑ جاتے ہیں وہ یہ بیاہن اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روک رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا صاف اور واضح حکم ہم کو ملتا ہے کہ بیوہ عورت اگر بعد از عدت معروف احسن طریقہ پر اپنا نکاح کسی مرد سے کر لیتی ہے تو وہ کر سکتی ہے اور کسی پر کوئی گناہ یا بار نہیں ہے۔

### دوسری آیت

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَيْثُ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

”اگر خاوند بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو اس کے لئے وہ عورت حلال نہ رہی۔ جب تک دوسرے کسی شخص سے نکاح کر لے۔ (سورۃ بقرہ آیت 230)

اس آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقہ عورت کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

### تیسری آیت

قرآن مجید میں سر پرستوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

اور اس کے بعد ان کو روکو اگر وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں۔

(سورۃ بقرہ آیت 232)

اس آیت میں اولیاء کو تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے لفظ ”عَضْلٌ“ استعمال کیا ہے جس کے

معنی ہیں ”ظلم و تگلی“، یعنی اولیاء کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک مطلقہ عورت جو کہ معروف طریقہ سے اپنی شادی کرنا چاہتی ہے اسے روکیں یا اس کے لئے کوئی تگلی پیدا کریں یا اس پر کسی قسم کا ظلم روا رکھیں۔ لہذا

ایسی عورت کو اپنے کفو میں شادی سے روکنے کی سخت اور واضح ممانعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ۔ (سورۃ بقرہ آیت 232)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پورا کر لیں تو تم انہیں جب کہ وہ نیک طریقہ پر باہم رضامند ہو جائیں اپنے خاندنوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو۔

اس آیت مبارکہ میں اَنْ يَنْكِحَنَّ اَزْوَاجَهُنَّ کہ ”وہ اپنے خاندنوں سے (اپنی مرضی) سے نکاح کر لیں“۔ یہ جملہ غور طلب ہے کہ اس جملہ میں ایک فعل یعنی نکاح کا ذکر ہو رہا ہے جس کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے لہذا فعل کی نسبت ہمیشہ فاعل کی طرف ہوتی ہے اور اس جملہ کی رو سے فاعل عورتیں ہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ فعل نکاح عورت کر سکتی ہے کہ شارع نے خود اس فعل کی نسبت بطور فاعل عورت یا عورتوں کی طرف کی ہے باقی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کو عورت کو اس فعل سے روکنے کا کوئی اختیار نہیں بشرطیکہ یہ فعل عورت معروف یعنی صحیح اور احسن طریقہ سے کر رہی ہو۔

### ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر عورتوں کا نکاح کرنے کی نسبت ان کی سرپرستوں کی طرف بھی کی گئی ہے۔ (مثلاً سورۃ نور کی آیت نمبر 32 و سورۃ بقرہ آیت نمبر 221) اور ایک جگہ مردوں کو یہ بھی خطاب ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کے گھر والوں کی اجازت سے نکاح کرو (سورۃ نساء آیت 25) لیکن امام ابو حنیفہ کا مسلک ان آیات کے خلاف نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک جیسے عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، اس طرح اس کا سرپرست بھی اس کی رضامندی سے نکاح کر سکتا ہے، بلکہ سرپرست کا نکاح میں موجود ہونا اور امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے۔ اسی طرح مردوں کے لئے پسندیدہ اور باوقار طریقہ یہی ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کا پیغام خاندان کے واسطے سے ہی بھیجیں۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر عورت خاندان اور سرپرست کے واسطے کے بغیر، اپنا نکاح خود کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

### احادیث سے دلائل

#### پہلی حدیث

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ الايم احق بنفسها من

وليها، والبركر شامر في نفسها واذنها صماتها

(موطا امام مالک کتاب النکاح ص 416 مترجم طوبہ فرید بک خال لاہور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیر شادی شدہ (ایم) عورت کو اپنے اوپر والی کی نسبت زیادہ حق ہے اور کنواری سے اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

اس حدیث میں لفظ ایم نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کے معنی ہیں بغیر ”شوہر والی عورت یا کنی“ اب چاہے اس کی شادی سرے سے ہوئی ہی نہ ہو یا وہ بیوہ یا مطلقہ ہو گئی ہو۔

### دوسری حدیث

”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی ﷺ لا تنکح الایم حتی تسامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قاکوا یا رسول اللہ و کیف اذنہا قال ان تسکت“  
(بخاری شریف کتاب النکاح ج 6 ص 477)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایم (غیر شوہر والی) عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے۔ اسی طرح باکرہ کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے۔ لوگوں نے کہا وہ اذن کس طرح دے گی حضور ﷺ نے فرمایا اس کا اذن یہ ہی ہے کہ وہ سن کر چپ ہو جائے۔

### تیسری حدیث

ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال النبی ﷺ الثیب احق بنفسها من ولیہا و البکر یستأذنہا ابوہا فی نفسہا و اذنہا صماتہا و ربما قال صمتہا اقرارہا۔ (مسلم کتاب النکاح ج 1 ص 455)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثیب (بیوہ یا مطلقہ) عورت اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اس کا باپ اس کی ذات کے لئے اجازت لے اور اجازت اس کا چپ رہنا ہے اور بعض وقت راوی نے کہا کہ اس کا چپ رہنا گویا اقرار ہے۔

## چوتھی حدیث

عن ابن عباس ان جاریة بکرا انت رسول الله فذکرت ان اباه  
زوجها وھی کارهة، هخیرها النبی ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ اسے ناپسند ہے نبی کریم ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا۔

(الفتح الربانی ج 1 ص 16 ص 162 مصنف عبد الرزاق ج 6 ص 47-146)

مصنف عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے والد سے کہا: تمہارا کیا ہوا نکاح کا اعدم ہے۔ اور لڑکی سے کہا جاؤ اور جس سے چاہتی ہو نکاح کرو۔

## پانچویں حدیث

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال: جاءت فتاة الى رسول الله ﷺ فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیه لیرفع بی حسینتہ قال: فجعل الامر الیہا فقالت: قد اجزت ما صنع ابی ولكن اردت ان اعلم النساء ان لیس الی الاباء من الامر شیء۔

(سنن ابی ماجہ کتاب النکاح حدیث نمبر 1961 مترجم مطبوعہ فرید بک ٹرال لاہور)

حضرت بریدہ بن ربیعہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ایک نوجوان عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ میری وجہ سے اس کی رذالت دور کر دیں۔ آپ نے اسے اختیار دے دیا۔ اس پر اس نے کہا میرے والد نے جو کچھ کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے لیکن میری غرض آپ سے پوچھنے کی یہ ہے کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں باپوں کو کوئی اختیار نہیں۔

## چھٹی حدیث

عن خنساء بنت حزام الانصاریة ان اباه زوجها وھی ثیب  
مکرهت ذلك ماتت رسول الله و فر د نکاحه



حضرت خنساء انصاریہ کہتی ہیں میرا نکاح میرے والد نے ایسی جگہ کیا جہاں میں پسند نہ کرتی تھی اور میں شیبہ تھی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے نکاح فسخ کر دیا۔  
(بخاری ج 1 ص 78-477)

### ساتویں حدیث

عن علی انه اجاز نکاح امرأۃ بغیر ولی انکحتها امہا برضاها۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت یہ کہ انہوں نے ایک ایسی عورت سے نکاح کو جائز قرار دیا جس کا نکاح بغیر ولی کے اس کی ماں نے اس کی مرضی سے کیا تھا۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ 4/2 ص 133 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

### آٹھویں حدیث

علی بن عبد اللہ قال حدثنا مرحوم قال سمعت ثابتاً بن ابی النبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعرض علیہ نفسہا قالت یا رسول اللہ انک بی حاجة فقال بنت انس ما اقل حبائہا واسوۃ اتاہا واسواتاہا قال ہی خبر منک رغبت فی النبی ﷺ فعرضت علیہ نفسہا

علی بن عبد اللہ مرحوم سے ثابت بن ابی کہتے ہیں میں نے انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ان کے پاس ان کی ایک بیٹی بھی بیٹھی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اس نے اپنا نفس آپ کو پیش کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو میری خواہش ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہنے لگی کیا بے شرم عورت تھی افسوس افسوس انس رضی اللہ عنہ نے کہا وہ عورت تجھ سے بہتر تھی اس نے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا نفس آپ کو پیش کیا۔

(بخاری مع تبصرہ الباری ج 5 ص 97 حدیث نمبر 107 نعمانی مکتبہ ناز لاہور)

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی کتاب النکاح میں وارد ہوئی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی اس تشریح میں فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ یہ کون سی عورت تھی بہر حال ان عورتوں میں سے تھی

جنہوں نے اپنے تئیں آنحضرت ﷺ کو بخش دیا۔

قسط لانی نے کہا کہ اس حدیث سے یہ نکلا کہ نیک بخت اور دیندار مرد کے سامنے اگر عورت اپنے تئیں پیش کرے تو اس میں کوئی عار کی بات نہیں البتہ دنیاوی غرض سے ایسا کرنا برا ہے۔

مندرجہ بالا حلیل القدر علماء کی آراء سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں اولاً یہ کہ ایسے واقعات ایک سے زیادہ مرتبہ رونما ہوئے کہ کسی عورت نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ذات اقدس میں بغرض نکاح پیش کیا ہو اور ثانیاً یہ کہ اگر عورتوں کو اپنا نکاح خود کرنے یا نکاح کے لئے اپنی رائے کے اظہار کی اجازت نہ ہوتی جیسا کہ راشدی صاحب کی رائے ہے تو کسی عورت کی مجال ہو سکتی تھی کہ دربار رسالت حاضر ہو اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اپنی اس رائے کا اظہار کرے اور اگر کوئی اس کی جسارت کر بھی لے تو حضور ﷺ اس کو اپنے قول یا فعل سے نہ روکیں لہذا یہ حدیث سنت تقریری کے ضمن میں اس مسئلہ کے حوالہ سے آتی ہے کہ ایک فعل حضور ﷺ کے سامنے ہو اور حضور ﷺ نے اس فعل کے کرنے والے کو نہ روکا نہ منع فرمایا اور نہ مینا پسندیدگی کا اظہار کیا۔

### نوٹس حدیث

عن ام سلمة. لما بعث النبي ﷺ يخطبها قالت ليس احد من اوليائي شاهد. فقال رسول الله ﷺ " ليس احد من اوليائك شاهد ولا غائب يكره ذلك. فقالت لا ينهيا يا عمر قم فزوج رسول الله ﷺ فزوجہ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا کوئی موجود وغیرہ موجود ولی ایسا نہیں جو یہ نکاح ناپسند کرے گا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے کہا عمر اٹھو اور میرا اللہ کے رسول سے نکاح کرادو اور عمر نے اپنی ماں کا نکاح کرادیا۔

(متن نسائی کتاب النکاح ج 2 مترجم شامہ حدیث)

### دوسری حدیث

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن. انه سئل عبد الله بن عباس و ابو هريرة

عن البراءة الحامل یتوفی عنها زوجها فقال ابن عباس اخر  
الاجلین وقال ابو هريرة اذا ولدت فقد حلت فدخل ابو سلمة بن  
عبدالرحمن علی ام سلمة زوج النبی ﷺ فساء لها عن ذلك  
فقال ام سلمة ولدت سبیعة الاسلامیة بعد وفات زوجها  
بنصف شهر فخطبها رجلان احدهما شاب والاخر کهل فخطت الی  
الشاب فقال الکهل تحلی بعد وکان اهلها غیبا ورجا اذا جاء  
اهلها ان یوثروه بها فجاءت رسول الله ﷺ فذکرت له ذلك فقال  
قد حللت فانکحی من شئت۔

ترجمہ: ابی سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو  
ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ حاملہ عورت کا خاوند اگر مر جائے تو وہ کس حساب سے  
عدت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دونوں عدتوں میں سے جو عدت دور ہو  
اس کو اختیار کرے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا وضع حمل تک انتظار کرے پھر ابو سلمہ  
حضرت ام سلمہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ سبیعہ  
اسلمیہ اپنے خاوند کے مرنے کے بعد پندرہ دن میں جنی پھر دو شخصوں نے اس کو  
پیام بھیجا ایک جوان تھا اور دوسرا ادھیڑ وہ جوان کی طرف مائل ہوئی ادھیڑ نے کہا  
تیری عدت ہی ابھی نہیں گزری اس خیال سے کہ اس کے عزیز وہاں نہ تھے جب  
وہ آئیں گے تو شاید اس عورت کو میری طرف مائل کر دیں پھر سبیعہ رسول  
اللہ ﷺ کے پاس آئی اور یہ حال بیان کیا کہ آپ نے فرمایا تیری عدت گزر گئی تو  
جس سے چاہے نکاح کر لے۔

## حاصل

یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ اور  
اس کو یہ اختیار حاصل ہے اور کسی کو اس پر جبر کا حق حاصل نہیں۔  
لیکن امام ابوحنیفہ عورت کے اس حق کو دو شرطوں سے مشروط کرتے ہیں۔  
اولاً: یہ کہ عورت جو نکاح کرے وہ کفو میں کرے۔  
ثانیاً: یہ کہ وہ کم از کم نکاح میں مہر مثل مقرر کرے۔

عورت کا ایسا کیا ہوا نکاح جائز اور نافذ سمجھا جائے گا اور عورت کسی گناہ کی مرتکب نہ ہوگی اور نہ ہی یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حد سے تجاوز کیا۔

ناظرین کرام ہم نے یہاں پر صرف تین آیات قرآنی اور دس احادیث نقل کی ہیں۔ ویسے اس مسئلہ میں دلائل کافی ہیں ایک انصاف پسند آدمی کو اتنی بات کافی ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔ یہ روایت نہ بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں اور ہم نے اوپر جو دس احادیث پیش کی ہیں ان میں بخاری مسلم کی روایات بھی موجود ہیں۔ ویسے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی لڑکی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔

نواب نور الحسن خان بن نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں  
وحدیث لانکاح الا بولی مرسل است۔

اور لانکاح الاولی والی حدیث مرسل ہے۔ (عرف المجاہذ ص 106)  
اور موجود غیر مقلدین کی اکثریت مرسل حدیث کو نہیں مانتی۔

## اعتراض نمبر ۴۱

مسئلہ ۴۱: جس برتن میں کتا منہ ڈالے اسے سات بار دھونا ضروری ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شرب الکلب فی اناء  
احد کمر فلیغسلہ سبع مرات

ترجمہ: سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو چاہئے کہ برتن کو سات بار دھوئے۔

(بخاری ج ۱ کتاب الوضوء باب اذا شرب الکلب فی الاناء ص 29 رقم الحدیث 172)

(مسند ج ۱ کتاب الطہارۃ باب حکم الوضوء الکلب ص 137 رقم الحدیث 650)

## فقہ حنفی

## یغسل الاناء من لوعة ثلاثا

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الطہارۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ ص ۴۸)

کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو تین بار دھویا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 80)

## جواب:

کتے کے جھوٹے برتن کو دھونے کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

1- کتے کے جھوٹے برتن کو سات دفعہ دھوؤ الودھوؤیس دفعہ مٹی سے مانجھو۔

(مسلم عن عبد اللہ بن المغفل)

2- کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(بخاری مسلم عن ابی ہریرۃ)

3- کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔

(کامل ابن عدی عن ابی ہریرۃ صحیح او حسن معارف السنن ج ۱ ص 325)

یہ آنحضرت ﷺ کے تین حکم ہیں آٹھ مرتبہ دھونا سات مرتبہ دھونا تین مرتبہ دھونا۔

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونا چاہیے۔

(دارقطنی لطاویٰ لمصحح آثار السنن ج ۱ ص 12)

محدث طحاوی فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تین بار دھونے کا فتویٰ دینا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھتے ہیں یہ

نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ کے خلاف

دیں۔ اس سے تو آپ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

(طحاوی ج ۱ ص 23)



مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء سے جب کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ سب سنا ہے سات مرتبہ پانچ مرتبہ اور تین مرتبہ۔ (عبدالرزاق ج 1 ص 97)

مدینہ منورہ کے مفتی حضرت معمر جو سات اور آٹھ دفعہ دھونے کی حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں میں نے امام زہری سے کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا تین مرتبہ دھویا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج 1 ص 97)

کوفہ کے مفتی سید الامام الاعظم بھی یہی فتویٰ دیتے تھے کہ برتن تین مرتبہ دھویا جائے۔

آنحضرت ﷺ سے تین حکم مروی ہیں جو بظاہر متعارض ہیں اور خود آنحضرت ﷺ سے ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ مروی نہیں کہ کون سا پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا۔ اور جو فیصلہ صراحتاً کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اس میں بنفس حدیث معاذ رضی اللہ عنہ مجتہد اجتہاد سے جو فیصلہ دے وہ لازم العمل ہوگا۔

## ایک اور واضح حدیث

احادیث پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کتوں کے بارہ میں احکام بہت سخت تھے ان کو مار ڈالنے کا حکم تھا بعد میں ان سے شکار کھیلنے کی اجازت مل گئی اور احکام نرم کر دیئے گئے اس لئے خیر القرون میں تمام مراکز اسلام، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ میں فتویٰ تین پر ہی رہا۔

راشدی صاحب نے احناف کثر اللہ سوادہم پر اعتراض کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے بھی دھوکا کیا کہ آپ کے تین حکموں میں سے ایک حکم بتایا اور دو کو چھپایا۔

دوسرا فریب یہ کہ صحابی رسول اللہ ﷺ اور تابعین کے صحیح فتوؤں کو چھپایا انہوں نے تین والی حدیث پر فتویٰ دیا تھا اس نے خیر القرون والوں کے خلاف محض ضد اور نفسانیت سے اس فتویٰ کی مخالف کی۔

## ہدایہ کی مکمل عبارت

اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔ اور کتے کا منہ پانی کو لگا تھا نہ کہ برتن کو تو جب برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بہ درجہ اولیٰ ناپاک ہو گیا یہ دلیل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اور حدیث شریف میں تین مرتبہ کا عدد امام شافعی پر حجت ہے جو سات مرتبہ کو شرط قرار دیتے ہیں کتے کا

پیشاب جہاں لگ جائے تو (بانا اتفاق) تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور حدیث میں جو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ اسلام کے ابتدائی دور سے متعلق ہے (اب منسوخ ہے)

(ہدایہ ج 1 ص 45)

دیکھو صاحب ہدایہ نے مسئلہ کا ثبوت حدیث پاک سے دیا تھا اور قیاس والی دلیل بھی نقل کی تھی اور سات والی روایت کا جواب بھی دیا تھا۔ مگر راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں انتہائی خیانت کی ہے۔ راشدی صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے تین زبردست بے ایمانیاں کیں۔

1- احادیث رسول سے بے ایمانی۔

2- خیر القرون سے بے ایمانی۔

3- ہدایہ سے بے ایمانی۔

نوٹ:

لامذہب اپنی بددیانتیوں کو چھپانے کے لئے جلدی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ سات والی حدیث صحیح ہے اور تین والی ضعیف ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ سات والی حدیث کو صحیح اور تین والی کو ضعیف اللہ کے نبی نے کہا ہے یا کسی امتی نے اگر نبی پاکؐ نے فرمایا ہے تو حدیث پیش کرو اگر کسی امتی نے کہا ہے تو امتی کی تقلید آپ کے مذہب میں شرک ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ امتی خیر القرون کا مجتہد ہے یا بعد القرون کا غیر مجتہد۔ ہم تو خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی غیر مجتہد کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ خیر القرون والوں کی خیریت حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بعد والوں کی خیریت حدیث سے ثابت نہیں اور مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت ہے کسی غیر مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت نہیں۔

راشدی صاحب نے احناف پر اعتراض کرنے کے لئے تو دیانت و امانت سب کو خیر باد کہہ دیا مگر صحیح بخاری ص 129 ج 1 پر نکتے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت موجود ہے ذرا اس

طرف بھی توجہ فرماتے اور آپ کے علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کتے کا پیشاب پاک ہے (ہدایہ المہدی ج 3 ص 78) اور نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کتے کے گوشت، خون، بال اور پسینہ کے نجس

ہونے پر دلیل نہیں ہے۔ (بدور احوال ص 16)

راشدی صاحب نے ان کی تردید میں کیا لکھا ہے جو کسی امتی کے نام سے نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے نام سے ایسے گندے مسائل پھیلا کر نبی معصوم ﷺ کو بدنام کر رہے ہیں۔ راشدی صاحب آپ کے ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ بیوی کے حق مہر میں کتاب دینا جائز ہے۔

## اعتراض نمبر ۴۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴۲: اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے

حدیث نبوی ﷺ

انما الاعمال بالنیات

ترجمہ: اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

(بخاری ج ۱ کتاب العلم باب کیف کان بدا الوحي الي رسول الله صلى الله عليه وسلم ص 2. حدیث نمبر 1) (مسلم ج 2 ص 140 کتاب الأمارات باب قوله انما الاعمال بالنية حدیث نمبر 1907)

## فقہ حنفی

ولا يشترط نية التيمم للحدث او للجنابة هو الصحيح من المذهب

(خدایہ اولین ج ۱ کتاب الطهارة باب التيمم ص 51)

حنفی مذہب کے مطابق صحیح فیصلہ یہ ہے کہ تیمم کے لئے نیت شرط نہیں ہے۔ وہ تیمم بے وضو ہونے کی وجہ سے ہو یا جنابت کی وجہ سے۔ (فقہ وحدیث ص 81)

جواب:

راشدی صاحب نے یہاں پر حنفی مذہب غلط نقل کیا ہے حنفی مذہب میں تیمم کے لئے نیت کرنا ضروری ہے ملاحظہ فرمائیں۔

- 1- قدوری مترجم اردو ص 19 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔ نیت تیمم میں فرض ہے۔
- 2- کنز الدقائق مترجم اردو ص 17 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔
- تیمم کی نیت کر کے ایک دفعہ دونوں ہاتھ زمین پر مار کر سارے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر دونوں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیرے۔
- 3- شرح وقایہ مترجم اردو ص 73 مطبوعہ میر محمد کراچی میں ہے۔
- پس نیت تیمم میں فرض ہے۔
- 4- ہدایہ اولین ص 38-34 مطبوعہ کارخانہ علی محمد کراچی میں ہے۔
- تیمم کرنے والا جب طہارت یا نماز کی نیت کرے تو جائز ہے۔
- 5- علامہ عینی عمدة القاری ج 4 ص 607 مطبوعہ مصر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے تحت لکھتے ہیں۔
- اس حدیث میں تیمم میں نیت کے وجوب پر دلیل ہے۔ کیونکہ تیمم کا معنی ہے قصد کرو۔
- 6- فتاویٰ عالمگیری اردو جلد 1 ص 38 باب تیمم میں ہے اور پہلی فصل ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں ان میں سے نیت ہے۔
- 7- مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری حنفی عماد الدین ص 86 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز میں لکھتے ہیں۔
- سوال: تیمم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟
- جواب: آدمی کو چاہے پہلے نیت کرے الخ
- 7- مفتی کفایت دہلوی حنفی تعلیم الاسلام حصہ سوم ص 66 مطبوعہ تاج کمپنی کراچی میں لکھتے ہیں۔
- سوال: تیمم کرنے کا پورا طریقہ بتاؤ؟
- جواب: اول نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے تیمم کرتا ہوں۔ الخ
- 9- شیخ محمد الیاس فیصل حنفی نماز پیمبر ﷺ ص 89 مطبوعہ سنی پبلیکیشنز لاہور میں لکھتے ہیں۔
- تیمم کا طریقہ
- تیمم کی نیت کر کے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر جھاڑ دے الخ
- 10- اکرام الحق حنفی اسلامیات مکمل جلد اول ص 173 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ راولپنڈی میں لکھتے ہیں۔

تیمم میں بھی تین فرض ہیں۔ پاکی حاصل کرنے کے لئے تیمم کی نیت کرنا الخ  
11- نماز مسنون کلاں ص 138 مطبوعہ مکتبہ درس القرآن گوجرانوالہ میں ہے۔

مسئلہ

تیمم کے لئے نیت کرنا ضروری ہے۔ (ہدایہ ج 1 ص 26 بکیری ص 64 شرح نقایہ ج 1 ص 26)  
ناظرین ہم نے گیارہ حوالے نقل کر دیئے ہیں جس میں ہدایہ کا حوالہ بھی موجود ہے جن میں  
نیت کرنے کا ذکر ہے یہاں پر ہدایہ میں مسئلہ اور لکھا ہوا ہے۔  
راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا مطلب اور ہے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ  
یہ ضروری یعنی شرط نہیں کہ جنابت کے لئے تیمم کرے تو نیت الگ کرے وضو کے لئے تیمم کرے تو اس کے لئے  
الگ نیت کرے یہ شرط نہیں ہے۔ ایک کام کے لئے اگر تیمم کر لیا دوسرا کام بھی اس سے ادا ہو سکتا ہے۔

### اعتراض نمبر ۴۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴۳: گانا سننا حرام ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ الغناء ينبت النفاق في القلب كما  
ينبت الماء الزرع رواه البيهقي في شعب الایمان  
ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
گانا اسی طرح دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج 10 ص 223، رقم الحدیث، طبعہ مکتبہ دار البازمکة المکرمہ) (عن ابن  
مسعود، فی شعب الایمان، طبعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) (ابوداؤد باختصار)

اور دوسری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس موقع پر گانا بجانا ہو تو وہ دعوت قبول نہ کی جائے۔

جیسا کہ: واجب دعوة من دعاك من المسلمين مالم يظهر  
والمعازف فاذا اظهروا المعازف فلا تجبهم



ترجمہ: جو بھی مسلمان تمہیں دعوت دے اگر وہاں گانا بجانا نہ ہو تو دعوت قبول کرو اور اگر گانا بجانا (موسیقی) ہو تو اس کی دعوت قبول نہ کرو۔

### فقہ حنفی

من دعا الی ولیمة او طعام فوجز ثمة لعباً او غناء فلا بأس یان یقعد و  
بالکل وقال ابو حنیفة ابتلیت بهذا مرة فصبرت۔

(ہدایہ آخرین ج 4 کتاب الکراہیۃ فصل فی الکل والشراب بمضغہ 455)

کسی شخص کو ویسے یا کھانے کی دعوت دی جائے اور وہاں موسیقی اور گانا بجانا ہو تو اس شخص کے وہاں بیٹھنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ابو حنیفہ نے کہا ایک بار مجھ پر بھی آزمائش آئی تھی تو میں نے صبر کیا۔ (نقد وحدیث ص 82)

### جہاد:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہم ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں جس سے اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

جس شخص کو ولیمہ یا کسی کھانے کی دعوت دی گئی ہو پھر وہ وہاں پر کھیل کو دیا گانا پائے تو (مجبوراً) وہاں بیٹھنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ایسی مجلس میں بچس گیا تو میں نے صبر کیا۔ ایسی مجلس میں صبر کر کے بیٹھنا اور کھانا کھانے کی علت یہ ہے کہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس نے ابو القاسم (علیہ السلام) کی نافرمانی کی۔ چنانچہ اس دعوت کے ساتھ بدعت ملنے کی وجہ سے اسے نہ چھوڑے جیسا کہ اگر نماز جنازہ پر نوحہ کرنے والیاں جمع ہو جائیں پھر بھی پڑھنی واجب ہے۔ پھر اگر مدعو لوگو کو اس فعل سے روکنے پر قادر ہو تو روک دے اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو صبر کرے۔

صبر کرنے کی اجازت اس شخص کو ہے جو مقتدا اور رہنما نہ ہو۔ اگر کوئی مقتدا روکنے پر قادر نہ ہو تو ایسی مجلس سے نکل جائے اور وہاں نہ بیٹھے کیونکہ مقتدا کے وہاں بیٹھنے میں دین کی حقارت اور مسلمانوں پر مصیبت کا دروازہ کھولنا ہے۔

اور یہ قصہ جو امام صاحب کا منقول ہے آپ کے مقتدا بننے سے پہلے کا ہے۔ اور اگر یہ گانا

وغیرہ دسترخوان پر ہی شروع ہو جائے تو پھر وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے مقتدا نہ ہی ہو بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ یہ تمام مذکورہ صورتیں تب ہیں جب یہ گانا وغیرہ مجلس میں حاضر ہونے کے بعد شروع ہوا ہو اور اگر مدعو کو حاضر ہونے سے قبل ہی معلوم ہو جائے تو ایسی مجلس میں حاضر نہ ہو کیونکہ اس کو حق دعوت لازم نہیں ہوا بخلاف اس صورت کے کہ جب حاضر ہونے کے بعد اچانک یہ کام شروع ہو جائے بلکہ اب اس کو حق دعوت لازم ہو چکا ہے۔ اور یہ مسئلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ گانے بجانے کے تمام آلات حرام ہیں یہاں تک کہ بانسری کے ساتھ بھی اور اسی پر امام صاحب کا قول ابتلیت دلالت کرتا ہے کیونچہ ابتلاء حرام ہی میں ہوتی ہے۔

(ہدایہ کتاب الکراہیہ)

محترم ناظرین آپ نے ہدایہ کی پوری عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیا اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ صاحب ہدایہ تو گانے بجانے کے تمام آلات حتیٰ کہ بانسری کو بھی حرام فرماتے ہیں اور امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جناب راشدی صاحب کو نامعلوم فقہ دشمنی اور احناف کے حسد اور بغض سے کیا ہو گیا کہ اتنی واضح عبارت بھی حضرت کو دکھائی نہ دی۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص الاقربوا الصلوٰۃ پڑھتا چلا جائے اور اس سے آگے ایک حرف بھی نہ پڑھے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں نماز نہ پڑھ کر قرآن پر عمل کر رہا ہوں۔ ہمارے حنفی علماء نے تو گانے کے حرام ہونے پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ کے نام ملاحظہ فرمائیں۔

1- اسلام اور موسیقی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب۔

2- گانا بجانا قرآن و سنت کی روشنی میں۔ حضرت مولانا زاہد الحق حسینی صاحب۔

3- حق السماع۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب۔

4- اسلام اور قوالی مفتی فیض الرحمن صاحب۔

ان کے علاوہ اور کتب بھی اس مسئلہ پر موجود ہیں ان میں تمام تفصیلات موجود ہیں۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

## اعتراض نمبر ۴۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ (۴۷): کافر، مشرک اور برہنہ آدمی کا بیت اللہ میں داخلہ ممنوع ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبيت عریان

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔

بخاری ج ۱ کتاب الحج باب لا یطوف بالبيت عریان و لا یحج مشرک ص 220 رقم الحديث 1622 والنفظہ) مسلم ج ۱ کتاب الحج باب لا یحج بالبيت مشرک و لا یطوف بالبيت عریان البخاری رقم الحديث 1347 ص 435

اور قرآن پاک میں بھی ہے: انما المشرکون نجس فلا

یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم هذا

یعنی: مشرک نجس ہیں اس لئے وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں۔

### فقہ حنفی

لا باس بان یدخل اهل الذمة المسجد الحرام

(ہدایۃ آخرین کتاب الکراہیۃ مسائل منفردہ ص 484)

یعنی ذمی کافر کے بیت اللہ میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

(فقہ و حدیث ص 83)

### جہاں:

یہاں پر مسئلہ خاصی ذمی کافر کا ہے عام کفار یا مشرکوں کا نہیں ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق قرآن مجید میں دو آیات ہیں راشدی صاحب نے ایک آیت نقل کر دی اور دوسری کا ذکر نہیں کیا۔ ہم یہاں پر دونوں نقل کر کے ان کی تفسیر سلف صالحین سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيًا

لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾ (پارہ نمبر 1 سورۃ البقرہ آیت نمبر 114)

ان کو نہیں چاہئے تھا کہ ان مساجد میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل زمرہ کا مساجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب و مقہور ہوں۔

(تفسیر روح المعانی جلد اول ص)

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد اپنی تفسیر احسن البیان میں لکھتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیادتیاں کی ہیں، ان کے بدلے میں ہمیں سزا سے دو چار یا قتل نہ کر دیا جائے۔ (تفسیر احسن البیان ص 47 مطبوعہ سعودیہ عربیہ)

## دوسری آیت

آنحضرت ﷺ نے 9 ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ  
عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنِ شَاءَ  
(پارہ نمبر 10 سورۃ التوبہ آیت نمبر 28)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) نرے مشرک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبادت قبول نہیں اس لئے وہ حج کے لئے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھنکیں اس سال کے بعد (سال کا لفظ اس لئے فرمایا کہ حج کے لئے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں اے مسلمانو! مفلسی کا اندیشہ ہو (کیونکہ حج کے موقع پر کافرتا جبر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا) تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لئے نہ آئیں گے تو تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی فرمادیں گے) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنائی تو حج کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا ”اللا یحیج بعد عامنا هذا مشرک (روح المعانی ج 10 ص 177)

کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج و عمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے۔ آیت کا یہی مطلب صراحتہ ہدایہ میں مذکور ہے امام مرغینانی فرماتے ہیں: والایۃ محمولة علی الحضور استیلاء واستعلاء او طائفین عرۃ کما كانت عادتهم فی الجاہلیۃ“ (ہدایہ ج 4 ص 472) یعنی اس آیت سورۃ التوبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ و بلندی کے ساتھ اتراتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لئے ننگے عواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ دیکھئے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزول آیت کے وقت مجمع میں فرمایا تھا۔

## رسول اقدس ﷺ کا طرز عمل

### حدیث نمبر ①:

اس آیت سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔

(البداء و الذہب کتاب الخراج باب خبر الطائف ج 2 ص 72)

### حدیث نمبر ②:

طبرانی میں ہے کہ ”فضرب لہم قبة فی المسجد“ ان کے لئے مسجد میں قبہ لگایا گیا۔  
(نصب الراية ج 4 ص 270)

### حدیث نمبر ③:

اور مر اسیل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصری سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپ سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا ہے۔

(نصب الراية ج 4 ص 270)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد میں مانع نہیں ہے۔



## آیت کی تفسیر نبی اقدس ﷺ سے

حدیث نمبر ①:

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لئے جائیں۔

(احکام القرآن ج 3 ص 89)

## صحابی سے تفسیر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔

(تفسیر ابن جریر ج 10 ص 76)

## تابعی کی تفسیر

حضرت قتادہ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر کوئی مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔

(تفسیر ابن جریر ج 10 ص 76)

## دور فاروقی میں نصرانی کا حرام میں داخلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا وہ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشرہ کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرما رہے تھے ”ان الله جعل البيت مشابة للناس“ اس عیسائی نے کہا: امیر المؤمنین! زیاد بن حدیر مجھ سے بار بار عشر مانگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔ (کتاب الفرائض امام ابو یوسف ص 162)

اب اگر امام صاحب نے فرمایا کہ ”لا باس بان یدخل اهل الذمة المسجد الحرام“ (حدیث 472) تو یہ قرآن کہ آیت ”یدخلوها الا خانقین“ کے موافق ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے فعل کے موافق ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے صحابی رضی اللہ عنہ تابعی کے نزدیک یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی انھیں کرا آیت ”انما المشركون نجس فلا

بشریوا المسجد الحرام“ پڑھ کر نہ سنائی۔ معلوم ہو گیا ان سب صحابہ و تابعین کے نزدیک بھی کسی ذمی کا جتنی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

### غیر مقلدین سے تائید

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد سورہ توبہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں حاشیہ نمبر ⑦ یہ وہی حکم ہے جو سن ⑨ ہجری میں اعلان برات کے ساتھ کیا گیا تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں جس طرح نبی کریم نے تمامہ بن اثال کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی ﷺ کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے۔ یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ (تقریر احسن البیان ص 515 مطبوعہ سعودی عرب)

### اعتراض نمبر ④۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ④۵: بیت اللہ کی چھت پر نماز ممنوع ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال نبی رسول اللہ ﷺ ان یصلی فوق ظہر بیت اللہ ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(ترمذی ج ۱ ابواب الصلاة باب ما جاء فی تکرارہ فی ما یصلی علیہ وفیہ ص 46 رقم الحديث 346 واللفظ لہ) (ابن ماجہ باب ما رآہ فی تکرارہ فیہا الصلاة ص 54 رقم الحديث 746-747)

### فقہ حنفی

من صلی علی ظہر الکعبۃ جازت صلواتہ

(ہدایہ اولین کتاب الصلاة باب الصلاة فی الکعبۃ ص 185)

جس آدمی نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔

(فتوہ مدیث ص 84)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت مکمل نقل نہیں کی اگر وہ ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کر دیتے تو پھر اعتراض خود بہ خود ختم ہو جاتا ہم پہلے ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں تاکہ آپ کو علم ہو کہ ہدایہ میں کیا لکھا ہے اور راشدی صاحب کیا کہتے ہیں۔

اور جس شخص نے کعبہ کی پشت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔ امام شافعی کا اختلاف ہے۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں میدان اور آسمان کی فضاء تک کا نام کعبہ ہے نہ کہ عمارت کا کیوں کہ وہ منتقل ہو سکتی ہے کیا دیکھتے نہیں کہ اگر کوئی شخص جبل ابوقیس پر نماز پڑھے تو نماز جائز ہے حالانکہ اس کے سامنے عمارت نہیں ہے۔ البتہ یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں ترک تعظیم ہے اور آپؐ سے ترک تعظیم کے متعلق ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (احسن الہدایہ ترجمہ اردو ہدایت ص 2 ص 447)

ناظرین آپ نے دیکھا صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ البتہ یہ مکروہ ہے۔ اور جو حدیث راشدی صاحب کی نقل کی ہے اس کا حوالہ بھی صاحب ہدایہ نے دے دیا اور مکروہ ہونے کی وجہ بھی بتا دی۔ اور فقہ حنفی میں اکثر جگہ مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے جب فقہاء مطلق مکروہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے۔

ربی وہ حدیث جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو مطلق حرام قرار دینے کے لیے دلیل قطعی یا کم از کم حدیث صحیح ہونی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت والی حدیث جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے نہ قطعی ہے نہ صحیح ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ حدیث ابن عمر اسنادہ لیس بذلک القوی۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کی سند قوی نہیں ہے۔ جب یہ حدیث قوی نہیں ضعیف ہے تو ضعیف حدیث سے کسی چیز کی قطعاً حرام قرار دینا یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس لئے کہ ضعیف حدیث اس مقام و مرتبہ کی نہیں ہوتی ہے کہ اس سے کسی چیز کی قطعاً حرمت ثابت کی جائے اس کے لئے قطعی دلیل یا کم از کم

صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اس حدیث کی وجہ سے جو لوگ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کو حرام کہتے ہیں ان کی رائے میرے نزدیک وزنی معلوم ہوتی ہے ہاں اس سے کراہت ثابت ہو سکتی ہے جو فقہ حنفی کا مسلک ہے اور ہدایہ میں لکھا ہوا موجود ہے احناف کے ہاں اگرچہ یہ حدیث ضعیف سی مگر پھر بھی امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کے پیش نظر یہ فرمایا کہ عام حالات میں کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

غیر مقلدین حدیث کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے اس تورہا احتیاط وقت نظر اور پھر عمل بالحدیث کے جذبہ کو دیکھیں اور انصاف سے کام لے کر بتلائیں کہ کی ان امور میں امام ابوحنیفہ کے مقام و مرتبہ تک کسی اور کو رسائی ہو سکتی ہے اعتراض کرنا بڑا آسان ہے اور فقہ حنفی کو سمجھنا بہت مشکل ہے اس کے لئے علم و معرفت وسیع المطالعہ کے ساتھ ساتھ نور باطن اور فراست ایمانی کی بھی ضرورت ہے۔ امام ترمذی نے بھی کراہت ہی کے قول کو اختیار کیا ہے آپ نے اس حدیث پر اس طرح باب باندھا ہے۔

باب ما جاء في كراهية ما يصلح اليه وفيه.

باب بیان میں اس چیز کے کہ جس کی طرف یا جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج اول ص 164 ابواب الصلوٰۃ)

امام ابو ماجہ نے سنن ابی ماجہ ص 54 میں اس طرح باب باندھا ہے۔

باب المواضع التي تكره فيها الصلوة

ان محدثین نے بھی اس حدیث سے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھا ہے اور امام ابو حنیفہ نے بھی اس حدیث کا انکار نہیں کیا صرف اس حدیث سے مکروہ سمجھا ہے۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

## اعتراض نمبر ۴۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴۶: مدعی کے پاس صرف ایک گواہ کا ہونا

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضی بیسین و شاهد

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی کے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا۔ (یعنی دوسرے گواہ کے عوض اس سے قسم لی)

(مسلم ج 2 کتاب الفایۃ باب وجوب الحکم بشاھدین ص 74، رقم الحدیث 4472)

## فقہ حنفی

ولا ترد الیمین علی المدعی

(ہدایۃ اخیرین ج 3 کتاب الدعوی باب الیمین ص 203)

یعنی مدعی پر قسم ہے ہی نہیں۔ (فقہ و حدیث ص 85)

جواب:

امام ابو حنیفہ کا موقف یہ ہے کہ کسی مقدمے میں فیصلہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مدعی اپنے گواہ پیش کرے جو دوسرا یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں یا گواہی کا نصاب پورا نہ ہو تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جائے کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعی علیہ حلف اٹھالے تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو مدعی کا دعویٰ درست مان کر اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔

فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مدعی علیہ کے قسم نہ اٹھانے کی صورت میں یا مدعی کے ایک گواہ کے ساتھ اس کی قسم پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس طریقہ میں ایک تو گواہی کا شرعی نصاب یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پورا نہیں۔ دوسرا اس میں مدعی سے قسم لی جاتی ہے حالانکہ قسم صرف مدعی علیہ کے ذمہ ہوتی ہے۔ امام صاحب کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفی مذہب کا قرآن سے ثبوت

پہلی آیت

وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ تَارِجَيْنِ فَوَجُلٌ وَآهَرَاتْنِ

(پارہ نمبر 3 سورۃ بقرہ آیت نمبر 282)

اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔

دوسری آیت

وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو۔ (پارہ نمبر 28 سورۃ بلاق آیت نمبر 2)



## حنفی مذہب کا احادیث سے ثبوت

حدیث نمبر ①:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کے دعوؤں کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن مدعی علیہ پر یحیٰ (قسم) لازم ہے۔

(مسلم شریف کتاب الاقضية باب اليمين على المدعى عليه)

حدیث نمبر ②:

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

البينة على المذعى واليمين على من انكر

لیکن گواہ مدعی پر ہیں اور قسم مدعا علیہ (یعنی انکاری) پر

(مشکوٰۃ باب الاقضية والشهادات)

حدیث نمبر ③:

حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔

البينة على من ادعى واليمين على من انكر والصلح جائز بين

المسلمين الا صلحا حل حراما وحرم حلاله الخ

یعنی گواہ لانے مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر اور صلح درمیان مسلمانوں

کے جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حلال کا حرام کرنا یا حرام کا حلال کرنا لازم ہے۔

(تہقیق ج ص)

حدیث نمبر ④:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اليمين على المدعى عليه۔ قسم مدعی علیہ پر ہے۔

(بخاری کتاب التقریر آل عمران آیت نمبر 77) (حدیث نمبر 4203 باب ان الذين يشرون)

(ابوداؤد اور باب اليمين على المدعى عليه)

## حدیث نمبر ⑤:

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں اشعث بن قیسؓ واقعہ آتا ہے۔ ابی وائل (راوی حدیث) کہتے ہیں پھر اشعث بن قیس داخل ہوئے اور کہنے لگے ابو عبدالرحمن (یہ کنیت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی) نے آپ کو کیا بیان کیا ہے؟ ہم نے کہا: ایسے ایسے، وہ کہنے لگے یہ آیات میرے بارے میں نازل ہوئیں میرے چچا زاد بھائی (خفیش بن معر بن معدی کرب) کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا (میں اس کے ساتھ جھگڑے کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تیرے پاس گواہ ہے یا اس کی قسم سے فیصلہ کروں، میں نے کہا میرے پاس گواہ نہیں ہے آپ نے فرمایا پھر اس کی قسم کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ تو قسم اٹھا دے گا اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا مال غضب کرنے کے لئے جھوٹی قسم اٹھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ناراض ہوگا۔

(مسلم کتاب الایمان باب وعید من اقطع حق مسلم) (بخاری کتاب التفسیر باب قوله ان الذین یشترون)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گواہ مدعی کی ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر۔

## حدیث نمبر ⑥:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو شخص کسی کا مال ہضم کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو (مرنے کے بعد) جب وہ اللہ سے ملے گا اللہ اس پر سخت غصے ہوگا بعد ازاں اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم الی عذاب الیم

(راوی ابی وائل کہتے ہیں) جب عبداللہ یہ حدیث بیان کر چکے تو اشعث بن قیس ہمارے سامنے آئے انہوں نے پوچھا ابو (عبداللہ بن مسعود) نے تم سے کیا حدیث بیان کی ہم نے ان سے کہہ دی انہوں نے کہا عبداللہ سچ کہتے ہیں یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی (اس کا پس منظر یہ ہے) میرے اور ایک شخص میں جھگڑا ہوا ہم نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا آپ نے فرمایا:

شأھدک اویمینہ یا تو دو گواہ لایا اس سے قسم لے۔ میں نے عرض کیا میرے پاس گواہ نہیں، تو وہ جھوٹی کھائے گا کچھ پرواہ نہ کرے گا تب آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم کھا کر

کسی کا مال ہضم کر لے گا تو جب (آخرت میں) اللہ سے ملے گا اللہ اس پر غصے ہوگا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔ (بخاری کتاب الشہادت باب الیٰسین علی المدعی علیہ)  
اس روایت میں حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے کی بس یہی صورت بتائی ہے یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک گواہ اور ساتھ قسم اٹھا لو۔

حدیث نمبر ⑥:

عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے خطبہ میں کہ گواہ انا مدعی کے لئے ہے اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔  
(جامع ترمذی ابواب الاحکام باب ما یأمان البینۃ علی المدعی والیسین علی المدعی علیہ)

حدیث نمبر ⑧:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:  
گواہ مدعی کے ذمے ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔  
(فتح الباری جلد 5 ص 282، ابن حجر نے معجم طبرانی سے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے)

حدیث نمبر ⑨:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں احکامات کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ:  
گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمے الخ۔ (سنن دارقطنی ج 4 ص 206-406) بیہقی

حدیث نمبر ⑩:

مصنف عبدالرزاق میں مرسل مروی ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دعویٰ کیا کہ حضور ﷺ نے انہیں بحرین میں ایک زمین دی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کے گواہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا مغیرہ بن شعبہ گواہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ دوسرا گواہ کون ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دوسرا گواہ کوئی نہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر زمین آپ کو نہیں مل سکتی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کرنے سے انکار کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ اصرار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑو اور انہیں لے جاؤ۔

حدیث نمبر ۱۱:

امام زہری سے جو امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے موسوم ہیں۔ ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہذا شئی احدتہ الناس لایدمن شاہدین “یہ وہ چیز ہے جو لوگوں نے ایجاد کر لی ہے۔ فیصلے کے لئے دو گواہوں کو ہونا ضروری ہے۔ (معنی عبد الرزاق) (الجہرائفی بھامش البیہقی ص 175 ج 10)

مندرجہ بالا دلائل بالکل واضح اور صریح ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ (دو گواہ والا) دور صحابہ و تابعین میں سنت ثابتہ کی حیثیت سے رائج تھا۔ امام ابو حنیفہ کا طریقہ اجتہاد یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کی بنیاد قرآن کی نصوص مشہور و معمول بہ احادیث اور شریعت کے اصول کلیہ پر رکھتے ہیں اور اگر ایک یا زیادہ اخبار آحاد ان کے خلاف وارد ہوں تو ان کی تشریح قرآن مجید، معمول بہ احادیث اور اصول کلیہ کی روشنی میں کرتے ہیں اور اگر کسی طرح سے اخبار آحاد کی تاویل ممکن نہ ہو تو نصوص قرآن، معمول بہ احادیث اور اصول کلیہ کو اختیار کر کے اخبار آحاد کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی اصول کے مطابق انہوں نے زیر بحث مسئلے میں اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ کیونکہ وہ قرآن مجید اور مشہور معمول بہ احادیث کے خلاف ہے۔ لہذا اثبات ہوا کہ حنفی مذہب قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

## اعتراض نمبر ۴۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴۷: عورت، عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے

## حدیث نبوی ﷺ

عن ام ورقۃ ان رسول اللہ ﷺ امرھا ان توام اہل دارھا  
ترجمہ: ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ  
وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرائیں۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عائشة انہا كانت توم النساء وتقوم وسطهن  
ترجمہ: سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا امام بن کر عورتوں کو نماز پڑھاتیں اور صف کے بیچ  
میں کھڑی ہوتیں تھیں۔

(مستدرک حاکم ج 1 ص 320 رقم الحدیث 731 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)  
(السنن الکبریٰ للبیہقی ج 1 ص 408 بی 3 ص 131 رقم الحدیث 1781)  
(مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 141 رقم الحدیث 5087)

### فقہ حنفی

یکرہ للنساء ان یصلین و حدھن جماعۃ  
(ہدایہ اولین ج 1 کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ص 123)  
عورتوں کا آپس میں جماعت کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (فقہ مدیث ص 86)

جواب:

راشدی صاحب نے جو دو احادیث نقل کی ہیں پہلے ہم ان کا جواب یہاں نقل کرتے ہیں  
ملاحظہ فرمائیں۔

### پہلی حدیث

اس کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب حدیث نقل کرنے میں خیانت۔

راشدی صاحب نے ابو داؤد امامۃ النساء سے حضرت ام ورقہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس  
میں یہ الفاظ بھی آتے تھے۔ جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کئے۔

و جعل لها موزنا یوذن لها وامرہا ان تومر اهل دارہا قال  
عبدالرحمن فانارایت موزنہا شیخا کبیرا۔

اور ان کے لئے ایک موزن مقرر کر دیا تھا جو اذان کہا کرتا اور وہ امامت کرتی  
تھیں، اپنے گھر والوں کی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے۔ عبدالرحمن نے کہا کہ میں  
نے ان کے موزن کو دیکھا بہت بوڑھے تھے۔ (ترجمہ علامہ وحید الزمان غیر مقلد)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک مرد موزن مقرر کیا گیا تھا غیر



مقلدین کو چاہئے کہ اگر وہ اس مسئلہ پر عمل کروانا چاہتے ہیں تو پھر پہلے ایک بوڑھا مؤذن بھی مقرر کریں پھر عورتوں کو امامت کی اجازت دیں۔

### دوسرا جواب

اس حدیث میں صرف عورتوں ہی کی امامت کا ذکر نہیں جیسا کہ راشدی صاحب نے ترجمہ کیا ہے بلکہ اس کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو علامہ وحید الزمان نے کیا ہے۔ گھر والوں میں مرد اور عورتیں اور بچے سب ہی شامل ہیں۔ اور خاص کر مؤذن کا ذکر موجود ہے اور خاص کر مؤذن کا ذکر موجود ہے اور وہ مرد ہے لازمی بات ہے کہ وہ بھی ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔ علامہ وحید الزمان نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

ف: یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ عورت کو امامت کرنا اپنے گھر والوں کی درست ہے، اگرچہ اس میں مرد بھی ہوں کیونکہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کا مؤذن تھا اور غلام انہی کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔

(ابوداؤد مترجم 1 ص 250)

غیر مقلد بھی عورتوں کو اجازت دیں کہ وہ مردوں کی امامت کرایا کریں۔

تیسرا جواب راشدی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں ایک راوی محمد فضیل ہے جو سچا تو ہے مگر مذہباً شیعہ ہے۔ دوسرا راوی ولید بن عبد اللہ بن جمیع جو سچا تو ہے مگر وہم کا مریض اور مذہباً شیعہ ہے۔ تیسرا راوی عبد الرحمن بن خلاد ہے جو مجہول ہے۔

### چوتھا جواب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا امر موجود ہے۔ تو غیر مقلدین کا فرض ہے کہ اپنے ہر گھر میں عورت کی امامت کو واجب قرار دیں۔

### پانچواں جواب

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے امام عورت کو مقتدیوں سے آگے کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا۔

الغرض یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی اس حدیث کے تمام ظاہری الفاظ پر امت میں سے کسی کا عمل ہے کہ ہر گھر میں مستقل مؤذن ہو اور مستقل طور پر عورت اپنے گھر والوں کو جماعت کرایا کرے۔

راشدی صاحب کو مندرجہ ذیل احادیث کا جو کلیہ قاعدہ کی حیثیت رکھی ہیں نظر کیوں نہیں آئیں۔

حدیث نمبر ①:

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ قال لا خیر فی جماعۃ النساء الا فی المسجد: و فی جنازۃ قتیل رواہ احمد والطبرانی۔

(مجمع الزوائد ج 1 ص 155)

حدیث نمبر ②:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لا تومر المرأة۔ (المدرۃ الکبریٰ ج 1 ص 86)

حدیث نمبر ③:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خیر صفوف الرجال اولہا و شرہا اخرہا و خیر صفوف النساء اخرہا و شرہا اولہا۔ (سلم ج 1 ص 182)  
عورت کے لئے تو مقتدی بن کر بھی اگلی صف میں کھڑے ہونا منع ہے پھر اس کی امامت کیسے جائز ہوگی۔

راشدی صاحب جب گھر کے مرد و عورت کے مقتدی بنیں گے تو ان پر امام صاحب کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر وہ اطاعت کریں گے تو حضرت ﷺ کا فرمان ہے:  
هلکت الرجال حين اطاعت النساء رواہ احمد والحکم وقال صحیح الاسناد۔

راشدی صاحب کے حواری یہ کہیں کہ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ صرف عورت عورتوں کی جماعت کرائے تو ان کی پیش کردہ حدیث میں یہ ذکر نہیں بلکہ سب گھروالوں کی امامت کا حکم ہے اور گھر میں مرد بھی ہوتے ہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کی جماعت میں کوئی خیر نہیں اور خیر سے خالی ہونا ہی دلیل کراہت ہے۔

دوسری حدیث کا جواب

1- راشدی صاحب نے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اولاً تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔  
(میزان الاعتدال)

2- جماعت کی نماز میں امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا آگے کھڑا ہونا اسلام میں سنت متواترہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ خلفائے راشدین اور تمام امت کا عمل یہی ہے۔ اس لئے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہو کر جماعت کرانا اس سنت متواترہ کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔

3- اس حدیث میں ہے کہ امام صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اس طریقہ کی تائید آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں اور جماعت کے وقت مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے ہاں ایسے مکروہ کا ارتکاب کسی ضرورت کے تحت کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لئے جیسے ظہر و عصر میں امام کا بلند آواز سے قرآن پڑھنا خلاف سنت ہے اور مکروہ ہے مگر صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بغرض تعلیم کبھی کبھار کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ ایسی ضرورت کے وقت کراہت نہیں رہتی۔ لیکن اس کو جواز کا قاعدہ بنالینا یقیناً مکروہ ہے۔

راشدی صاحب نے دو ضعیف حدیثیں لکھیں اور باقی صحیح حدیثوں کو چھپایا۔ اور بالکل یہی دھوکا ہدایہ کے ساتھ کیا اس کی عبارت بھی مکمل نہیں لکھی۔

### ہدایہ کی مکمل عبارت:

و یکرہ للنساء ان یصلین و حدھن الجماعۃ لانہا لا تخلو عن ارتکاب محرم و هو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ وان فعلن قامت الامام لان وسطھن عائشۃ فعلت کذلک و حمل فعلھا الجماعۃ علی ابتداء الاسلام ولان فی التقدم زیادۃ الکشف۔

(ہدایہ ص 123)

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت نامکمل پیش کی صاحب ہدایہ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہی ثابت کر دیا کہ اس سے ہی کراہت نکلتی ہے کیونکہ امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

## اعتراض نمبر ۴۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۴۸: بائع اور مشتری کی بیع کب فسخ ہوگی؟

### حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال

البيعان بالخيار ما لم يتفرقا

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو خرید و فروخت کرنے والوں کو (بیع فسخ

کرنے کا) اختیار ہوتا ہے جب تک دونوں (ایک دوسرے سے) جدا نہ ہوں۔

(ترمذی ج ۱ ابواب البيوع باب ما جاء البيعان بالخيار ما لم يتفرقا ص 150، رقم الحديث 1247)

نسائی ج 2 کتاب البيوع باب وجوب الخيار للمتابعين الخ عن حكيم بن حزام ص 212، رقم الحديث

4469 (ابن ماجہ باب التجارات باب البيعان بالخيار ما لم يتفرقا عن أبي هريرة السلمي ص 158 رقم

الحديث 2181)

### فقہ حنفی

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزوم البيع ولا خيار لو احدى منها

الامن عيب او عدم روية

(ہدایہ اخیرین ج 3 کتاب انبیوع ص 20)

جب کسی بیع کے بارے میں ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع لازم ہوگئی اب ان دونوں

میں سے کسی کو اختیار نہیں الا یہ کہ کوئی عیب وغیرہ ظاہر ہو جائے۔ (فتاویٰ مدیث ص 87)

جواب:

ہم یہاں پر پہلے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں پھر فقہ حنفی کے دلائل ذکر کریں گے۔

اصل مسئلہ کی وضاحت:

اس مسئلہ کو فقہاء کی اصطلاح میں خیارج مجلس کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں اور اس میں اختیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ

عقد کریں بیع واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نہ ہوں، اور اہل مدینہ نے کہا کہ ان کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے، جب تک وہ اپنے مقام سے یا مجلس سے الگ نہ ہو جائیں اور ان کی یہ بیع بالخیار ہوتی ہے، امام محمد فرماتے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ جب وہ اختیار کی شرط نہ لگائیں تو الگ الگ ہونے سے پہلے ان کو اختیار ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر متفرق ہونے سے پہلے اختیار ہوتا ہے۔ ماسواء بیع الخیار کے ہم نے کہا، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر مجلس یا مقام سے متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے؟ انہوں نے کہا ہر چند کہ مجلس یا جگہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں ان سے یہ کہا گیا تم سے اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ بیع کے اقوال سے متفرق نہ ہو جائیں، جب بائع نے کہا میں نے یہ چیز فروخت کی تو اب مشتری کو اختیار ہے وہ اس قول کو قبول کرے یا نہ کرے (اور قبول کرنے کے بعد بیع لازم ہے اور اختیار نہیں ہے) حدیث کی تفسیر اس طریقہ سے ہے، امام محمد نے فرمایا ابراہیم نخعی نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے کی ہے، حضرت عمر نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے رکاب میں پیر رکھا تو فرمایا: لوگ کل کہیں گے کہ عمر نے کیا کہا ہے؟ سنو بیع صفقہ (سودا طے ہونے) سے ہوتی ہے یا خیار سے۔ (امام محمد فرماتے ہیں) تو کیا سودا طے ہونے کے بعد اختیار ہو سکتا ہے؟ نیز ہمیں شریع سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب دو شخص بیع کر لیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی اختیار نہیں ہوتا نیز امام محمد نے اہل مدینہ پر معاذ خمر کے ہونے فرمایا: اگر تفرق عن المجلس سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو بتاؤ کہ جب تفرق سے پہلے ایک شخص اختیار کی شرط لگائے اور دوسرا شرط نہ لگائے تو جس شخص نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کے لئے اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں ہے تو تمہارے قول کے خلاف ہے۔



## فقہ حنفی کے دلائل:

پہلی دلیل قرآن سے۔

ایجاب و قبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے اور پھر فریقین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، فقہاء احناف نے یہ نظریہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے قائم کیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (مانندہ ۱)

اے ایمان والو! عقد کو پورا کرو۔

عقد ایجاب و قبول کو کہتے ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بائع اور مشتری کو عقد پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور خیارجلس ایفاء عقد کے منافی ہے۔

دوسری دلیل قرآن سے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ؕ (نساء 29)

اے ایمان والو! آپس میں ناحق مال مت کھاؤ، البتہ تم باہمی رضا مندی سے تجارت کر سکتے ہو۔

تراخی کے ساتھ تجارت ایجاب و قبول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے، اس لئے اب کسی فریق کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مجلس میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بیع فسخ کر دے۔

تیسری دلیل قرآن سے۔

وَ اَشْهَدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ؕ (بقرہ 282)

جب تم بیع کرو (تو اس بیع پر) گواہ کر لو۔

بیع ایجاب و قبول کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، اگر بیع ایجاب و قبول سے مکمل نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

چوتھی دلیل حدیث سے۔

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ابتعت طعاما فلا

(مسلم ج 2 ص 6)

تبعہ حتی تستوفیہ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا جب تم اناج خرید لو تو اس پر پورا قبضہ کرنے سے پہلے اس کو مت فروخت کرو۔

امام طحاوی فرماتے ہیں یہ حدیث خیبر مجلس کی نفی پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اناج پر قبضہ کے بعد اس کی بیع جائز ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار مجلس سے اٹھنے سے پہلے اناج پر قابض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تفرق عن البدن سے پہلے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا تو تفرق عن البدن سے پہلے خریدار کا بیع کو بیچنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ بیع پر قبضہ کے بعد تفرق سے پہلے یہ بیع جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ تفرق عن البدن تک خیبر نہیں رہتا اور باب مذکور کی احادیث میں تفرق سے تفرق عن القول مراد ہے تفرق عن البدن مراد نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج 2 ص 205)

پانچویں دلیل حدیث سے۔

عن ابن عمر قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر فکان یغلبنی فیتقدم امام القوم فیجره عمر و یرد ثم یتقدم فیزجره عن و یرده فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمر بعنیه فقال هولک یا رسول اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعنیه فباعه من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هولک یا عبد اللہ ابن عمر تصنع به ما شئت۔ (بخاری ج 1 ص 284)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اکھڑ اونٹ پر سوار تھا، جو میرے قابو میں نہیں آتا تھا اور قوم سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو جھڑک کر لوٹاتے وہ پھر آگے نکل جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر اس کو جھڑک کر لوٹاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کی ملکیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اونٹ فروخت کر دو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اونٹ فروخت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ بن عمر یہ اونٹ تمہارا ہے، تم اس سے جو چاہو کرو۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے خریدتے ہی تفرق عن المجلس سے پہلے وہ اونٹ حضرت عبداللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا اگر اس وقت یہ بیع لازم نہ ہوئی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ خریدتے ہی وہ اونٹ ہبہ نہ کرتے۔

چھٹی دلیل حدیث سے۔

عن رجال من كنانة قال، قال عمر حين وضع دجله في الغرز وهم بمعنى: اسمعوا ما اقول لكم ولا تقولوا، قال عمر، قال عمر البيع عن صفقة او خيار ولكل مسلم شرط۔

(مصنف عبد الرزاق ج 8 ص 53)

کنانہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے فرمایا سنو میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ کہنا کہ یہ عمر کا قول ہے، یہ عمر کا قول ہے، بیع یا سودے سے ہوتی ہے یا خیار سے اور ہر مسلمان کو شرط لگانے کا حق ہے۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں صفحہ (سودا طے ہو جانا) اس بیع کو کہتے ہیں جو نافذ اور لازم ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی دو قسمیں ہیں ایک بیع لازم جس میں اختیار نہ ہو اور دوسری بیع لازم میں اختیار ہو، اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر بیع میں اختیار ہوتا ہے وہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(المبسوط سرخسی ج 13 ص 56)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب امام محمد کی عبارت جو اوپر ذکر کی گئی اس میں آچکا ہے۔ مزید جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

### اعتراض نمبر (۴۹)

مسئلہ (۴۹): سات سالہ بچہ امامت کرا سکتا ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن سلمة.... فقال قدموني بين ايديهم وانا ابن

سبع سنين

ترجمہ: عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے مجھے نماز

پڑھانے کے لئے آگے کیا (امام بنایا) جب کہ میری عمر سات سال تھی۔

(بخاری کتاب المغازی باب 54، حدیث 4302 ج 2 ص 610)

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب من احق بالامامة رقم الحدیث 585 ج 1 ص 93-49)

## فقہ حنفی

ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة اوصی

(ہدایہ اولین ج 1 کتاب الصلاۃ باب الامامة ص 123)

مرد امامت کے لئے کسی عورت یا بچے کو آگے کھڑا کریں، یہ جائز نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ص 88)

## جہان:

راشدی صاحب بچے کی امامت کے جواز میں نہ تو آنحضرت ﷺ کا حکم پیش کر سکے کہ بالغ مرد نابالغ بچے کو اپنا امام بنالیا کریں۔ نہ حضرت ﷺ کا فعل ثابت کر سکے کہ خود آنحضرت ﷺ نے کسی نابالغ بچے کو اپنا امام بنایا ہو اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ عمر بن سلمہ سات سالہ بچے کی امامت کا حضور ﷺ کو علم ہوا اور آپ خاموش رہے۔

عمر بن سلمہ کے خاندان کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت کا حکم سنا کہ جو زیادہ قرآن پڑھا ہو اس کو امام بناؤ انہوں نے اپنی رائے سے عمر بن سلمہ کو امام بنالیا اس حال میں کہ عمر بن سلمہ کی چادر پھٹی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے چوڑے رنگے ہوتے تھے پیچھے نماز پڑھنے والی عورتوں نے کہا امام صاحب کے چوڑے تو چھپاؤ (ابوداؤد) راشد صاحب نے پورا واقعہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت سے ستر عورت کا وجوب بھی ختم ہو جاتا اور احناف کی ضد میں ان کے ائمہ مساجد کو اس حدیث کے مطابق نمازیں پڑھانی مشکل ہو جاتیں۔

## 1- احناف کے دلائل:

آنحضرت ﷺ بچے کو امام بننے کی تو کیا اجازت دیتے وہ بچے کو پہلی صف تک بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ لا يقتدم الصف

الاول اعرابی ولا اعجمی ولا غلام لم یحتلم۔

(دارقطنی ج 1 ص 398)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد

فرمائی ہے کہ پہلی صف میں کوئی دیہاتی کوئی عجمی اور کوئی نابالغ لڑکا کھڑا نہ ہو۔

2- اہل طائف نے نماز تراویح میں ایک بچے کو امام بنالیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خوشخبری یہ

بات لکھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہیں چاہئے کہ لوگوں کا

امام ایسے بچے کو بناؤ جس پر حدود واجب نہیں۔

(عبدالرزاق ج 2 ص 398)

3- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں

منع فرمادیا تھا کہ ہم امامت اس حال میں کرائیں کہ قرآن پاک مصحف سے دیکھ کر پڑھ رہے

ہوں اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم کسی نابالغ کو امام بنائیں۔

(کنز العمال ج 4 ص 246)

4- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لڑکا اس وقت تک امام نہ بنے جب تک اس پر حد

ودا جب نہ ہوں۔ (یعنی جب تک بالغ نہ ہو جائے)

(رواہ الاثرم فی سنہ کذا فی الملتقی اعلیٰ السنن ج 4 ص 282)

5- حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امام نہ بنے۔

(عبدالرزاق ج 2 ص 398)

6- مکہ مکرمہ کے مفتی صاحب حضرت عطاء فرماتے ہیں لڑکا امامت نہ کرائے۔ جب تک بالغ نہ ہو۔

(ج 2 ص 398)

7-8-9- حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام شیعہ، امام مجاہد فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرے۔

(ابن ابی شیبہ ص 233)

10- ابراہیم نخعی اس سے کراہت کرتے تھے کہ لڑکا بالغ ہونے سے پہلے امام بنے۔

(المندوۃ الکبریٰ ج 1 ص 85)

11- آنحضرت ﷺ نے امام کو ضامن فرمایا ہے۔ (احمد طبرانی مجمع الزوائد ج 1 ص 143)



اب اگر امام کی نماز نفل ہوگی اور مقتدی کی فرض ہوگئی تو وہ ضامن کیسے بنے گا اور ظاہر ہے کہ نابالغ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مردوں کی فرض تو وہ کیسے امام بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس مسئلے کو خلاف حدیث کہنا راشدی صاحب کی جہالت کا کرشمہ ہے راشدی صاحب اب ذرا ہمت کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت ابراہیم نخعی اور اس دور کے صحابہ و تابعین کو منکرین حدیث کی لسٹ میں درج فرمائیں یا پھر بیچارے احناف سے بھی درگزر فرمالیا کریں۔

راشدی صاحب نے جس طرح نقل احادیث میں حق کو چھپایا ایسے ہی فقہ کی کتاب ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی۔ ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بالامراة او صبي لانه متنقل فلا يجوز اقتداء المفتروض به (ہدایہ ج 1 ص 123، 124)

راشدی صاحب آنحضرت ﷺ نے بڑی تاکید سے موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے اور بے چارگی کی حالت میں صرف ایک خاص دعا کی اجازت دی تھی ذرا الفاظ ملاحظہ ہوں، قال النبی ﷺ لا يتمینین احدکم الموت من ضرر اصابه فان كان لا بدنا علا فليقل اللهم احيني ما كانت الحياة خيرا لي وتوفني اذا كانت الوفاة خيرا لي (بخاری ج 2 ص 847 عن عائشہ)

لیکن اتنی تاکید ہی نہیں کے بعد بھی امام بخاری آخر عمر میں یہ دعا مانگتے رہے۔ ’اے اللہ زمین باوجود کشادگی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے‘ ایک ماہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (تاریخ بغداد ص 34 ج 2 طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج 2 ص 14) کیا آپ اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ امام بخاری کا وصال مخالفت حدیث پر ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کرو: ولا تزدلی ذلک اور اس پر زیادہ مت کرو۔ (صحیح بخاری ج 2 ص 756) آنحضرت ﷺ نے ایک ہفتہ سے پہلے قرآن پاک ختم کرنے سے صراحہ منع فرمادیا۔ لیکن پھر بھی امام بخاری روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ص 2 ج 12 طبقات الشافعیہ ج 2 ص 9 جلد 2)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج 3 ص 53)

حضرت تیم داری اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی ہر رات کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

(طحاوی ج 1 ص 205)

امام وکیع بن الجراح ایک رات میں سارا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج 13 ص 470)

امام شافعی نے تین دنوں میں 9 مرتبہ قرآن ختم کیا۔

(مفتاح الجہنم للسيوطی ص 29) کیا آپ ان سب پر مخالفت حدیث کا الزام لگائیں گے؟

اند کے باتو گفتتم و غم و دل تریدم  
کہ تو آزرده شوی در نہ سخن بسیارست

## اعتراض نمبر ⑤

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑤: تورک سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی حمید الساعدی انه قال فی نفر من اصحاب رسول اللہ ﷺ

انا احفظکم بصوۃ رسول اللہ ﷺ فاذا جلس فی الركعة الاخيرة

قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على معقده

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے آخری تشہد (جس میں سلام پھیرنا ہوتا ہے) میں

زمین پر بیٹھے تو دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں اس کے نیچے سے نکال

دیتے تھے اور تورک کرتے تھے۔

(بخاری ج 1 کتاب الاذان باب سنة الجنوس في الشهد ص 114، رقم الحديث 828)

(ابوداؤد ج 1 کتاب الصلوۃ باب افتتاح الصلوۃ ص 113، رقم الحديث 730 میں ہے کہ حتی اذا كانت السجدة

التي فيها التسليم اخذ رجله اليسرى وقعد متوكعا على شقه الایسر)

### فقہ حنفی

وجلس فی الاخيرة كما جلس فی الاولى

(ہدایہ اولین ج 1 کتاب الصلاۃ باب صفۃ الصلوۃ ص 111)

نماز کے آخری تشہد میں بھی اس طرح بیٹھا جائے گا جس طرح پہلے تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔

(فقہ وحدیث ص 89)

### جواب:

اس مسئلہ میں احادیث دونوں قسم کی ہیں راشدی صاحب نے اپنے نظریہ کی حدیث نقل کر کے حنفی مذہب کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ حنفی مذہب والے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہیں اور تحقیق کر کے ایک کو راجع کر دیتے ہیں۔ احناف جن روایات پر عمل کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

### دلائل احناف:

1- عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لا نظرن الی صلوۃ رسول اللہ ﷺ فلما جلس یعنی للتشہد افترش رجلہ الیسری ووضعی یدہ الیسری یعنی علی فخذہ الیسری ونصب رجلہ الیہنی. قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم۔ (ترمذی ج 1 ص 65)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ضرور دیکھوں گا (میں نے دیکھا کہ) جب تشہد میں بیٹھے تو آپ نے بائیں پاؤں بچھا کر اپنا بائیں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے۔

2- عن وائل بن حجر قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فلما قعد وتشہد فرش قدمہ الیسری علی الارض وجلس علیہا۔

(سنن سعید بن منصور ج 1 ص 178)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں زمین پر بچھا لیا اور اس پر بیٹھ گئے۔

3- عن رفاعۃ بن رافع ان النبی ﷺ قال للاعرابی اذا سجدت فمکن بسجودک فاذا جلست فاجلس علی رجلک الیسری۔

(مسند احمد بن حنبل ج 3، مصنف ابن ابی شیبہ ج 3، ابن حبان ص 10، النیل الاوطار ج 2 ص 282)  
حضرت رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعرابی سے کہا کہ جب تو سجدہ کرے تو اچھی طرح سجدہ کر اور جب (تشہد میں) بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

4- عن عبد اللہ و هو بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ قال من سنۃ الصلوۃ ان تنصب القدم الیمنی و استقبالہ باصابعہا القبلة والجلوس علی الیسری۔

(نسائی ج 1 ص 130)  
حضرت عبد اللہ اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دائیں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔

5- عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ ﷺ یستفتح الصلوۃ بالکتبیر والقراءۃ بالحمد للہ رب العلمین و کان اذا رکع لم یشخص راسہ ولم یصوبہ و کان بین ذالک و کان اذا رفع راسہ من الركوع لم یسجد حتی یستوی قائما و کان اذا رفع راسہ من السجدة لو یسجد حتی یستوی جالسا و کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ و کان یفرش رجلہ الیسری و ینصب رجلہ الیمنی و کان ینہی عن عقبۃ الشیطان و ینہی ان یفترش الرجل ذراعیہ افتراش السبع و کان یختم الصلوۃ بالتسلیم۔

(مسلم ج 1 ص 194)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز اللہ اکبر کے ساتھ اور قراءۃ الحمد للہ رب العلمین کے ساتھ شروع فرماتے تھے اور جب آپ رکوع

کرتے تو اپنا سر مبارک نہ اوپر اٹھاتے تھے اور نہ بالکل نیچے جھکا دیتے تھے۔ دونوں کے درمیان رکھتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو (دوسرے) سجدے میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور آپ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے اور آپ بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے۔ اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور آپ اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور آپ نماز اسلام سے ختم فرماتے تھے۔

6- عن انس ان النبی ﷺ نہی عن الاقعاء والتورك في الصلوة.  
(سنن بھری بیہقی ج 2 ص 120)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

7- عن انس ان النبی ﷺ نہی عن الاقعاء والتورك في الصلوة.  
(مجمع الزوائد ج 2 ص 86)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

8- عن سمرة ان النبی ﷺ نہی عن التورك والاقعاء الحديث. (مجمع الزوائد ج 2 ص 86)

حضرت سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

9- عن عبد الله بن عبد الله انه اخبره انه كان يرى عبد الله بن عمر يترفع في الصلوة اذا جلس ففعلته وانا يومئذ حديث السن فنها في عبد الله بن عمر وقال انما سنة الصلوة ان تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى فقلت انك تفعل ذلك فقال ان رجلاي لا تحملاني. (بخاری ج 1 ص 114)



حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھتے تھے کہ جب آپ (تعدہ) میں بیٹھتے تو چوکڑی مار کر بیٹھتے (فرماتے ہیں کہ) میں ابھی بالکل نو عمر تھا میں بھی ایسا کرنے لگا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ (بیٹھنے میں) دایاں پاؤں کھڑا رکھو اور بایاں پاؤں پھیلا دو میں نے کہا کہ آپ تو اس طرح کرتے ہیں (چوکڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا میرے پاؤں میرا نہیں اٹھاتا ہے۔

ان احادیث سے حنفی مذہب ثابت ہو گیا کہ دونوں قعدے برابر ہیں۔

رہی وہ روایت جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ یہ روایات مضطرب ہے خود ابو حمید ساعدی کی بعض روایات میں بھی تورک کا ذکر نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدثني ابو الحسن الاصبهاني قال ثنا هشام بن عمار قال ثنا اسمعيل بن عياش قال ثنا عتبة بن ابي حكيم عن عيسى بن عبدالرحمن العداوي عن العباس بن سهل عن ابي حميد الساعدي انه كان يقول لاصحاب رسول الله ﷺ انا اعلمكم بصلوة رسول الله ﷺ قالوا من اين قال رقبت ذلك منه حتى حفظت صلوته قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة كبر و رفع يديه حذاء وجهه فاذا كبر للركوع فعل مثل ذلك واذا رفع راسه من الركوع قال سمع الله لمن حمده فعل مثل ذلك ربنا ولك الحمد واذا سجد فرج بين فخذه غير حامل بطنه على شئ من فخذه و لا مفترش دراعيه فاذا قعد للتشهد اجمع رجله اليسرى و نصب اليمنى على صدرها.

ترجمہ: حدیث بیان کی مجھ سے ابو الحسن الاصبہانی نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ہشام بن عمار نے کہا حدیث بیان کی ہم سے اسمعیل بن عباس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عتبہ بن ابی حکیم نے وہ روایت کرتے ہیں عیسیٰ بن

عبدالرحمن العدوی سے وہ عباس بن کھیل سے وہ ابو حمید الساعدی رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ اصحاب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کرتے تھے کہ میں آپ لوگوں کے درمیان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ واقف ہوں انہوں نے کہا یہ کیونکر فرمایا آپ کی نماز دیکھتا رہتا تھا یہاں تک کہ آپ کی نماز یاد کر لی تھی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے اور روئے مبارک تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تب بھی ایسا ہی کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمد کہتے اور اس طرح ہاتھ اٹھاتے رہنا ولک الحمد بھی کہتے اور سجدہ کرتے تو پیروں کے درمیان کشادگی رکھتے اور شکم رانوں کے اوپر نہ ڈال دیتے اور نہ کہیں زمین پر بچھاتے پھر جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو بایاں قدم بچھا لیتے اور داہنا قدم کی انگلیوں کے بل کھڑا کر لیتے اور تشہد پڑھتے۔

جب ابو حمید الساعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ہی روایات مختلف ہیں تو ان پر مسئلہ کی بنیاد رکھ کر یہ کہنا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف ہے۔ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

2- اس حدیث کی سند میں محمد بن عمر بن عطاء ہیں ان کا حضرت ابو حمید سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ثابت نہیں۔

3- یہ روایت عذر پر محمول ہے ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر عذر ہو تو آدمی تو رک کر سکتا ہے سنت نہیں

ہے سنت وہی طریقہ ہے جو اوپر والی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔



## اعتراض نمبر ۵۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

**حدیث نبوی ﷺ**

عن عبادة بن الصامت قال ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة

لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب

(ترجمہ) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

بخاری ج ۱ کتاب الاذان باب وجوب القراءة للامام والمؤتمن في الصلوة كلها في الحضر والغزو وما يجهر فيها وما يخافت ص ۱۰۳، رقم الحديث ۵۶۷ (مسلم ج ۱ کتاب الصلاة باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة التي يصفحه:

۱۶۹ رقم الحديث ۸۷۳)

## فقہ حنفی

وهو مخير في الاخير بين معناه ان شاء سكت وان شاء قرء وان

شاء سبىح كذا روى عن ابى حنيفة.

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب النوافل فصل القراءة ص ۱۳۸)

(ترجمہ) آخری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے یعنی اگر چاہے خاموش

رہے، اگر چاہے قرأت کرے اگر چاہے سبحان اللہ کہے ابوحنیفہ سے اسی طرح

(فتاویٰ رضویہ ص ۹۰)

مروی ہے۔

**جواب:**

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ چار رکعت والی فرض نماز میں آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنے کا

تکلیف کیا ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک ان رکعتوں میں بھی پہلی دو رکعتوں کی طرح قرأت کرنی فرض

ہے۔ اور فقہ حنفی میں مستحب ہے اور بعض حنفی فقہاء سنت کے بھی قائل ہیں۔ کیونکہ جتنی قرأت نماز میں

بڑی تھی وہ تو پہلی دو رکعتوں میں ادا ہو گئی۔ اور پچھلی دو رکعتوں میں قرأت کے فرض یا واجب ہونے کی

کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔ جن دلائل سے پچھلی دور کعتوں میں قرآن کا ذکر ملتا ہے حنفی حضرات کے نزدیک ان سے صرف استحباب یا زیادہ سے زیادہ سنت ہی ثابت ہوتی ہے۔ فرض یا واجب ثابت نہیں ہوتی۔ فقہ حنفی صرف فرض یا واجب ہونے کی نفی کرتی ہے۔ مستحب کے تو حنفی بھی قائل ہیں۔

### فقہ حنفی کے دلائل ملاحظہ فرمائیں

#### حدیث نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ نہ جہری میں نہ سری میں نہ پہلی دور رکعات میں نہ آخری دور رکعات میں۔ لیکن جب تنہا نماز پڑھتے اور آخری رکعات میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔  
(مولانا امام محمد باب القرآن فی اصول و فتن الامام)

#### حدیث نمبر ۲:

عبداللہ بن ابی رافع نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر کی پہلی دور کعتوں میں سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھتے تھے اور دوسری دور کعتوں میں بالکل قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب کیف القراءة فی الصلوۃ ج ۲ ص ۶۵ شرح معانی ال آخار ج ۱ ص ۵۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷)

#### حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آخری دور کعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتی تھی اور فرماتی تھی ان دور کعتوں میں دعا ہے۔  
(مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۶۶۵ شکل الاثار ثلثی ج ۱ ص ۵۳)

#### حدیث نمبر ۴:

جابر بن سرہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ لوگوں نے تیری ہر طرح کی شکایت کی ہے۔ حتیٰ کہ نماز تک کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں تو پہلی دور کعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور پچھلی دو میں حذف کرتا ہوں۔ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا تو سچا ہے یہی تجھ سے گمان ہے۔ یا میرا گمان تجھ سے یہی ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب یطول فی الاذین ویخفف فی الاخرین)

## حدیث نمبر ۵:

عن ابراہیم قال اما قرأ علقمة في الركعتين الاخرين حرفاً قط

(مصنف عبدالرزاق باب كيف القراءة في الصلوة جلد نمبر ۲ ص ۶۵ حدیث نمبر ۲۶۶۰)

(مصنف ابن ابی شیبہ باب من كان يقول سبح في الاخيرين ولا يقرأ ج اول جس ۳۲۷ حدیث ۳۷۴۲)

## حدیث نمبر ۶:

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ (فرض کی) پہلی

دور کعتوں میں قرآن پڑھو اور پچھلی دور کعتوں میں تم تسبیح پڑھتے رہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ جس ۳۷۲)

ابن قدامہ فرماتے ہیں:

امام احمد سے روایت ہے کہ نماز کی پچھلی دور کعتوں میں قراءت واجب نہیں ہے اور اسی جیسا

تخریہ نخعی، ثوری ابو حنیفہ کا ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں

پہلی دور کعتوں میں قراءت کرتا ہوں اور پچھلی دو میں تسبیح پڑھتا ہوں۔

ان دلائل سے امام ابو حنیفہ کا نظریہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ آخری دو کعتوں میں قرآن

فرض نہیں باقی رہا قرآن کا سنت یا مستحب ہونا تو امام صاحب اس کے قائل ہیں۔ اور احناف کا مسلک

یہ ہے کہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور ہدایہ میں بھی یہ لکھا تھا مگر راشدی صاحب نے نقل نہیں کیا۔

الا ان الفضل ان یقرأ، مگر الفضل یہ ہے کہ قراءۃ کرے (یعنی سورۃ پڑھے)

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی حنفی لکھتے ہیں۔

مسئلہ: تمام فرائض کی پہلی دور کعات میں قرآن فرض ہے اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور

عصر، عشاء کی آخری دور کعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے۔ اور اگر اس کی بجائے تسبیح و تحمید

کرتا رہے تب بھی درست ہے، اگر بالکل سکوت کرے تب بھی نماز درست ہوگی۔ لیکن الفضل یہ ہے

کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔ (نماز منوں کلاں ۳۲۸ بحوالہ ہدایہ ج ۱ جس ۹۶، شرح نقایہ ج ۱ جس ۸۱، کبیری جس ۲۷۷)

## اعتراض نمبر ۵۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: رات کی نماز، ایک سلام کے ساتھ نور کعت پڑھنا درست ہے۔



### حدیث نبوی ﷺ

عن سعید بن هشام (فی وترہ ﷺ) یصلی تسع رکعات لا یجلس الا فی الثامنة فی ذکر اللہ ویحمدہ ویدعو ینہض ولا یسلم فیصلی التاسعة ثم یقعد فی ذکر اللہ ویحمدہ ویدعو ثم یسلم تسلیما۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ کی وتر کے بارے میں سیدنا سعید بن هشام روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نو (9) رکعات پڑھتے مسلسل آٹھ رکعت بغیر قعدہ کے پڑھتے پھر (آٹھویں رکعت پڑھ کر) قعدہ کرتے التحیات پڑھتے پھر (کھڑے ہو کر) نویں رکعت پڑھتے اور سلام پھیرتے۔

(مسند ج ۱ کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرها باب صلاة اللیل وعدد کعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعة وان الركعة صلوٰۃ صحیحہ صفحہ ۲۵۶ رقم الحدیث ۱۷۴۹)

### فقہ حنفی

فاما نافلة اللیل قال ابو حنیفہ ان صلی ثمان رکعات بتسلیمہ جاز و تکرہ الزیادة علی ذلک وقال لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمہ۔

(ترجمہ) رات کی نماز کے بارے میں ابو حنیفہ نے کہا اگر آٹھ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اس سے زیادہ رکعات (ایک سلام کے ساتھ) پڑھنا مکروہ ہے اور صاحبین نے کہا رات کی نماز میں دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ جائز ہیں اس سے زیادہ (رکعات ایک سلام کے ساتھ) جائز نہیں۔

(فقہ و حدیث ۹۱)

### جواب:

مکروہ والی بات فقہ حنفی کا مفتی بہ مسئلہ نہیں ہے پیر بدیع الدین شاہ صاحب اگر فقہ حنفی کی مشہور کتاب المبسوط سرخسی دیکھ لیتے تو شاید ایسا نہ کہتے۔

امام سرخسی نے مبسوط میں کہا ہے:

والا اصح ان الزیادة لا تکرہ لہا فیہا من وصل العبادۃ وهو افضل (ترجمہ) یعنی صحیح تر یہ ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ مکروہ نہیں اس لئے کہ اس میں اتصال عبادت ہے اور وہ بہتر ہے۔ (بخاری الثمین الخائف شرح کنز الدقائق باب الوتر والنوافل)

امام سرخنی حنفی کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ فقہ حنفی میں مکروہ نہیں ہے باقی وتروں کے متعلق حنفی طریقہ قرآن و سنت کے مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

### فقہ حنفی کے دلائل

#### وتر پڑھنے کا طریقہ

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے اس لیے بعض اوقات آنحضرت ﷺ تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے۔ دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین دو سلاموں سے ادا فرمائے لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائز نہیں رہا۔

#### وتر تین رکعات ہیں

(۱) عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الوتر بسبیح اسم ربک الاعلیٰ وفی الركعة الثانیة بقل یا ایہا الکفرون وفی الثالثة بقل هو اللہ احد ولا یسلم الا فی اخرہن ویقول یعنی بعد التسلیم سبحان الملک القدوس ثلاثاً۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۱)

(ترجمہ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر (کی پہلی رکعت) میں سبیح اسم ربک الاعلیٰ دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفرون تیسری رکعت میں قل هو اللہ احد پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت ہی میں پھیرتے تھے اور سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ سبحان الملک القدوس کہتے تھے۔

(۲) عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعد ہما رکعتین اطول منہما ثم اوتر بثلاث لا یفصل بینہن الحدیث۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عشاء

کی نماز پڑھ لیتے تو گھر تشریف لاتے پھر دو رکعت پڑھتے پھر ان سے لمبی دو رکعتیں اور پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے اور ان تینوں رکعتوں میں فصل نہیں فرماتے تھے۔ (یعنی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے)

(۳) عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته ان رسول الله ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۱، مسند ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۹)

(ترجمہ) حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۴) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا يسلم في الركعتين الاوليين من الوتر۔ (متدرک مام ج ۱ ص ۳۰۴، دارقطنی ج ۲ ص ۳۲)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۵) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لا يسلم الا في اخرهن وهذا وتر امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعنه اخذه اهل المدينة۔ (متدرک مام ج ۱ ص ۳۰۴)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت میں پھیرتے تھے اور یہی امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھی وتر ہیں، انہیں سے یہ اہل مدینہ نے لیے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے

(۶) عن السوربن مخرمة قال دفنا ابا بكر ليلا فقال عمر اني لم اوتر فقام وصفقنا وراءه فصلينا ثلاث ركعات لم يسلم الا في اخرهن

(طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲، مسند ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۳، مسند عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۰)

(ترجمہ) حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا، (فراغت پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے

وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی، آپ نے ہمیں تین رکعات نماز وتر پڑھائی اور سلام فقط ان کے آخر ہی میں پھیرا۔  
(۴) عن عمر بن الخطاب انه اوتر بثلاث ركعات لم يفصل بينهما بسلام۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تین رکعات وتر پڑھے اور تینوں رکعتوں میں سلام کے ذریعہ فصل نہیں کیا۔  
(یعنی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرا)

سرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے۔  
(۸) عن الحسن قال كان ابی بن کعب یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثة مثل المغرب  
(مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۶)

(ترجمہ) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتا کرتے تھے اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے مغرب کی نماز کی طرح۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ تین رکعات وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے۔  
(۹) عن ثابت قال قال انس یا ابا محمد خذ عنی فانی اخذت عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واخذ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن الله ولئن تأخذ عن احد او ثقی منی قال ثم صلی بی العشاء ثم صلی ست رکعات یسلم بین الکرکتین ثم اوتر بثلاث یسلم فی اخرهن  
(کنز العمال ج ۸ ص ۶۶)

(ترجمہ) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو محمد رضی اللہ عنہ مجھ سے اخذ کر لو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا ہے اور تم ہرگز مجھ سے زیادہ ثقہ آدمی سے اخذ نہیں کر سکتے۔  
حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے عشاء کی نماز پڑھائی پھر چھ رکعات نفل ادا کئے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے رہے پھر آپ نے تین

رکعات وتر پڑھے اور ان کے آخر میں سلام پھیرا۔

(۱۰) عن ثابت قال صلى بن انس الوتر وانا عن يمينه وام ولدہ  
خلفنا ثلاث ركعات لم يسلم الا في اخرهن ظننت انه  
يريد ان يعلمني (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲)

(ترجمہ) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھے وتر  
کی تین رکعتیں پڑھائیں اس حال میں کہ میں ان کی دائیں جانب تھا اور ان  
کی ام ولد ہمارے پیچھے، آپ نے سلام فقط آخر میں پھیرا میرا غالب گمان یہ  
ہے کہ آپ مجھے وتر کا طریقہ سکھار رہے تھے۔

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے  
(۱۱) عن مكحول انه كان يوتر بثلاث لا يسلم في ركعتين۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴)

(ترجمہ) حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے  
تھے اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا وتر کے متعلق فیصلہ

(۱۲) ثنا ابن وهب قال اخبرني ابن ابی الزناد عن ابیه قال  
اثبت عمر بن عبدالعزیز الوتر بالمدينة يقول الفقهاء ثلاثا  
لا يسلم الا في اخرهن۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳)

(ترجمہ) ہمیں حدیث بیان کی ابن وهب رضی اللہ عنہ نے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر  
دی ابن ابی الزناد نے اپنے والد کے واسطے سے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن  
عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں فقہاء کے قول کے مطابق وتر تین رکعت  
مقرر کر دیئے تھے جن میں سلام صرف آخر میں پھیرا جاتا تھا۔

مدینہ طیبہ کے سات فقہا بھی ایک سلام کیساتھ تین رکعات وتر کے قائل تھے

(۱۳) ثنا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ابیه عن (الفقهاء) السبعة



سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر والقاسم بن محمد وابی بکر بن عبد الرحمن و خارجه بن زید وعبید اللہ و سلیمان بن یسار فی مشیخۃ سواہم اہل فقہ و صلاح و فضل و ربما اختلفوا فی الشیء فاخذ یقول اکثرہم و افضلہم رایا فکان مما وعیت عنہم علی ہذہ الصفتۃ ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اخرہن۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۴)

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن ابی الزناد نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے اور انہوں نے روایت کی سات (فقہاء تابعین) یعنی سعید بن مسیب، عروۃ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابو بکر بن عبد الرحمن، خارجه بن زید، عبید اللہ بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے ان کے علاوہ دوسرے فقہیہ اہل صلاح اور صاحب فضل بزرگوں کی موجودگی میں روایت کی یہ بزرگ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو اس شخص کے قول پر عمل کرتے جو زیادہ ذی رائے اور افضل ہوتا، میں نے جو باتیں ان سے یاد کی ہیں اس طریقہ پر ان میں سے ایک یہ ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں سلام فقط آخری میں پھیرا جائے گا۔

اہل اسلام کا اجماع کہ وتر ایک سلام سے تین رکعات ہیں

(۱۴) عن الحسن قال اجمع المسلمون ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اخرہن۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۳)

(ترجمہ) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں صرف آخری رکعت ہی میں سلام پھیرا جائے گا۔

(۱۵) حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے (بزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیلتے تھے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ اکثر مسلمانوں کا ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا اور دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا۔ صرف حدیث ہی روایت کی تو شاگردوں کو کہنے لگا

کہ انی لاخاف ان يقول الناس هي البتيرة في ذرتا بون کہ لوگ اس طریقے کو دم کئی نماز کہیں۔

(مطابحہ ج ۱ ص ۱۹۲)

ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صاحبہ تھے یا تابعین۔ ان کا اس طریقے کو دم کئی کہنا اس حدیث کے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے جیسا کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر کرتا تو لوگ اعتراض کرتے۔

افسوس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے جن پر بلائیکہ عمل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنا لیا ہے۔

### درمیانی قعدہ

احناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ اس پر عمل باقی نہیں رہا یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے قعدہ ہی نہیں کرتے یہ بھی ترک واجب ہے۔

(۱) ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت ﷺ درمیانی قعدہ بھول گئے تو آپ ﷺ نے سجدہ سہو فرمایا:

اس لئے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ اعادہ نماز واجب ہے۔

(۲) عن عائشة قالت (فی حدیث طویل) وکان يقول فی کل رکعتین التحیة۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۳)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (ایک لمبی حدیث کے ذیل میں) فرماتی ہیں کہ اور آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت میں التحیات ہے۔

(۳) عن الفضل بن عباس قال قال رسول الله ﷺ الصلوة مشنی مشنی تشهد فی کل رکعتین۔ الحدیث۔ (ترمذی ج ۱ ص ۸۷)

(ترجمہ) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، ہر دو رکعتوں میں تشهد ہے۔

(۴) عن عبد اللہ (بن مسعود مرفوعاً) الى النبی ﷺ قال اذا قعدتم فی کل رکعتین فقولوا التحیات اللہ. الحدیث (نہائی ج ۱ ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تم ہر دو رکعت میں قعدہ کرو تو التحیات اللہ (آخر تک) پڑھو۔ (۵) عن ام سلمۃ ان النبی ﷺ قال فی کل رکعتین تشهد وتسليم علی المرسلین وعلی من تبعہم من عباد اللہ الصالحین۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۹)

(ترجمہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دو رکعت میں تشهد ہے اور رسولوں پر اور ان کی پیروی کرنے والے اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ ﷺ نے پرواہ نہیں کی پس جب آپ نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا۔ (رواہ المیزان مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۲ اور نہاس کے سب راوی ثقہ ہیں)

(۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا تسلم فی کل رکعتین (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔

(۸) چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا ہاں وتر کی دو رکعت کے بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے اس لئے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے قعدہ کی دلیل ہیں۔

اور تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نماز مغرب جیسا قرار دیا ہے (جو پہلی گزری ہیں)

درمیانی قعدہ کے لئے دلیل ہیں کیونکہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر احتیاج نہ پڑھے یعنی قعدہ نہ کرے تو بالاتفاق مجدد ہو واجب ہے۔

(۹) عن عبد الله قال ارسلت احي ليلة لتبیت عند النبي ﷺ فتنظر كيف يوتر فصلی ماشاء الله ان یصلی حتی اذا كان اخر الليل و اراد الوتر قرأ بسبع اسم ربك الاعلی فی الركعة الاولى و قرأ فی الثانية قل یا ایها الکفرون ثم قعد ثم قام ولم یفصل بینہما بالسلام ثم قرأ بقل هو الله احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء الله ان یدعو ثم کبر و رکع (الخ)

(الامتیعاب فی معرفت الصحاب لابن عبد البر ج ۴ ص ۷۱)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں بھیجا تا کہ وہ یہ دیکھیں کہ آپ وتر کیسے پڑھتے ہیں (آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ) آپ نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہی حتیٰ کہ جب رات کا خیر ہو گیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں سبع اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایها الکفرون پڑھیں پھر قعدہ کیا پھر قعدہ کے بعد کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فضل نہیں کیا پھر آپ نے قل هو الله احد پڑھی جب آپ قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعائے قنوت پڑھی اور قنوت میں جو اللہ نے چاہا دعا مانگی پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔

(۱۰) عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعة تو تروک ما صلیت قال القاسم و راينا انا سأمنا و در کنا یوترون بثلاث. الحدیث.

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۵)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے پھر جب تمہارا فارغ ہو کر جانے کا

ارادہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو یہ تمہاری پڑھی ہوئی نماز کو تر بنادے گی،  
حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش  
سنبھالا کہ وہ وتر تین رکعات ہی پڑھتے ہیں۔

دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التھیات سے ثابت  
ہوگئی ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔  
امام حاکم نے پہلے دو سندوں سے سعید بن ابی عمرو بن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن  
ہشام عن عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام  
نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے  
اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے (مستدرک حاکم، ج ۱ ص ۳۰۴) سعید کی یہ حدیث  
مستدرک حاکم کے علاوہ نسائی ج ۱ ص ۲۳۸ موطا امام محمد ص ۱۵۱ طحاوی ج ۱ ص ۱۹۳ محلی ابن حزم ج ۲  
ص ۱۲۸ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵ دارقطنی ص ۱۷۵ بیہقی ج ۳ ص ۳۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶ طبرانی  
صغیران دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اخبرنا ابو نصر احمد بن سہل الخفقیہ بخارا ثنا صالح بن محمد بن حبیب الحافظ ثنائیان بن فروخ ابن  
ابی شیبہ ثنائیان عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم (فی نسخة لا یقعد) الا فی آخرهن وهذا وتر امیر المؤمنین  
عمر بن الخطاب وعنه اخذه اهل المدینہ (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴) گویا دس سندوں  
میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ لا یسلم ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے  
تھے اور گیارہویں سند میں دو نسخے ہیں ایک تو یہی لا یسلم دوسرا لا یقعد کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے  
بعد نہیں بیٹھتے تھے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی  
تحقیق کی جائے کیونکہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت  
ہو یا محکم کے مقابلہ میں تشابہ آجائے۔

(۱) اس کی سند کے پہلے دور اوپوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرۃ الحفاظ اور  
میزان الاعتبار اور تہذیب التہذیب میں۔



(۲) تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التہذیب ص ۱۴۸ پر لکھا ہے صدوق یحکم وری بالقدر۔ یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

(۳) چونکہ راوی ابان ہے ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں تقریب التہذیب میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں علامہ نیوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابان بن یزید قرار دیا ہے لیکن ان کی بات غیر مقلدین کے لیے حجت نہیں بن سکتی اور علامہ نیوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔  
(آثار السنن ج ۱ ص ۱۵)

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: ”ابان کی روایت میں بجائے لایقعد کے لا ”یسلم“ ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لیے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق لایقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہیے۔  
(فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۸۹)

(۵) اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث و اذا قرأ فانتصتو کو ماننے سے اسی لیے انکار کیا ہے کہ قتادہ عن سے روایت کر رہا ہے اور نسائی ج ۱ ص ۱۲۳ کی حدیث مالک بن الحویرث رحمۃ اللہ علیہ جس میں سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ قتادہ عن سے روایت کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کو نہیں مانتے اس لیے قتادہ کی روایت ان کے نزدیک کیسے حجت بن سکتی ہے اس لیے سند کے اعتبار سے یہ روایت ہرگز قابل استدلال نہیں۔

(۶) اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ لایقعد صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا اور یہی طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ لایقعد والا تھا یا لا یسلم والا تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا اس میں لا یسلم ہے لایقعد نہیں۔

(۷) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے فقیہ تھے وہ

دوسری رکعت پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے (متدرک ج ۱ ص ۳۰۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی صحیح سند سے لایقعد کا لفظ ثابت نہیں۔

(۸) دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے ان کے بارہ میں بھی گزر چکا کہ بالاتفاق لایسلم والا طریقہ تھا کسی ایک روایت میں بھی لایقعد نہیں آتا۔  
الغرض لایقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

### اعتراض نمبر ۵۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اقامت کے بعد نفل کا حکم۔

#### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ انه قال اذا اقمیت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

(ترجمہ) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں (پڑھنی چاہیے)

مسند کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها باب کراهیۃ الشروع فی نافۃ بعد شروء المؤذن فی اقامۃ صلاۃ الخ ص ۲۲۷، رقم الحدیث (۱۶۴۳)

#### فقہ حنفی

ان تفوتہ الرکعة ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند

باب المسجد۔ (ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب ادراک الفریضۃ صفحہ: ۱۵۳)

(ترجمہ) (فجر نماز) کی ایک رکعت فوت ہو چکی ہو اور دوسری رکعت مل سکتی

ہو تو مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی سنتیں پڑھ سکتا ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۹۲)

جواب:

تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ ظہر، عصر، عشاء کی فرض سے پہلے والی سنتیں بوقت اقامت جماعت

نہ پڑھیں کیونکہ یہ سنتیں بعد فرض کے اس نماز کے وقت میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ ہاں فجر کی سنتیں جمہور صحابہ و تابعین۔ امام ابو حنیفہ امام ثوری۔ امام مالک فی روایہ امام اور زاعی، امام حسن بصری، امام مسروق۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر کے نزدیک دو شرطوں سے پڑھی جاسکتی ہیں۔ پہلی شرط:

خارج مسجد ہو یا جماعت اور مصلی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

دوسری شرط:

ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کا غالباً گمان ہو۔

اگر یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جاتیں تو ایسا شخص جماعت میں شامل ہو جائے پھر سورج نکلنے کے بعد یہ سنتیں پڑھے، نماز فجر کی سنتیوں میں یہ خاص رایت کیوں رکھی گئی ہے اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی نماز کی سنتیوں کی تاکید باقی تمام سنتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (دیکھئے آثار السنن ج ۲ ص ۲۲ و ۲۹)

(۲) نماز فجر کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۲۸۲) اگر یہ سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھی جائیں گی تو پھر نماز فجر کے وقت میں تو پڑھنے کا موقع ہی نہ رہا۔

(۳) عدم قضاء تسبیح من غیر بنیۃ الفرضی۔ (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۴، ص ۷۴) اس نے احناف نے دلائل میں تطبیق کی ایسی کوشش کی کہ تطبیق بھی ہو جائے اور تمام فضیلتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت اور تاکید والی روایات

(۱) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ركعتا الفجر خير من

الدنيا وما فيها۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

فجر کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہیں۔

(۲) عن عائشة قالت لم يكن النبي ﷺ على شيء من النوافل اشد تعاظما منه على ركعتي الفجر

(بخاری ج ۱ ص ۱۵۶، مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

(۳) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تدعو ہما وان طردتکم الخیل.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

جماعت کی فضیلت والی روایت

دلائل احناف

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا اقيمت فلا صلوٰۃ الا المكتوبة الاركعتي الصبح

(سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۴۸۳)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی کر دی جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرضی نماز کے مگر فجر کے دو رکعتیں۔ (یعنی سنت فجر)

(۲) عن ابی اسحق قال حدثنی عبد اللہ بن ابی موسیٰ عن ابیہ حین دعاهم سعید بن العاص دعا ابا موسیٰ وحذیفۃ وعبد اللہ بن مسعود قبل ان یصلی الغداة ثم خوجوا من عندہ قد اقيمت الصلوٰۃ فجلس عبد اللہ الی اسطوانۃ من المسجد فصلی الركعتین ثم دخل فی الصلوٰۃ

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۷)

(ترجمہ) حضرت ابو اسحق فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے واسطے سے یہ حدیث بیان کی جب کہ ان کو حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بلایا کہ حضرت سعید بن

العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت خذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز سے پہلے بلایا، پھر جب یہ حضرات ان کے پاس سے نکلے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شریک ہو گئے۔

(۳) عن عبد اللہ بن ابی موسیٰ قال جاء ابن مسعود والامام یصلی الصبح فصلی رکعتین الی ساریة ولہ یکن صلی رکعتی الفجر۔  
(متوطرہ ابی کبیر ج ۹ ص ۲۷۷)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابی موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے ایک ستون کی اوٹ میں فجر کی دو رکعت سنتیں ادا کیں جو آپ پہلے ادا نہیں کر سکے تھے۔

(۶) عن عبد اللہ بن ابی موسیٰ عن عبد اللہ انہ دخل المسجد والامام فی الصلوۃ فصلی رکعتی الفجر۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۷)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابی موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر کے وقت) مسجد میں تشریف لائے تو امام نماز میں تھا تو (پہلے) آپ نے فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔

(۵) عن حارثہ بن مضرب ان ابن مسعود و ابی موسیٰ خرجا من عند سعید بن العاص فاقیمت الصلوۃ فرکع بن مسعود رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلوۃ و اما ابو موسیٰ فدخل فی الصف  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو فجر کی جماعت کھڑی ہو گئی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فجر کی دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدھے صف میں داخل ہو گئے۔



(۶) عن مالک بن مغول قال سمعت نافعاً يقول يقول ايظقت ابن عمر لصلوة الفجر وقد اقيمت الصلوة فقام فصلى ركعتين۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت مالک بن مغول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فجر کی نماز کے لیے جگایا جب کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی، آپ اُٹھے اور (پہلے) دو رکعتیں پڑھیں۔

(۷) عن محمد بن كعب قال خرج عبد الله بن عمر من بيته فاقامت صلوة الصبح فركع ركعتين قبل ان يدخل المسجد وهو في الطريق ثم دخل المسجد فصلى الصبح مع الناس

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے تشریف لے گئے تو فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ ہی میں دو رکعت (فجر کی سنتیں) ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہوئے اور فجر کی نماز لوگوں کے ساتھ ادا کی۔

(۸) عن زيد بن اسلم عن ابن عمر انه جاء والامام يصلي الصبح ولم يكن صلى الركعتين قبل الصبح فصلاهما في حجرة حفصة ثم انه صلى مع الامام۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر نماز کے لیے) تشریف لائے تو امام نماز پڑھا رہا تھا اور آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں چنانچہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں سنتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۹) عن ابی ہریرۃ قال دخلت المسجد فی صلوة الغداة مع ابن عمر وابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما

ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام  
قعد ابن عمر مكانه حتى طلعت الشمس فقام فركع ركعتين

(ٹھادی ج ۱ ص ۲۵۷)

(ترجمہ) حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور  
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں آیا تو  
امام نماز پڑھا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے  
لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دو رکعت (سنت) پڑھ کر امام کے  
ساتھ شریک ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما  
اپنی جگہ بیٹھے رہے حتیٰ کہ جب سورج نکل آیا تو اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔

(۱۰) عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبد اللہ بن عباس والامام  
فی صلوۃ الغداة ولم یکن صی الركعتین فصلی عبد اللہ بن عباس  
الركعتین خلف الامام ثم دخل معهم۔ (ٹھادی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت ابو عثمان انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن  
عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لیے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا  
اور آپ نے دو رکعتیں (سنت کی) نہیں پڑھی تھیں چنانچہ آپ نے دو رکعت  
سنت امام کے پیچھے پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہو گئے۔

(۱۱) عن ابی الدرداء انه کان یدخل المسجد والناس صفوف  
فی صلوۃ الفجر فیصلی الركعتین فی ناحیة المسجد ثم یدخل  
مع القوم فی الصلوۃ۔ (ٹھادی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت ابو درداءؓ روایت ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لاتے  
تو لوگ فجر کی نماز کی صف باندھے کھڑے ہوتے، آپ مسجد کے ایک گوشہ میں  
دو رکعت (سنت) ادا کرتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے۔

(۱۲) عن ابی عثمان النہدی قال کنان لقی عمر بن الخطاب قبل  
ان یصلی الركعتین قبل الصبح وهو فی الصلوۃ فنصلی فی اخر

المسجد ثم ندخل مع القوم في صلواتهم۔ (طاہوی ج ۱ ص ۲۵۸)  
 (ترجمہ) حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صبح کی دو سنتیں پڑھنے سے پہلے حاضر ہوتے تو آپ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے آخر میں دو سنتیں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہو جاتے۔

(۱۲) عن حصين قال سمعت الشعبي يقول كان مسروق يبعثني الى القوم وهم في الصلوة ولم يكن ركع ركعتي الفجر فيصلي الركعتين في المسجد ثم يدخل مع القوم في صلواتهم۔ (طاہوی ج ۱ ص ۲۵۸)  
 (ترجمہ) حضرت حصینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شعبیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس تشریف لاتے اس حال میں کہ لوگ نماز میں ہوتے اور آپ نے فجر کی دو رکعت سنت نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں دو رکعت سنت پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہو جاتے۔

(۱۳) عن الحسن انه كان يقول اذا دخلت المسجد ولم تصل ركعتي الفجر فصلهما وان كان الامام يصلي ثم ادخل مع الامام (طاہوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت حسن بصریؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ سنتیں پڑھ لو اگرچہ امام نماز ہی پڑھا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

(۱۵) انا يونس قال كان الحسن يقول يصليهما في ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم في صلواتهم۔ (طاہوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت حشیمؓ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت یونسؓ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؓ فرماتے تھے کہ فجر کی دو سنتیں مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہو جائے۔

(۱۶) عن سعيد بن جبيرة انه جاء الى المسجد والامام في صلوة الفجر

فصلی الرکعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسجد کے دروازے کے پاس دو رکعت سنت ادا کیں۔

(۱۷) عن مجاهد قال اذا دخلت المسجد والناس في صلوة الصبح ولم تروك ركعتي الفجر فاركعها وان ظننت ان الركعة الاولى تفوتك  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے ہوں اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ پڑھ لو اگرچہ تمہارا خیال ہو کہ تم سے پہلی رکعت فوت ہو جائے گی۔

(۱۸) عن مسروق انه دخل المسجد والقوم في صلوة الغداة ولم يكن صلى الركعتين فصلاهما في ناحية ثم دخل مع القوم في صلاتهم۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۰)

(ترجمہ) مسروق سے روایت ہے کہ بے شک وہ داخل ہوا مسجد میں لوگ صبح کی نماز میں تھے اور اس نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں پس انہیں ایک کونے میں پڑھا پھر وہ لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے۔

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توجیہ

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں زکریا بن اسحاق، ایوب، ورق ابن عمر زیاد بن سعد اسماعیل بن مسلم اور محمد بن جواد اس کو عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرہ مرفوع نقل کرتے ہیں اور حماد بن زید اور غیاث بن عیینہ عمرو بن دینار سے موقوف نقل کرتے ہیں والرفوع اصح حماد بن سلمہ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۶ و حاشیہ الام ج ۱ ص ۱۲۹، ابن علیہ عند ابن ابی شیبہ ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع عند ابن حاتم (معارف السنن ص ۷۶-۷۸، ج ۴) بھی اس کو موقوف نقل کرتے ہیں محمد بن طاہر المقدسی نے بھی

موقوف ہی قرار دیا ہے (تذکرۃ الموضوعات ص ۶) اسی اختلاف کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں اس کو سند روایت نہیں کیا۔ غالباً اسی اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو ترمذی نے صحیح کے بجائے حسن قرار دیا ہے۔ پھر خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح لا تدعوا رکعتی الفجر ولو طر و تکم الخلیل (آثار السنن ج ۱ ص ۲۹) مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً من ادرك ركعة فقد ادرك الصلوة (مسلم ج ۲ ص ۲۲۱) اور ان سے ہی مرفوعاً مروی ہے اذا كنتم في المسجد فنودي بالصلوة فلا يخرج احدكم حتى يصلي (رواہ احمد و رجالہ الصحیح، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵) تو ان سب احادیث کو جمع کر لیا گیا کہ مسجد کے باہر یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو ایک رکعت مل سکنے کی صورت میں فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جائے تاکہ لو طر و تکم الخلیل کی مخالفت نہ ہو بعض نے بواسطہ مسلم بن خالد زنجی عن عمرو بن دیناد ولا رکعتی الفجر روایت کیا ہے لیکن اس کی میں ایک تویحی بن دینار کے سات شاگردوں پر زیادتی کر رہا ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۰) اس کے برعکس بیہقی نے بطریق لیث بن سعد عن عطاء عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا اقمتم الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة الارکعتی الفجر نقل کیا ہے اس کی سند میں حجاج بن نصیر مختلف فیہ ہے (میزان ج ۱ ص ۶۵) اور عباد بن کثیر الرطبی مختلف فیہ ہے (میزان ج ۲ ص ۷۰) پہلی روایت ولا رکعتی الفجر کو ابن عدی نے یحییٰ کی حدیث میں ذکر کیا ہے مگر اس کو اس حدیث میں ذکر نہیں کیا۔ اگر بالفرض دونوں حسن ہوں تو بھی لا رکعتی الفجر صفوں میں مل کر پڑھنے پر اور لا رکعتی الفجر علیحدہ پڑھنے پر محمول ہوں گی۔ عبد اللہ بن مالک بن نחסین بخاری ج ۱ ص ۹۱ مسلم ج ۱ ص ۲۴ پر ہے آنحضرت ﷺ حجروہ سے جماعت کے لیے مسجد میں آتے تھے آپ نے مسجد میں ہی کسی کو نماز پڑھتے دیکھا اور فرمایا لا تجعلوا هذا مثل صلوة الظهر قبلها وبعدها اجعلوا بینہما فصلاً (ج ۱ ص ۲۱۹ منہ احمد ج ۵ ص ۳۴۵) اور مسلم میں دوسری ہے فان رسول اللہ ﷺ امرنا ان لا نوصل صلوة بصلوة ج ۱ ص ۲۸۸ والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بالکل جماعت کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں۔



## اعتراض نمبر ۵۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ہر قسم کا سود قبیح ترین گناہ ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الربا سبعون جزء  
ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔

(ترجمہ) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے  
(گناہ) کے مترادف ہیں ان میں سے ہر ایک کا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے صحبت کرے۔

(ابن ماجہ ج ۲ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربوا صفحہ ۱۶۳، رقم الحدیث ۲۲۷۴)

### فقہ حنفی

ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔

(ہدایہ خیرین ج ۳ کتاب البیوع باب الربا، ص ۸۶)

یعنی دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے مابین جو بھی (لین دین) ہو وہ سود نہیں ہے۔

(فقہ حدیث ص ۲۳)

### جہاں:

فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔ جو حدیث پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے نقل کی ہے  
حنفی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ حنفی سود کو جائز کہتے ہیں۔ درست نہیں۔ آپ  
نے ہدایہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی ہدایہ کا یہ مسئلہ عام سود کے متعلق نہیں ہے بلکہ  
دار الحرب میں بھی خاصی نوعیت کا مسئلہ ہے۔

فقہ حنفی میں سود حرام ہے

(۱) قدوری میں ہے

سود حرام ہے ہر چیز میں خواہ کیلی ہو یا وزنی

(قدوری باب الربوا مطبوعہ ایچ ایم سعید کتب خانہ کراچی)

(۲) کنز الدقائق میں ہے۔

ربو (سود) مال کی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو مال کو مال سے بدلنے میں بلا عوض ہو (مثلاً دو سیر گیہوں وغیرہ کے بدلے تین سیر لے لئے یا دیدیے یا دس روپے لے کر گیارہ دے دیے یا لے لیے) اور (دو چیزوں میں) ربوا (پینانے) کی علت قدر اور جنس (میں دونوں کا ایک ہونا) سے (قدر سے مراد یہ ہے کہ جو چیز پینانہ سے نپ کر بکتی ہے اس میں پینانہ اور جو تل کر بکتی ہو اس میں تول ایک ہو یعنی دونوں تل کر بکتی ہوں اور جنس کے ایک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دونوں چیزیں ایک ہی قسم کی ہوں مثلاً دونوں گیہوں ہوں یا دونوں جو، پنے وغیرہ ہوں) پس جن چیزوں میں یہ قدر و جنس ایک ہوں ان میں (ایک طرف سے) زیادتی اور ادھار (دونوں حرام ہیں)

(اکن المسائل ترجمہ کنز الدقائق المسائل ترجمہ کنز الدقائق ص ۲۳۱، ہود کے احکام)

(۳) شرح وقایہ میں ہے

تو جو چیز تپ یا تل کر بکتی ہے جب بدلے میں اپنی جنس کے نیچی جاوے گی تو اس میں زیادتی لینا حرام ہے اگرچہ وہ کھانی کی نہ ہو وے جیسے چونا اور لوہا چونا کیلی ہے اور زنی (نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ جلد سوم باب ربوا)

(۴) ہدایہ میں ہے

فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز میں ربوا (سود) حرام ہے جو کھلی یا موزونی ہے بشرطیکہ اسے اس کی ہم جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ نیچی جائے۔

(اکن الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد ۸ ص ۳۰۳، ۳۰۴ باب الربا)

(۵) درمختار میں ہے۔ باب الربوا یہ باب ہے ربوا یعنی سود اور بیاج کی احکام میں۔

م۔ مراجع کے بعد ربوا کو اس واسطے ذکر کیا کہ دونوں میں زیادت ہے مگر یہ کہ مراجع کی زیادت حلال ہے اور ربوا کی زیادت حرام قطعی قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا لا تأکلوا الربوا یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والوں بیاج (سود) نہ کھاؤ اس آیت میں ربوا سے مراد قدر زائد ہے خواہ زائد قرض میں ہو یا اموال ربوا کی بیج ہو اور گاہے ربوا نفس زیادت کو بھی کہتے ہیں یعنی بمعنی مصدری قال اللہ تعالیٰ واصل اللہ البیع و حرم الربوا یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ربوا کو یعنی اموال ربویہ کے قرض اور بیع میں زیادہ دینے لینے کو کذا فی فتح القدیر ملخصاً۔ معلوم ہوا کہ

جیسے بیع میں سود حرام ہے ویسے ہی قرض میں بھی حرام ہے تو یہ جو بعضے ناقص الفہم کہتے ہیں کہ سود فقط بیع میں حرام ہے نہ قرض میں سو غلط ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے اور کھلانے والے پر ابوداؤد اور ترمذی میں اتنی روایت زیادہ ہے کہ سودے دونوں گواہوں اور کاتب پر لعنت فرمائی اور نسائی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ کوئی باقی نہ رہے گا مگر سود کھائے گا اور اگر سود نہ کھائے گا تو اس کی بھاپ لگے گی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کی غبار لگے گا کذا فی التیسیر۔

ہو لفتہ مطلق الزیادۃ ربو لغت میں مطلق زیادت کو کہتے ہیں خواہ کیل یا وزن میں زیادت ہو یا سوائے اس کے۔ (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۳ ص ۱۳۰، ۱۳۱)

(۶) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: چھٹی فصل ربوا (سود) اور اس کے احکام کے بیان میں واضح ہو کہ ربوا (سود) شرح میں اس مال کو کہتے ہیں کہ جو مال کے عوض مال لینے میں زیادتی ہو کہ اس کے مقابلے میں مال نہ ہو اور یہ ربوا (سود) ہر ناپ یا تول کی چیزوں میں جو اپنے جنس کے ساتھ پہنچ جاویں حرام ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۳۹۸)

(۷) بہشتی زیور میں ہے

سودی لین دین کا بڑا بھاری گناہ ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کی بڑی برائے اور اس سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے سود دینے والے اور لینے والے اور بیچ میں پز کے سود دلانے والے، سودی دستاویز لکھنے والے گواہ شاہد وغیرہ سب پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ سود دینے والا اور لینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں اس لیے اس سے بہت بچنا چاہیے اس کے مسائل بہت نازک ہیں زرا ذرا سی بات میں سود کا گناہ ہو جاتا ہے اور انجان لوگوں کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ کیا گناہ ہوا۔ ہم ضروری ضروری مسئلے یہاں بیان کرتے ہیں لین دین کے وقت ہمیشہ ان کا خیال رکھا کرو۔ (مکمل مدلل بہشتی زیور حصہ پنجم باب سودی لین دین کا بیان ص ۷۰ ص ۷۱)

(۸) الفلاح الضروری اردو ترجمہ التسهيل الضروری لمسائل القدوری میں ہے

سہال: لغت اور شریعت کی رو سے سود کیا ہے۔

جہاں: سود لغت کی رو سے مطلق زیادت (کا نام) ہے اور بہر حال سفید شریعت (کی اصطلاح) میں

وہ: قسموں کی طرف منقسم ہے (۱) بیع کا سود (۲) قرض کا سود اور یہ دونوں حرام ہیں اور تحقیق (سود) لینے والے اور دینے والے کے حق میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

**سہال:** قرض کا سود کیا ہے؟

**جواب:** وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً دراجہم یا دنانیر قرض میں دے اور قرض دار پر شرط لگائے کہ وہ اسے اس سے زیادہ ادا کرے جو اس نے قرض میں دیا ہے۔ (الفتح النوری ص ۱۷۷)

**سہال:** بیع کا سود کیا ہے۔

**جواب:** وہ یہ ہے کہ کیلی یا وزنی (چیز) اس کی جنس کے عوض زیادت کے طور پر بیچے یا کیلی یا وزنی (چیز) اس کی جنس کے عوض یا غیر جنس کے عوض ادھار کے طور پر بیچے۔ (الفتح النوری ص ۱۷۷ ج ۱ ص ۱۷۸)

**سہال:** کیا اس (سلسلہ) میں نبی پاک ﷺ کی طرف سے نص وارد ہوئی ہے؟

**جہا:** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (مسلم فی الربا) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض، گندم کو گندم کے عوض،

جو کو جو کے عوض، کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض برابر برابر دست بدست (بیچو) پس جس نے

زائد دیا یا زائد لیا تو تحقیق اس نے سود کا ارتکاب کیا (سود) لینے والا اور دینے والا اس (جرم) میں برابر ہیں۔

اور حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (مسلم فی الربا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض، نمک کو نمک

کے عوض برابر برابر دست بدست (بیچو) پس جب یہ قسمیں مختلف ہو جائیں (مثلاً سونے کے عوض

چاندی یا گندم کے عوض جو وغیرہ) تو جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں کو ذکر فرمایا اور حکم دیا کہ ان چیزوں کو ان کی جنس میں سے

بعض کو بعض کے عوض نہ بیچا جائے الا یہ کہ برابر برابر دست بدست ہو اور بیان فرمایا کہ جو زائد ہو جائے پس وہ سود

ہے جس جانب سے بھی ہو۔ اور فرمایا کہ (سود) لینے والا اور دینے والا اس (جرم) میں برابر ہیں اور خلاف جنس کا

عوض ان قسموں کی فروخت کو برابری اور زیادت کے طور پر جائز قرار دیا بشرطیکہ دست بدست ہو۔ (الفتح النوری ص ۱۷۸)

سودی کا روبرو

اسلامی شریعت میں سود قطعی حرام ہے اور ہر طرح کا سودی کاروبار بھی حرام ہے۔

(اسلامی فقہ جلد ۲ ص ۳۴۵)

(۱۰) مفتی محمد شفیع حنفی لکھتے ہیں۔

اسلام میں سود اور بوا کی خدمت کوئی مخفی چیز نہیں کہ اس کے لیے رسالے یا کتابیں لکھیں جائیں۔ جو شخص کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اسلام میں سود حرام ہے۔ (مسئلہ سوہن) ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔ اس پر بے شمار حوالہ جات نقل کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ سود کی حرمت پر حنفی علماء نے عربی، انگریزی، اور اردو زبان میں کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور اب بھی سب سے زیادہ سود کے خلاف دنیا میں حنفی علماء ہی کی تحقیقات شائع ہو رہی ہیں۔ آپ صرف مفتی شفیع صاحب اور ان کے لائق فرزند گرامی۔ مولانا مفتی رفیع عثمانی۔ اور خاص کر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی تصانیف ہی دیکھ لیں۔ آنکھیں کھل جائیں گی۔ اگر زیادہ نہیں تو صرف مسئلہ سود مفتی شفیع صاحب کی اور تجارتی سود مفتی تقی عثمانی کی پڑھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حنفی کیا کہتے ہیں مفتی شفیع صاحب نے اپنے رسالہ میں قرآن مجید کی آٹھ (۸) آیات اور ۱۴ احادیث مبارکہ نقل کر کے سود کی حرمت ثابت کی ہے۔ جس سے راشدی کا الزام غلط ثابت ہوتا ہے کہ احناف سود کی حرمت کے قائل نہیں۔

## ہدایہ کی عبارت کی وضاحت

راشدی صاحب نے پوری عبارت نقل نہیں کی ہم پہلے ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

قال ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لابن یوسف رحمۃ

اللہ علیہ والشافعی لهما الاعتبار بالمستامن منهم فی دارنا

فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین ربا نہیں ہے، امام ابو

یوسف اور امام شافعی کا اختلاف ہے ان حضرات کی دلیل امن لے کر دارالاسلام

میں آئے ہیں آئے ہوئے حربی پر قیاس ہے۔ (ہدایہ باب الربا)

یہ ہے ہدایہ کی پوری عبارت۔ راشد صاحب نے فی دار الحرب تک عبارت نقل کی ہے آ

خلافاً لابن یوسف سے آگے تک عبارت چھوڑ دی۔ یہ کیوں کیا۔ یہ اس لیے کیا کہ عوام کو پتہ نہ



جائے گا کہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف خلاف ہیں امام ابو یوسف کے نزدیک دار الحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے اور بہت سارے محدثین اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارا بھی اس وقت نظریہ امام ابو یوسف والا ہی ہے۔

باقی جن فقہاء نے امام ابو یوسف کے خلاف نظریہ قائم کیا ہے۔ وہ کمزور ہے۔ اس لیے فقہ حنفی کا فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

جو لوگ جائز قرار دیتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ ہم نقل کرتے ہیں تاکہ دونوں طرف کے دلائل سامنے آجائیں۔

دلیل نمبر ۱:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر کافروں سے سود کا معاملہ کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کا دن حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔

وربما الجاہلیۃ موضوعۃ واول رباً امنع رباً ناربا عباس ابن عند المطلب  
اسی طرح زمانہ جاہلیت کے تمام سود پامال ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے  
خاندان کے سود کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ حضرت عباس بن  
عبد المطلب کا سود ہے ان کا تمام سود چھوڑ دیا گیا ہے۔

(مسند کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) الریح المکرمہ ص ۶۱۶ یہ ت مصطفیٰ ج ۳ ص ۳۰۲

اس حدیث کی شرح علامہ ترکمانی حنفی سے

علامہ ترکمانی مجوہر الحنفی جلد ۲ ص ۲۰۳ میں فرماتے ہیں۔

کہ با حرام ہو چکا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ میں فتح مکہ تک رہا کہ معاملہ کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح امام طحاوی سے

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عباس کے رہا کو موقوف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان اور مشرک میں دار الحرب میں رہا جائز ہے ابو حنیفہ سفیان ثوری اور ابراہیم حنفی بھی جائز کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جاہلیت کا رہا موقوف ہے اس امر پر دلیل ہے کہ اس وقت تک رہا قائم تھی یہاں تک کہ مکہ فتح ہو کر جاہلیت جاتی رہی حضرت عباس کا رہا موقوف کرنا

اس بات پر دلیل ہے کہ اس وقت بھی وہ جائز تھا کیونکہ موقوف وہی ہوتا ہے جو قائم ہو۔  
فقہ ابو الولید فرماتے ہیں:

کہ یہ استدلال صحیح ہے۔ کیونکہ کہ مشرکین و مسلمین میں دار الحرب میں ربا حلال نہ ہوتا تو حضرت عباس کا ربا اسی وقت موقوف ہو جاتا جس وقت وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اور اسلام کے بعد جو کچھ لیا ہوتا واپس کیا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِنْ تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِکُمْ إِنْ تَرْتُمُ تَوْبَةً کَرْتُمْ وَأَصْلُ مَالِ تُمْہَارِے لَیْے حَالِ ہے۔ حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ربا موقوف کیا تو اسلام لانے کے بعد جو کچھ وہ لے چکے تھے اگر ناجائز ہوتا تو واپس کرایا جاتا۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لیے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں ربا مسلمان اور حربیوں میں متحقق نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر ۲: ہدایہ میں ہے کہ

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

لَا رِبَا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِی دَارِ الْحَرْبِ

دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین ربا نہیں ہے۔

(بہشتی فی معرفت السنن والاثر باب بیع الدرجم بالدرحمین فی ارش حدیث نمبر ۵۶۶۳) نصب الراية

یہ حدیث گویا ضعیف ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی موید ہو سکتی ہے نواب صدیق

حسن خاں بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

ثم نقول اموال اهل الحرب على اصل الاباحة يجوز لكل احد

اخذ ما شاء منها كيف شاء قبل التامين بهم

(ترجمہ) اہل حرب کے اموال مباح ہیں۔ ان کو امان دینے سے پہلے ہر شخص کو جائز

ہے کہ ان اموال سے جو چاہئے جس طرح چاہیے لے لے۔ (روضة اللہ یس ۱۳۰)

ناظرین ہم نے یہ بحث لمبی کر دی ہے صرف اس لیے کہ یہ سود کا مسئلہ ہے۔ جس میں دونوں

گروہوں کے دلائل کا کچھ ذکر کر دیا ہے۔ مگر ہمارا نظریہ پہلے والا ہے دار الحرب میں بھی سود لینا جائز

نہیں اس کی حرمت وہاں بھی ہے۔

## اعتراض نمبر ۵۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** فرض کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن قیس ابن عمرو قال رای النبی ﷺ رجلا یصلی بعد صلوۃ الصبح رکعتین فقال رسول اللہ ﷺ صلوۃ الصبح رکعتین رکعتین فقال الرجل انی لہ اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلہا فصلیتہما الان فسکت رسول اللہ ﷺ۔

(ترجمہ) سیدنا قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا وہ فجر نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز تو دو رکعتیں ہیں؟ تو اس آدمی نے جواب دیا میں نے پہلے وائی دو رکعتیں (سنتیں) نہیں پڑھی تھیں اب پڑھی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب من فاتتہ متی یقضیہا ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۱۲۶۷)

### فقہ حنفی

اذا فاتتہ رکعتا الفجر لا یقضیہما قبل طلوع الشمس

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب ادراک الصلوۃ ص ۱۵۶)

جب فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) فوت ہو جائیں تو ان کو طلوع آفتاب سے قبل ادا

(فقہ وحدیث ص ۹۳)

نہیں کر سکتے۔

**جواب:**

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

**حدیث نمبر ۱:**

روایت ہے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے نہ پڑھی ہوں سنتیں

فجر کی تو پڑھ لے بعد طلوع آفتاب کے۔

(مسلم باب الاوقات اتقنی الصلوٰۃ فیما (ترمذی مترجم جلد اول ص ۱۹۱) باب ما جاء فی اعادة صلوٰۃ الشمس ترجمہ مولانا جلیع الزماں غیر منقول صحیح ابن حبان مترجم ج ۱ ص ۱۸۱) باب النبی عن الصلوٰۃ بعد الصبح (بعد العصر۔)

### حدیث نمبر ۲:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح کی سنتیں فوت ہو جاتیں تو آپ ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھتے۔ (المستدرک من المختصر من مشکوٰۃ الاثر جلد ۱ ص ۳۲ بحوالہ احیاء السنن جلد دوم ص ۲۳۶)

### حدیث نمبر ۳:

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو چلے، غزوہ تبوک میں قبل فجر کے میں بھی آپ کے ساتھ چلا آپ نے اونٹ بٹھایا اور پاخانہ پھر اچھڑائے تو میں نے چھاگل سے پانی ڈالا آپ کے ہاتھ پر آپ نے دونوں پہنچوں کو دھویا۔ پھر منہ کو دھویا، پھر آپ نے دونوں ہاتھ آستین سے نکالنا چاہے، مگر آستینیں تنگ تھیں، اس واسطے آپ نے منہ کے نیچے سے ہاتھ نکال لیے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا، کہنیوں تک اور مسح کیا موزوں پر پھر سواہ ہوئے اور ہم چلے جب ہم آئے تو ہم نے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا اور انہوں نے امام بنایا تا عبد الرحمن بن عوف کو اور عبد الرحمن نے نماز شروع کر دی تھی حسب معمول وقت پر (یعنی جس وقت آپ نماز فجر کی پڑھا کرتے تھے، وہ وقت آیا تو صحابہ نے نماز شروع کر دی) اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے، فجر کی دو رکعتوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ صف میں شریک ہوئے اور ایک رکعت عبد الرحمن بن عوف کے پیچھے پڑھی پھر عبد الرحمن نے سلام پھیرا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت باقی جو رہ گئی تھی پڑھنے کو کھڑے ہوئے، مسلمان گھبرا گئے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نماز پڑھ لی تو انہوں نے تسبیح کہنی شروع کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، تو فرمایا تم نے ٹھیک کیا یا تم نے اچھا کیا۔ (ابوداؤد باب اسع علی النخین ص ۲۱ ج ۱)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ آپ نے فجر کی سنتیں پہلے ادا نہیں فرمائی تھیں کیونکہ آپ کو تاخیر نماز کی تیاری کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اور اس طرح سے سنتیں رہ جانے کا واقعہ آپ کی زندگی میں شاذ و نادر ہی پیش آیا ہے اگر طلوع شمس سے پہلے سنتیں پڑھنی جائز ہوتیں تو آپ اس واقعہ پر بیان

(اشرف التوضیح ج ۲ ص ۱۱۱)

جواز کے لیے ضرور پڑھتے۔

حدیث نمبر ۴:

امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی فجر کی دو سنتیں قضا ہو گئی انہوں نے طلوع آفتاب سے بعد ان کی قضا پڑھی۔  
(مولانا امام مالک باب مان آ فی کفئی الفجر)

حدیث نمبر ۵:

عبدالرحمن بن قاسم کا بیان ہے کہ قاسم بن محمد نے اسی طرح کیا جیسے حضرت ابن عمر نے کیا تھا۔ (یعنی طلوع آفتاب کے بعد سنتیں پڑھیں)  
(مولانا امام مالک باب ما ج آ فی کفئی الفجر)

حدیث نمبر ۶:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آئے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے صبح کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں یہ آ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے، پھر نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے رہے جب چاشت کا وقت ہوا تو انہوں نے سنتوں کو پڑھا۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵)

حدیث نمبر ۷: حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم سے سنا ہے وہ کہتے تھے اگر میں نے صبح کو سنتیں نہ پڑھی ہوں یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھ لوں۔ تو میں ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵)

حدیث نمبر ۸:

ابو بکر کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا سو ابن عمر رضی اللہ عنہما تو نماز میں شریک ہو گئے، رہے ابن عباس سو انہوں نے پہلے صبح کی سنتیں پڑھیں اس کے بعد وہ جماعت میں شریک ہو گئے۔ پس جبکہ امام نماز سے فارغ ہوا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ پس جب آفتاب طلوع ہوا تو وہ اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھی۔  
(طحاوی بحوالہ آثار السنن ج ۲ ص ۳۹)

حدیث نمبر ۹: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کئی معتبر لوگوں نے بیان کیا اور ان سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ معتبر تھے کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد سورج روشن ہونے تک



اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(بخاری کتاب مواقیات الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس) (مسلم باب الاوقات التي نهي عن الصلوٰۃ فيها)  
حدیث نمبر ۱۰:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں۔  
حدیث نمبر ۱۱:

مسلم شریف میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں آتا ہے۔ قال  
صل صلوٰۃ الصبح ثم اقعر عن الصلوٰۃ حتی تطلع الشمس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کی  
نماز پڑھو اور اس کے بعد اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔ الخ  
(مسلم باب الاوقات التي نهي عن الصلوٰۃ فيها)  
ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں۔  
یہ وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

یہ روایت منقطع ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں اور اسناد اس کی متصل نہیں کہ محمد بن ابراہیم متیمی کو سامع نہیں قیس سے۔  
(ترمذی باب ما بائیں ثنویۃ الکعبان) لہذا یہ روایت مرسل ہے۔ اور مرسل روایت غیر تقلیدین کے نزدیک جہت نہیں۔

دوسرا جواب:- ابو داؤد میں ہے کہ آپ خاموش ہو گئے۔ مگر ترمذی میں خاموش رہنے کا ذکر نہیں  
ہے۔ ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا قال فلا اذن کہ ایسا مت کر یہاں پر یہ ترجمہ زیادہ  
فٹ ہوتا ہے تاکہ تمام روایات کی آپس میں مطابقت بن جائے جن روایات میں نماز پڑھی منع ہے۔ اس میں  
بھی منع والا ترجمہ کرنے سے ان کی مخالفت لازم نہیں آتی جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے کیا ہے۔ علامہ  
صاحب مسلم شریف کتاب الہبات باب کراہیۃ تفصیل بعض الاولاد فی الہبۃ میں  
حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں لکھتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میرے باپ مجھ کو اٹھا کر لے گئے۔ جناب

رسول خدا ﷺ کے پاس اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ گواہ رہیے کہ میں نے نعمان کو فلاں فلاں چیز اپنے مال میں بے ہمدکی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا سب بیٹوں کو تو نے ایسا ہی دیا ہے جیسے نعمان کو دیا ہے؟ میرے باپ نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر مجھ کو گواہ نہ کر۔ اور کسی کو کر لے۔ بعد اس کے فرمایا۔ کیا تو خوش ہے اس سے کہ سب برابر ہوں تیرے ساتھ نیکی کرنے میں میرا باپ بولا۔ ہاں آپ نے فرمایا قال فلا اذا تو پھر ایسا مت کر (یعنی ایک کو دے ایک کو نہ دے)

اس حدیث میں بھی فلا اذا ہے یہاں پر علامہ وحید الزماں نے ترجمہ کیا ہے ایسا مت کر ہمارے نزدیک وہاں پر بھی یہ ترجمہ کرنے سے روایت کا آپس میں تعارضی ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا جواب:- یہ صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے۔ (جب آپ ﷺ نے دیکھا تو منع فرمایا) دوسری طرف جو روایات ہم نے نقل کی ہیں وہ مرفوع روایات ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات ہیں اس لیے ترجیح ان کو ہوگی۔

بہر حال احناف کے پاس دلائل موجود ہیں۔ ان کو مخالفت حدیث کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔

## اعتراض نمبر ۵۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: حلالہ حرام ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ

کرنے والے اور جس کے لیے (حلالہ) کرایا جائے دونوں پر لعنت کی ہے۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب المحلل والمحلل له ص ۱۳۹ رقم الحدیث ۱۹۳۴)

### فقہ حنفی

فان طلقها بعد وطئها حلت للاول۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الطلاق باب الرجعة صفحہ ۳۰۰)

اگر دوسرا شوہر طوطی کرنے کے بعد طلاق دے دے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔  
(فقہ مدیث ص ۹۵)

### جہان:

پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے صرف لفظ حلالہ پر اعتراض کیا ہے حالانکہ حلالہ کا مطلب ہے حلال ہونا۔ یعنی وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی اب وہ اپنے خاوند کے لیے حرام ہو گئی ہے۔ اگر پھر دوبارہ وہ نکاح کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور وہ عورت پہلے خاوند کے لیے کس طرح حلال ہو سکتی ہے اس کا حکم قرآن میں موجود ہے:

### حلالہ کا حکم قرآن میں

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَقِّ تَنْكِحِ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَوَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

(پ ۲، سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

(ترجمہ) پھر اگر اس نے طلاق دے دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ) پس اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔ پھر اگر اس نے بھی طلاق دے دی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے ان دونوں پر کہ رجوع کریں اگر وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس قوم کے لیے بیان کرتا ہے۔ جو علم رکھتے ہیں۔

اس آیت میں فلا تَحِلُّ لَہُ کے الفاظ سے حلالہ کا لفظ ماخوذ ہے کہ وہ عورت پہلے خاوند

کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

### حلالہ کی دو قسمیں

نمبر ۱: غیر مشروط اور نمبر ۲: مشروط

پہلی قسم۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کی ہے اور یہی ہمارا اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

دوسری قسم: یعنی شرط غیر مقلدین صرف اس کو حلالہ تصور کرتے ہیں۔

یہ غیر مقلدین کی بددیانتی ہے حالانکہ حلالہ کا لفظ عام ہے۔ پہلی صورت بھی حلالہ ہے اور دوسری صورت بھی حلالہ ہے مگر غیر مقلدین عوام کو دھوکہ دینے کے لیے صرف دوسری صورت ہی کو حلالہ فرما رہے ہیں اور اس شرط حلالہ کو خفی مذہب قرار دے رہے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے۔

### حنفی مسلک ملاحظہ فرمائیں

(۱) مشہور عالم دین حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی حنفی اپنی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور حصہ چہارم باب تین طلاق دینے کا بیان ص ۵۶ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ نمبر ۴: اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے تو اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ (شامی ج ۲ ص ۸۸۹)

ناظرین کرام یہ ہے خفی مسلک۔ راشدی صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ صحیح بات نقل کرتے۔ ہم نے صرف ایک حوالہ ہی پیش کیا ہے اس پر ہم کافی حوالے پیش کر سکتے ہیں مگر انصاف کے لیے اتنا بھی کافی ہے۔

### اعتراض نمبر ۵۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: رضاعت کے متعلق اکیلی عورت کی گواہی کا حکم۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن عقبۃ بن حارث انہ تزوج البنۃ لابی اہاب عزیز فانت امراتہ فقالت قد ارضعت عقبۃ والتمی تزوج بہا فقال لها عقبۃ ما اعلم انک ارضعتنی ولا اخبرتنی فارسل الی ال ابی اہاب فسألہم فقالوا ما علمنا ارضعت صاحبنا فرکب الی النبی ﷺ بالمدينة فسأله فقال رسول اللہ ﷺ کیف وقد قیل ففارقها عقبۃ ونکحت زوجها غیرہ۔

(ترجمہ) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے ابواباب کی بیٹی سے نکاح کیا پھر اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں (میاں بیوی) کو دودھ پلایا ہے پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا مجھے معلوم نہیں ہے کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہوا اور نہ ہی تو نے مجھے پہلے خبر دی، پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نے سسرال کی طرف یہ ہی معلوم کرنے کے لیے پیغام بھیجا لیکن انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدینہ میں آئے اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کیسے تم اکٹھے رہ سکتے ہو؟ جب کہ تمہارے متعلق یہ بات کہی گئی ہے پس عقبہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی بیوی کو الگ کر دیا اور اس نے دوسرے شوہر سے شادی کر لی۔

(رواہ البخاری فی کتاب الشہادات باب اذا شہد شہدا وشہود بشئین رقم الحدیث ۳۲۹۴ ص ۳۶۰)  
(صحیح ابن حبان ۱۰ ص ۲۲ رقم الحدیث ۴۲۱۸، طبع مؤسسة الرسالہ بیروت)

### فقہ حنفی

ولا یقبل فی الرضاع شہادة النساء منفردات انما یشہد  
بشہادة رجلین اور جل و امراتین۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الرضاع صفحہ ۳۵۲)

صرف عورتوں کی گواہی رضاعت کے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی رضاعت ثابت ہوگی دو مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۹۶)

### جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے عام معاملات میں جہاں گواہ اپنی مرضی سے مقرر کیے جاسکتے ہیں اور جن کی اطلاع پانا مرد و عورت دونوں کے لیے ممکن ہوتا ہے گواہی کا نصاب مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لکم یكونا رجلیین



فوجہی و امولاتہن من الشہداء  
(ترجمہ) اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک  
مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں۔

(بقرہ آیت نمبر ۲۸۲)

قرآن مجید کے اس واضح حکم سے صرف ایسی ہی صورتیں مستثنیٰ ہو سکتی ہیں جن میں مردوں کے  
لیے اطلاع پانا ناممکن ہو (جیسے مثلاً حیض، بچے کی ولادت اور عورتوں کے دیگر خاص منفی معاملات) جبکہ بچے  
کو دودھ پلانا ان معاملات میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کی اطلاع عام طور پر دودھ پلانے والی کے باپ،  
بھائی، شوہر یا خادم وغیرہ اور بچے کے والدین یا اعزہ کو بھی ہوتی ہے۔ اس لیے دودھ پلانے والی کے کہنے یا  
اس پر محض عورتوں کے گواہی دینے پر حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور قرآن مجید کا عام حکم برقرار رہے گا۔  
اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں۔

نیز مرد کے بغیر صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز نہیں (سعودی تفسیر ص ۱۲۵)

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی ایک مقدمے میں جس میں ایک عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ اس  
نے میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے، اپنے قاضی کو ہدایت کی کہ

”اگر یہ عورت اس پر گواہ (یعنی شرعی نصاب کے مطابق دو مرد یا ایک مرد اور دو  
عورتیں) لے آئے تو میاں بیوی میں تفریق کر دو۔ ورنہ ان کا نکاح بحال رہے  
دو“ الایہ کہ وہ خود ایک شہسے والی بات سے بچنا چاہیں۔ اگر ہم اس طرح کے  
دعوؤں سے میاں بیوی کے درمیان تفریق کا دروازہ کھول دیں تو جو عورت  
چاہے گی اٹھ کر کسی میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادے گی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۳۹۹، صنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۲۲)

(۲) حضرت عمر نے فرمایا:

ان عمر بن الخطاب اتی فی امر لہ شہدت علی رجل وامراتہ انہا  
ارضعنہا فقال لا حتی شہد رجلان اور جل و امولاتان  
(ترجمہ) نہیں (ہم تمہارا دعویٰ نہیں مانیں گے) مگر یہ کہ دو مرد، یا ایک مرد اور دو

عورتیں اس پر گواہی دیں۔

(سنن الکبریٰ بمقتبی باب شہادت النساء فی الزنا جلد ۷)

(۳) اس طرح کے فیصلے حضرت علی رضی اللہ عنہ، مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں دیکھئے۔  
(مکلی ابن حزم ج ۹ ص ۴۰۳، فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۹)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا جواب

اس حدیث میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے وہ اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس لونڈی کے کہہ دینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگئی تھی۔ بلکہ جیسا کہ اس ہی روایت سے واضح ہے اس لیے دیا تھا کہ اس عورت کے ایسا کہنے سے میاں بیوی کے دل میں ایک قسم کے شبہ اور تنگی کا آجانا لازمی تھا۔ نیز ایسے مواقع پر لوگ بھی باتیں بنانے میں پیچھے نہیں رہتے اور اس سے ظاہر ہے، ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں رہ سکتی وگرنہ اس قصہ کی تفصیلات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فرمانا، قانونی فیصلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک حکیمانہ ہدایت کے طور پر تھا۔ چنانچہ روایات میں بیان ہوا ہے کہ یہ لونڈی عقبہ بن حارث کے نکاح کے بعد ان کے گھر آئی اور ان سے کچھ صدقہ خیرات کا سوال کیا، انہوں نے تاخیر کی تو اس کا کہا ”مجھ پر صدقہ کرو، خدا کی قسم میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔“

(دارقطنی ج ۴ ص ۷۷ اوکت علیہ ابن حجر فی النسخ ج ۵ ص ۲۶۹)

اس سے واضح ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کر گئے ان کو شپے میں ڈالنا، غصے اور کہنے کی بنا پر تھا۔ پھر اس کے اس دودھ پلانے کی خبر نہ عقبہ بن حارث کو تھی نہ لڑکی کو اور نہ ان کے گھر والوں کو اور نہ اس عورت نے اس سے پہلے کبھی ان کو اس کی خبر دی تھی (فتح الباری) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دعویٰ محض جھوٹا تھا۔ پھر جب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر صورت حال عرض کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتانے سے اعراض کیا، پھر تین یا چار مرتبہ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا (دارقطنی ج ۴ ص ۱۷۷) اگر اس عورت کی گواہی پر حرمت رضاعت ثابت ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ ہی انہیں حکم دیتے کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کو جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ بھی یہی بتلاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے لیے کہنا محض مصلحت کے طور پر تھا، نہ کہ بطور قانون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیسے تم اس کو“

رکھو گے؟ جب کہ ایسی (شپے والی) بات کہہ دی گئی ہے اب تم اس کو اپنے سے جدا کر دو۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۸)

نیز شمس المائتہ سرخی نے مبسوط میں فرمایا کہ اس عورت کی یہ شہادت کسی کے مذہب میں بھی قانوناً قابل قبول نہیں تھی کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے اس عورت کی کوئی رنجش پیدا ہو گئی تھی اور اس رنجش کے پیدا ہوتے ہی اس نے یہ شہادت دی۔ ظاہر ہے کہ یہ ”شہادت الضغن“ تھی جو کسی کے نزدیک بھی مقبول نہیں۔

(مبسوط سرخی ج ۵ ص ۱۳۸ کتاب النکاح)

حدیث کا صحیح مطلب یہ ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو بیوی چھوڑنے کا حکم دینا بطور احتیاط کے تھا۔ ہماری بات کی تائید خود امام بخاری کے طرز سے ہوتی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث (بخاری ج ۱ ص ۷۶، ۷۷، ۷۸) کتاب البیوع باب تفسیر المشتبهات میں بھی ذکر کی ہے۔

جو احتیاط پر عمل کرنے کے لیے اور شک شبہ کو چھوڑنے کے لیے امام بخاری نے قائم کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان صاحب کا حوالہ

علامہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں امام بخاری اس لیے لائے کہ گوا کثر علماء کے نزدیک رضاع ایک عورت کی شہادت سے ثابت نہیں ہو سکتا مگر شبہ تو ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہ کی بنا پر عقبہ کو یہ صلاح دی کہ اس عورت کو چھوڑ دے معلوم ہوا اگر شہادت کامل نہ ہو یا شہادت کے شرائط میں نقص ہو تو معاملہ مشتبہ رہتا ہے لیکن مشتبہ سے بچے رہنا تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ (قیۃ الباری جلد ۲ ص ۵۳، کتاب البیوع)

ہم حنفی بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہی ہے۔ اس مسئلہ میں اصل حکم قرآن مجید کا قابل عمل ہے اور خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی یہی ہے۔ اور حدیث کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے اس سے حدیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

## اعتراض نمبر ۵۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔

### حدیث نبوی ﷺ

ان ابوالصہباء قال لابن عباس اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وثلاثا من امارۃ عمر فقال ابن عباس نعم۔

(ترجمہ) ابوالصہباء نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تین سال تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں۔

(مسلم ج ۱ کتاب الطلاق باب الطلاق الغناث ص ۸۷ رقم الحدیث ۳۶۷۳)

### فقہ حنفی

وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاث بكلمة واحدا وثلاث في طهر واحدا فاذ فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الطلاق باب طلاق السنة ص ۳۵۵)

اور طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں ایک کلمے یا تین کلمات کے ساتھ دی جائیں اگر (طلاق) اسی طریق پر دی جائے گی وہ تینوں واقع تو ہو جائیں گی لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ (فقہ وحدیث ص ۹۷)

### جواب:

راشدی صاحب نے ان احادیث کا بالکل ذکر نہیں کیا جو فقہ حنفی کی مستدل تھیں۔ اور جو حدیث نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی۔ اس مسئلہ پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں قارئین تفصیل تو ان میں دیکھ لیں خاص کر عمدۃ الاثبات فی حکم الطلاقات الثبات، عمدۃ الابحاث فی وقوع طلاق الثبات، کشمی تین طلاق کا شرعی حکم۔ تین طلاق کا ثبوت، ہم پہلے کچھ وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن سے حنفی مذہب ثابت ہوتا ہے پھر اس حدیث کا جواب دیں گے جو راشد صاحب نے ادھوری نقل کی ہے۔

### فقہ حنفی کے دلائل پہلی حدیث:

سہل بن سعد سعدی کہتے ہیں کہ عویر بن ابی عاصم بن عدی انصاری کے پاس آئے اور کہنے

لگے بتائیے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو (اعتراض کی حالت میں) دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اسے مار ڈالے تو تم اسے بھی قصاص میں مار ڈالو گے۔ لہذا کیا کرے؟ آپ یہ مسئلہ میرے لیے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمائیے۔ چنانچہ عاصم نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ کو اس قسم کے سوال بڑے معلوم ہوئے اور برا کہا عاصم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے فرمان سے گرانی محسوس ہوئی (یعنی وہ شرمندہ ہوئے کہ میں نے ناحق ایسی بات پوچھی جس سے آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے) جب عاصم اپنے گھر آئے تو عمو میر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے کہنے لگے کہیے حضور ﷺ نے کیا فرمایا؟ عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا آپ خواہ مخواہ میرے لیے ایک الجھن لے کر آئے آنحضرت ﷺ اس سوال ہی کو ناپسند فرماتے ہیں، عمو میر نے کہا مگر میں بغیر اس سوال کا جواب لیے چین سے نہ بیٹھوں گا۔ غرض عمو میر نے خود حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو (اعتراض کی حالت میں) دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اسے قتل کرے تو آپ لوگ بھی اسے قتل کر دیں گے۔ بتائیے کوئی اور صورت بھی ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے لیے وحی نازل کی ہے جا اپنی بیوی کو لے آ سہل کہتے ہیں پھر میاں بیوی دونوں نے امان کیا (یعنی قسمیں اٹھائی) میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب دونوں امان سے فارغ ہوئے تو عمو میر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر میں اس عورت کو گھر میں رکھوں تو گویا میں جھوٹا ثابت ہوں گا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم دینے سے قبل ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔

(بخاری کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلاث)

### دوسری حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی یا رسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتے (یعنی طلاق بائنہ) دے دی ہے اور اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا ہے لیکن اس کے پاس گویا کپڑے کا پھندا ہے (یعنی وہ نامرد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا شاید تو پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم دوسرے شوہر سے ہم بستری کر کے لطف نہ اٹھاؤ اور وہ تم سے لطف نہ اٹھالے۔

(بخاری کتاب الطلاق پارہ ۲۲، باب من اجاز طلاق الثلاث)



## تیسری حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ مگر دوسرے نے بھی (جماع سے پہلے) اسے طلاق دے دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شخص کے لیے (صرف بے نکاح کے ساتھ) ہلال ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا شخص بھی پہلے ہی کی طرح اس کی مٹھاس چکھ نہ لے (یعنی اس سے ہم بستری نہ کر لے) (بخاری باب من اجاز طلاق الثلث)

امام بخاری نے اس حدیث کو بیک لفظ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے کو ثابت کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے نیز اس کے علاوہ دو مزید حدیثیں بھی اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں۔ چوتھی حدیث:

نافع بن عجمیر بیان کرتے ہیں حضرت رکانہ بن عبدیزید رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سہیمہ مزنیہ کو طلاق ”بتہ“ دے دی پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق ”بتہ“ دے دی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم تم نے صرف ایک طلاق مراد لی تھی تم رکانہ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو اس صاحب کے ساتھ بھیج دیا اس کے بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس عورت کو دوسری طلاق دی۔ (مسند الامام الشافعی مترجم ج ۱۳، ۸۳، باب الریعة فی الواحد والاثنتین)

یہ روایت مسند امام شافعی کے علاوہ

(۱) سنن دارمی مترجم کتاب الطلاق باب فی طلاق البتہ (۲) ابوداؤد باب فی البتہ ج ۱ ص ۳۰

میں ہے

ان رکانہ بن عبدیزید طلق امراته سہیمہ البتہ

رکانہ عبدیزید کے بیٹے سے روایت ہے کہ اس نے اپنی جوہ کو جس کا نام سہیمہ تھا طلاق دے دی۔ اس روایت کے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں: قال ابو داؤد و هذا اصح من حدیث امر جریج ان رکانہ طلق امراته فلان لا نهم اهل بیتہ و هم اعلم به الخ (ترجمہ) حضرت رکانہ نے

کی یہ روایت (جس میں بتہ کا لفظ موجود ہے) ابن جریج رحمہ اللہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ بتہ والی حدیث ان کے گھروالے بیان کرتے ہیں اور وہ اس واقعہ (کثیر یادہ جانتے ہیں۔

(۳) ترمذی ابواب الطلاق باب ما جاء في الرجل طلق امرأته البتة (۴) ابن ماجہ ابواب الطلاق باب طلاق البتة (۵) دارقطنی ج ۲، ص ۳۹ (۶) مستدرک حاکم ج ۲، ص ۱۹۹ (۷) موارد النظمان ص ۳۲۱ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

یہ حدیث رکانہ مختلف اسناد و مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے لیکن امام ابوداؤد نے جس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے وہ یہی روایت ہے جو ہم نے نقل کی ہے جس میں آتا ہے انت طالق البتہ یعنی حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ بت کا معنی کاٹنا ہے یعنی تجھے ایسی طلاق ہے جو میرے اور تیرے درمیان تعلق نکاح کو کاٹ دے۔ اور فوری طور پر تعلق نکاح تین طلاقوں سے بھی کٹ جاتا ہے۔ اور ایک طلاق بائن سے بھی۔ لہذا یہ لفظ طلاق بائن کے بھی محتمل ہے اور تین طلاقوں کا بھی۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے حضرت رکانہ سے نیت پوچھی کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی۔ جب انہوں نے قسم اٹھا کر اپنی نیت بتائی کہ میں نے یہ لفظ ایک طلاق کی نیت سے بولا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ایک طلاق (بائن) قرار دے کر دوبارہ نکاح کا حکم فرمایا جیسے رجوع بالزکاح بھی کہتے ہیں۔

پانچویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض (یعنی ماہواری کے ایام) کی حالت میں ایک طلاق دے دی پھر چاہا کہ اس کے بعد دو ماہواریوں میں مزید دو طلاقیں اور دے دوں گا۔ یہ خبر جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اے عمر کے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تجھے اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا۔ تم نے سنت کے خلاف کیا اور سنت یہ ہے کہ شوہر طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے مجھے رجوع کا حکم فرمایا اور میں نے رجوع کر لیا۔ پھر فرمایا جب وہ پاک ہو لے تو چاہو تو طلاق دے دینا اور چاہو تو روک رکھنا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اسے تین (۳) طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ آپ نے فرمایا ایسے میں تیرے لیے رجوع حلال نہ ہوتا اور وہ تیرے نکاح سے نکل جاتی اور یہ گناہ کی بات ہوتی۔

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا ناجائز ہے۔ مگر طلاق پھر بھی ہو جاتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں تین طلاقیں اکٹھی واقع ہونے کا کتنا صریح ثبوت موجود ہے۔

چھٹی حدیث:

عام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ آپ اپنی طلاق کا واقعہ بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں دی تھیں۔ تو حضور ارم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طلاقیں نافذ فرمادیں۔  
(ابن ماجہ ص ۵۳۵ باب من طلق ثلاثاً نکس واحد)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

راشدی صاحب نے حدیث مکمل نقل نہیں کی اگر مکمل نقل کر دیتے تو بات کافی حد تک صاف ہو جاتی اور عوام کو مسئلہ جلدی سمجھ آ جاتا۔ اس حدیث میں آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔  
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ کاش ہم ان پر نافذ کر دیں چنانچہ پھر آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۷۷۷)

ناظرین آپ نے مکمل حدیث ملاحظہ فرمائی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف تین طلاق کو قیمن ہی کیوں شمار کیا۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو کیوں قبول کیا۔ یہ مسئلہ کوئی معمولی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ حرام حلال کا مسئلہ ہے۔ جسے نکاح سے قبل عورت مرد پر حرام ہوتی ہے نکاح ہونے سے حلال ہو جاتی ہے اسی طرح تین طلاقیں دینے سے عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ اہلسنت والجماعت کے علاوہ دیگر فرقے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جو بھی نظریہ رکھتے ہیں وہ رکھیں۔ کل قیامت کے روز خود جواب دیں گے۔ مگر ہم اہل سنت و جماعت کبھی یہ بات سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کریں گے یا آپ کے حلال کو حرام کریں گے یا آپ کی شریعت کو بدلیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی عام آدمی نہیں امیر المومنین ہیں، خلیفہ راشد ہیں خلیفہ وقت کی اطاعت کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ بے شمار احادیث آپ کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

حدیث نمبر ۱:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اے ابن خطاب: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے شیطان جب تجھے چلتا ہوا راستے میں دیکھتا ہے تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل پڑتا ہے۔  
(مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

حدیث نمبر ۲:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

پہلی امتوں کے کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جن کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو یقیناً وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر ۳:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بے شک اللہ نے حق عمر کی زبان اور ان کے دل پر جاری کر دیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر ۴:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

(مشکوٰۃ ترمذی ص ۲۰۹، ج ۲)

حدیث نمبر ۵:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدین المہدیین میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم پکرو۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں تم میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا۔ اور آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد ان دونوں کی اقتداء

(پیروی) کرنا اور عمار رضی اللہ عنہ کی سیرت اپناؤ اور ابن مسعود تمہیں جو بھی بتائیں اسے سچا ماننا۔

ناظرین ان احادیث کے ہوتے ہوئے ہم کسے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل دیا۔ لہذا اس حدیث کا ایسا مفہوم اور مطلب لیا جائے گا جو قرآن اور دیگر

احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ہو۔ اور احادیث کا آپس

میں جو تعارض نظر آ رہا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

جواب نمبر ۲:

یہ روایت اس عورت کی طلاق سے مخصوص ہے کہ جس کو قبل دخول وصحبت کے طلاق دے دی

جاتی تھی اور اس کی تین طلاق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد ابو بکر میں ایک طلاق خیال کیا جاتا تھا چنانچہ

سنن ابوداؤد میں وہی روایت باین الفاظ مروی ہے:

عن طاؤس ابن رجلا یقال له ابوا الصہباء کان کثیر السوال

لابن عباس قال اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امراته

ثلاثہ قبل ان یدخل بہا جعلوها واحدة علی عہد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدرا من امارۃ عمر قال ابن عباس بلی کان

الرجل اذا طلق امراته ثلاثہ قبل ان یدخل بہا جعلوها واحدة

علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدرا من امارۃ عمر رضی اللہ عنہ

فلہا رای الناس قد تتابعوا فیہا قال اجز وھن علیہم

یعنی طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص ابوالصہباء ابن عباس سے بہت سوال کیا کرتا تھا

اس نے ابن عباس سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین



طلاق دے دیا کرتا تھا تو زمانہ رسول خدا ﷺ والی بکر اور ابتدائے خلافت حضرت عمرؓ میں ان کو ایک طلاق جانا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاق دیتا تھا تو ان کو زمانہ رسول خدا ﷺ والی بکر صدیقؓ اور ابتدائے خلافت حضرت عمرؓ میں ایک طلاق جانا کرتے تھے لیکن جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ایسا پے درپے طلاق دیتے دیکھا تو کہا جائز کہواں پر۔ ابوداؤد کی یہ مفصل حدیث صحیح مسلم کی مجمل حدیث کی تفصیل ہے اور اس نے ان تین طلاق کو جو ایک شمار کی جاتی تھی صرف اس عورت کی نسبت متعید کر دیا ہے جس کو دخول و صحبت سے پہلے طلاق دی جاتی تھی تو پھر صحیح مسلم کی حدیث کو عام عورتوں کی نسبت خیال کر کے مدخولہ عورت کی ایک دفعہ تین طلاق کو ایک طلاق سمجھ لینا اور عام طور پر ایسا حکم جاری کر دینا روایت و درایت کی صریح برخلاف ہے۔

### جواب نمبر ۳:

قطع نظر اس سے اگر صحیح مسلم کو حدیث کی صرف غیر مدخولہ عورت کے ہی متعلق نہ سمجھا جائے بلکہ عام عورتوں کی طلاق کی نسبت قرار دیا جائے تاہم اس حدیث کا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے جو راشدی صاحب سمجھ بیٹے ہیں بلکہ بلحاظ و رعایت نصوص قرآنیہ و ارشادات نبویہ ﷺ اور تعامل صحابہؓ خصوصاً اسی حدیث کے اس آخری فقرہ ان الناس قد استعجزوا فی امر کائنات لہم فیہ اناة فلو امضیناہ علیہم فامضناہ علیہم کے اس کا صحیح مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ کے عہد میں جب کوئی شخص اپنی عورت کو ایک طلاق تین بار کہتا تھا تو غالباً اس کی غرض ایک کی ہوتی تھی نہ استیناف کی جسے ان کا قول غالب پر حمل کر کے ایک طلاق شمار کی جاتی تھی اور جب زمانہ حضرت عمرؓ میں لوگ استیناف کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو غالب ارادہ پر استیناف پر حمل کر کے تین طلاق شمار کیں چنانچہ امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم جلد اول کے صفحہ ۷۸ پر اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے

فالاصح ان معناه انه كان في اول الامر اذا قال لها انت طالق  
انت طالق انت طالق ولم ينو الا تأكيد الاستيناف المحكم  
بوقوع طلاق طلاق ارادتهم الا استيناف بذلك فعمل على  
الغالب الذي موزادة التأكيد فلما كان في زمن عمرؓ

و کثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الا  
ستيناف بها حلت عند الاطلاق على الثلاث عملاً بالغالب  
السابق الى الفهم منها في ذلك العصر. انتهى

یعنی اس صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ ابتداء میں جب عورت کو تین بار انت طالق  
انت طالق انت طالق کہا جاتا تھا تو اس تکرار سے صرف طلاق کی تاکید کا ارادہ رکھا جاتا تھا نہ استیناف  
جس کے تکرار سے بسبب ان کی قلت ارادہ استیناف کے صرف ایک طالق کے واقع ہونے کا حکم کیا  
جاتا تھا اور ان کے غالب ارادہ پر جو طالق کی تاکید کا ہوتا تھا حمل کیا جاتا تھا لیکن جب حضرت عمر رضی  
اللہ عنہ کے زمانہ میں کثرت سے لوگ اس صیغہ کا استعمال کرنے لگے اور ان سے استیناف کے ارادہ کا تصور  
غالب ہوا تو اس صیغہ کے اطلاق کے وقت تین طالق پر اس کا حمل کیا گیا عمل کرنے کو ساتھ اس غالب  
امر کے جو اس زمانہ میں اسے سمجھا جاتا تھا۔

اور کشف الغمہ عن جمیع الامم کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۲ میں امام شرنانی نے حدیث مذکور کی  
نسبت اس طرح پر لکھا ہے۔

واختلف العلماء في تأويل هذا الحديث فذهب بعض التابعين الى  
ظاهرة في حق من لم يدخل بها وذهب بعضهم الى ان المراد به  
تكرير لفظ الطلاق فيقول انت طالق انت طالق انت طالق فانه  
يلزم واحدة اذا قصد التوكيد وثلاث ان قصد تكرير الايقاع  
قال العلماء فكان الناس في عهد رسول الله ﷺ وابي بكر  
رضي الله عنهما وسلامتهم وقصد هم في الغالب الفضيلة والا اختيار  
ولم يظهر فهمهم افساد ولا خداع فكانوا يصدقون في ارادة  
التوكيد وعدمه فلما راء عمر رضي الله عنه في زمانه امور اظهرت واحوالا  
تغيرت وفشا ايقاع الثلاث جملة بلفظ لا يحتمل التأويل  
الزمهم الثلاث في صورة التكرير اذ صار الغالب عليهم قصد  
كم اشار اليه رضي الله عنه يقول انفسا ان الناس قد استعجلوا في امر  
كانت لهم فيه اناة. انتهى

یعنی علماء نے اس حدیث کی تاویل میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض تابعین تو اس حدیث کی ظاہر کی طرف گئے ہیں کہ یہ حدیث اس عورت کے حق میں ہے کہ جس کو صحبت سے پہلے تین طلاق دے دی گئی ہوں۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس کی مراد تکمیر یعنی بار بار لفظ طلاق بولنا کی ہے جیسے کوئی عورت کو کہے انت طالق انت، طالق انت طالق پس اس تکمیر سے اگر وہ طلاق کی تاکید کا قصد کرتا ہے تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر بار بار طلاق واقع کرنے کا قصد کرتا ہے تو تین واقع ہیں اور علما نے کہا ہے کہ رسول خدا ﷺ اور ابو بکر صدیق کے عہد میں لوگ صدق و سلامتی پر تھے اور غالب قصد اونکا بزرگی اور بہتری کا تھا اور انہیں فساد اور حیلہ بازی ظاہر نہ ہوئی تھی اور تاکید اور غیر تاکید کے ارادہ کے اظہار میں سچ کہہ دیتے تھے لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ نئی باتیں ظاہر ہو گئی ہیں اور حالات بدل گئے ہیں اور تین طلاق کا اکٹھا واقع کرنا ایسے لفظ سے شائع ہوا ہے جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتا تو آپ نے تکمیر کی صورت میں طلاق کو لازم کر دیا کیونکہ اس وقت غالب ہوا ان پر تین طلاقوں کا قصد جیسا کہ خود آپ نے اپنے قول ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لہم فیہ اناة میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوم: اس حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی عادت ایک طلاق دینے کی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب لوگ تین طلاق ایک دفعہ ڈالنے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو ان پر نافذ کر دیا پس اس صورت میں یہ حدیث صرف ایک اخبار اختلاف عادة الناس سے ہے نہ ایک ہی مسئلہ میں تغیر حکم سے

چنانچہ اس معنی کو بھی امام نوویؒ نے ہی اس طرح لکھا ہے۔

وقیل المراد ان المعلناد فی الزمن الاول کان طلاقاً واحداً  
وصار الناس فی زمن عمرؓ یوقعون الثلاث دفعة فنقدہ  
عمر فعلی هذا ایكون اخباراً عن اختلاف عادة الناس لا عن  
تغیر حکم فی مسئلة واحدة۔ انتہی

یعنی بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی ایک طلاق دینے کی عادت تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انہوں نے تین طلاق ایک دفعہ دینی شروع کر

دیں۔ پس حضرت عمرؓ نے انہیں کو جاری کر دیا۔ سو اس صورت میں یہ حدیث صرف ایک اخبار ہے اختلاف عادیۃ الناس سے نہ ایک ہی مسئلہ میں حکم کے بدلنے سے۔

اور اسی معنی کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی کتاب الطلاق کے صفحہ ۱۶۳ میں کچھ زیادہ وضاحت کے ساتھ اس طرح سے بیان کیا ہے۔

تاویل قوله واحدة وهو ان معنى قوله كان الثلاث واحدة ان الناس في زمن النبي ﷺ كانوا يطلقون واحدة فلما كان زمن عمر كانوا يطلقون ثلاثة ومحصله ان المعنى ان الطلاق الموقوع في عهد عمر ثلاثة كان يوقع قبل ذلك واحدة لا هم كانوا لا يستعملون الثلاث اصلا وكانوا يستعملون نهانا درا وامافي عصر عمر فكثرا استعمالهم لها ومعنى قوله فامضاه عليهم واجازته وغير ذلك انه صنع فيه من الحكم بايقاع الطلاق ما كان يضيع قبله ورجح هذا التاويل ابن العربي ونسبه الى ابي زرعة الرازي وكذا اورده البيهقي باسناده الصحيح الى ابي زرعة انه قال معنى هذا الحديث عندي ان ما تطلقون انتم ثلاثا كانوا يطلقون واحدة قال النووي وعلى هذا فيكون الخبر وقع عن اختلاف عادة الناس خاصة لا عن تغير الحكم في انا واحدة انتهى

یعنی اس حدیث میں کان الثلاث واحدة کا معنی یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں لوگ صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے اور جب حضرت عمرؓ کا زمانہ ہوا تو تین طلاقیں دینے لگے اور حاصل اس معنی کا یہ ہے کہ جو تین طلاقیں حضرت عمرؓ کے عہد میں دی جانے لگیں وہ اسے پہلے صرف ایک طلاق کہتے تھے۔ کیونکہ وہ تین طلاق کا استعمال ہرگز نہیں کرتے تھے۔ اور صرف شاذ و نادر ان کو استعمال میں لاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تین طلاق کے استعمال کی کثرت ہوئی اور قول فامضاه علیہم اور اجازہ وغیرہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلاق کے واقعہ کرنے میں وہی حکم دیا جو اسے پہلے دیا جاتا تھا اور اس تاویل کو ابن عربی نے بحوالہ ابی زرعة الرازی کے ترجیح دی ہے جیسا کہ بیہقی نے اسناد صحیحہ کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے کہ ابی زرعة کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی میرے

نزدیک یہ ہیں کہ جو تین طلاقیں تم دیتے ہو پہلے صرف ایک طلاق لوگ دیا کرتے تھے۔ نووی نے کہا ہے کہ اس صورت پر یہ حدیث صرف ایک خبر لوگوں کے اختلاف عادت کی نسبت واقع ہوئی ہے نہ یہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم بدلا گیا ہو۔

اغرض حسب بیان متذکرہ بالا جبکہ قرآن شریف و احادیث اور اکابرین صحابہ کے اجماع و فتاویٰ سے تین طلاق ایک دفعہ کا تین ہی واقع ہو جانا آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و ثابت ہے اور اس پر ائمہ مجتہدین اور علمائے سلف و خلف کے مذہب کا اتفاق ہے تو پھر اس کے برخلاف صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے جبکہ وہ خود ہی کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے صرف اس کے ایک ایسے احتمال کو جو خود اس حدیث کے اصل راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کے بھی جو متعدد اوقات میں ان سے ظہور میں آئے۔ بالکل منافی ہے۔

## اعتراض نمبر ۵۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: بسم اللہ جہراً پڑھنا

### حدیث نبوی ﷺ

عن نعيم المجهر قال صليت وراء أبي هريرة رضي الله عنه فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بام القرآن حتى اذا بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال: امين فقال الناس امين ويقول كلما سجد: الله اكبر واذا قام من الجلوس في الاثنتين قال: الله اكبر واذا سلم قال: والذي نفسي بيده اني لاشبهكم صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم.

(ترجمہ) نعيم المجهر کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر سورہ فاتحہ کی قرات کی جب ثم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی لوگوں نے بھی آمین کہی جب سجدہ کرتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب دوسری رکعت سے



(تیسری کیلئے) اٹھے تو اللہ اکبر کہا سلام پھیر کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔ (یعنی میری یہ نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بالکل مشابہہ ہے)

(سنن النسائي كتاب الافتتاح باب قرأ بسم الله الرحمن الرحيم ۳۱ صفحه ۱۲۳، رقم الحديث ۹۰۶)

(بدیع القایمہ بلد صفحہ ۱۲۳)

### فقہ حنفی

جہری نماز میں بسم اللہ جہراً (بلند آواز) سے پڑھنے کے متعلق خود صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: قال الشافعي يجهر بالتسمية عند الجهر بالقراءة لما روى ان النبي ﷺ جهر في صلواته بالتسمية۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جہری نماز میں بسم اللہ جہری پڑھی جائے گی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ جہراً پڑھی ہے۔

لیکن باوجود یہ حدیث ذکر کرنے کے اسی صفحہ پر ایک لائن پہلے لکھا ہے کہ:

يسر بهما (التسمية والتعوذ)

(ہدایہ اولین ۲ کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ ص ۱۰۳)

تعوذ اور بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی۔ (فتاویٰ ص ۹۸)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے امام صاحب مسلک کئی احادیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل احناف:

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہیے:

(۱) عن انس (رضی اللہ عنہ) ان رسول اللہ ﷺ کان یسر بسم اللہ

الرحمن الرحیم و ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۸)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔

(۲) عن انس قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم فلم اسمع احدا منهم یجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم (نہائی ج ۱ ص ۱۰۵)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز نہیں پڑھی لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(۳) عن انس قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۲)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(۴) عن انس بن مالک انه حدثه قال صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان فکانوا یسبحون بالحمد للہ رب العلمین لایذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی اخرها۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۲)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب الحمد للہ رب العلمین سے (قرأت) شروع کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ذکر نہیں کرتے تھے نہ قرأت کے شروع میں نہ آخر میں۔

(۵) عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر کانوا یفتتحون

الصلوة بالحمد لله رب العلمین (بخاری ج ۱ ص ۱۷۲)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز الحمد لله رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔

(۶) عن ابی وائل قال کان علی و ابن مسعود لا یجھران بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بامین۔ (مجموعہ ابی نعیم ج ۹ ص ۲۶۲)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔

(۷) محمد قال اخبرنا ابو حنیفہ عن ابراہیم قال قال ابن مسعود فی الرجل یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم انہا اعرابیۃ وکان لا یجھر بہا ہو ولا احد من اصحابہ۔ (کتاب ال آداب امام ابی نعیم ج ۲ ص ۲۲)

(ترجمہ) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خبر دی کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں جو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے فرمایا کہ یہ گنوار پن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود اور ان کے اصحاب میں سے کوئی بھی بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتا تھا۔

(۸) عن عکرمۃ عن ابن عباس فی الجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم قال ذلک فعل الاعراب۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا فعل ہے۔

(۹) عن ابن عبداللہ بن مغفل قال سمعی ابی وانی فی الصلوۃ و قول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولہ ارا احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ

الحدث فی الاسلام یعنی منہ وقال قد صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یقولہا فلا تقلہا اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العلمین قال ابو عیسیٰ حدیث عبد اللہ بن مغفل حدیث حسن والعمل علیہ عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ منهم ابو بکر و عمر و عثمان و علی و غیرہم و من بعدہم من التابعین وبہ یقول سفیان الثوری وابن المبارک و احمد واسحق لا یرون ان یمجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم قالو او یقولہا فی نفسہ۔ (ترمذی ج ۱ ص ۵۷)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا۔ بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے نزدیک اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز بغض کبوا اور فرمایا کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا، لہذا تم بھی نہ ہو، جب تم نماز پڑھو تو کہو الحمد للہ رب العلمین۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکثر اہل علم صحابہ کا عمل اسی پر ہے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین بھی ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے یہ لوگ اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے، البتہ ان کا کہنا ہے کہ نمازی بسم اللہ اپنے جی میں کہہ لے۔

(۱۰) عن ابراہیم قال جہر الامام بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۱)

بدعة

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کا بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔

(۱۱) قال (سفیان الثوری) یا شعيب لا ينفعك ما كتبت حتى تری المسح علی الخفين وحتى تری ان اخفاء بسم اللہ الرحمن

الرحيم افضل من الجهر به الخ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۶)

(ترجمہ) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے شعیب جو کچھ تو نے (مجھ سے سن کر) لکھا ہے یہ تجھے اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ تو موزوں پر مسح کرنے کو صحیح نہ سمجھے، اور جب تک کہ تو یہ عقیدہ نہ رکھے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے کی نسبت افضل ہے۔

(۱۲) قال و کيع والجهر بأبسهلة بدعة۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۹)

امام کعب فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الوہم الوہم الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔  
رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اولاً تو یہ روایت شاذ اور معلول ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کئی شاگردوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ لیکن سوائے نعیم الجمر کے کوئی بھی قرأتہ تسمیہ کا جملہ نقل نہیں کرتا اور اگر بالفرض اس کو معتبر مان بھی لیا جائے تب بھی یہ روایت شافعیہ کے مسلک پر صریح نہیں کیونکہ قرأت کے لفظ سے بسم اللہ کی نفس قرأت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ اس کا جبر اس لئے کہ قرأت کے لفظ میں قرأت بالسر کا بھی احتمال ہے، لہذا اس روایت سے شافعیہ کا استدلال تام نہیں۔  
(دس ترمذی بکداول ص ۵۰۰۔ ۵۰۱)

دوسرا جواب:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سر فراز خاں صفدر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔



علامہ زیلعی رحمہ اللہ: نصب الراية ج ۱ ص ۳۳۶ میں لکھتے ہیں

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو شاگرد تھے ”ہا بین صاحب و تابع“ ان میں سے صرف نعیم مجمر رحمہ اللہ ہی یہ روایت کرتے ہیں اور کوئی بھی نہیں کرتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔

تیسرا جواب:

شیخ الحدیث رحمہ اللہ: صاحب فرماتے ہیں:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فتاویٰ ج ۱ ص ۸۰ میں لکھتے ہیں کہ جھگڑا تو جہر کا ہے۔ اس روایت میں فقرائے لفظ ہیں۔ قرأت کا تو جھگڑا ہی نہیں۔ لہذا یہ جہر کے لیے نا کافی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر سر اُپر دھسی تو پھر سنی کیسے

جواب:

ممکن ہے کبھی کوئی آیت جہر سے پڑھتے ہوں۔ بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ اور ص ۱۰۷ میں ہے۔

و یسعدنا الایۃ احیانا قال ابن القیم رحمہ اللہ فی الزاد ص ۶۳ ج ۱ و ترک

النبی ﷺ الجہر بالسلمۃ و کان یجہر بہا احیانا و المقصود انہ کان

یفعل فی الصلوۃ شبہا احیانا العارض لہ یکن من فعلہ الواجب

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ اعتراض بھی پیش کیا ہے کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ظہر اور

عصر کی نماز میں قرأت کا ذکر کیا ہے تو ان کو کیسے پتہ چلا؟ جواباً کہتے ہیں کہ شاید

سری میں بھی کوئی جملہ سن لیا ہو، اور ممکن ہے کہ نماز ختم کر کے بتلایا ہو۔ حضرت

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ میں ہے۔

(نوائس السنن ج ۲ ص ۷۰۔ ۷۱)

چوتھا جواب:

نعیم بہت قریب ہوں ابو ہریرہ سے کہ ان کے آہستہ بسم اللہ کہنے سے بھی یہ واقف ہو گئے ہوں

انغرض ان کے اس قول سے کہ ابو ہریرہ نے بسم اللہ پڑھی ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بلند آواز

سے پڑھی ایسی بہت سی نظیریں موجود ہیں جن میں صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز عصر و ظہر

میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے یا درمیان دو سجدہ کے قعدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے یا بعد سبحانک اللہ کے اور رکوع میں اور بعد رکوع کے اور قعدہ اخیرہ میں یہ دعائیں پڑھتے تھے اذکار امام نووی و عمل الیوم واللیلہ لابن السنی و کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ کو جو شخص دیکھے گا اس قسم کی روایات بہت پاؤں گا حالانکہ بالیقین آنحضرت سے یہ اذکار اور اوعید اور قرأت سور طہر و عصر وغیرہ میں آہستہ ادا ہوتی تھی نہ بلند آواز سے۔ پس اگر صرف ذکر کرنا مقتدی کا کہ ہمارے امام نے یہ لفظ ادا کیا یا یہ دعا پڑھی مستلزم ثبوت خبر بیہودے لازم آتا ہے کہ ان سب روایات سے آنحضرت کا بلند کرنا آواز ساتھ ان اذکار اور قرأت کے ثابت کیا جاوے۔

## اعتراض نمبر ۶۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** کسی کے لیے بھی نماز عید سے قبل قربانی کرنا جائز نہیں۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن جندب بن سفیان قال شهدت الاضحیٰ یوم النحر مع رسول اللہ ﷺ فلم یعدان صلی و فرغ من صلاتہ وسلم فاذا هو یری لحم اضاحی قد ذبحت قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فقال من کان ذبح قبل ان یصلیٰ او نصلیٰ فلیذبح مکانہ الاخری۔

(ترجمہ) سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت دیکھا (جو نماز سے قبل ذبح کی گئی تھی) تب آپ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز سے پہلے قربانی (ذبح) کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔

(بخاری ۴ کتاب الاضاحی باب من ذبح قبل الصلوٰۃ اعادہ صفحہ ۸۳۲۔ رقم الحدیث ۵۵۶۲)

(مسند ۳ کتاب الاضاحی وقتھا صفحہ ۱۵۳ و اللفظ لہ۔ رقم الحدیث ۵۰۶۳)

### فقہ حنفی

فاما اهل السواء فيذبحون بعد الفجر... وحيلة البصري اذا اراد

التعجيل ان يبعث بها الى خارج مصر فيضحي بها لما طلع الفجر -

(ہدایہ آخرین ج ۲ کتاب الاضحیہ ص ۳۳۵-۳۳۶)

یعنی دیہات والے فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں ..... اور شہریوں کے لیے یہ حیلہ ہے کہ اگر وہ جلد قربانی کا ارادہ رکھتے ہیں وہ شہر سے باہر جانور بھیج دیں تاکہ اس کو فجر طلوع ہوتے ہی ذبح کیا جاسکے۔ (فقہ مدیث ص ۹۹)

**جواب:**

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس پر احناف کا عمل ہے۔

چنانچہ ہدایہ ہی میں لکھا ہے۔

یوم الآخر (بقرہ عید کے دن) کے طلوع فجر سے قربانی کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ شہریوں کے لیے امام کے نماز پڑھ لینے سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں۔ (ہدایہ کتاب الاضحیہ)

ہدایہ کا یہ مسئلہ اس حدیث کے مطابق ہے جو راشد صاحب نے نقل کی ہے مگر ہدایہ کے اس مسئلے کو راشد صاحب نے ذکر نہیں کیا۔ اس مسئلہ کو ذکر کرنے کے بعد صاحب ہدایہ آگے گاؤں کے لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

رہے دیہاتی تو وہ فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مستدل ہے کہ جس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا اسے ذبح کا اعادہ کرنا چاہیے اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی مکمل ہو گئی۔

(بخاری کتاب الاضحیٰ باب من ذبح قبل الصلوة) اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ اپنا لیا۔

(نوٹ: ہدایہ کی یہ عبارت مختلف احادیث کا مفہوم اور خلاصہ ہے کسی حدیث کا مکمل ترجمہ نہیں ہے۔)

پھر حدیث کا حوالہ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس دن ہماری پہلی عبادت نماز ہے پھر قربانی۔

(بخاری باب الذبح بعد الصلوة)

ہدایہ کے علاوہ اور بہت سی کتب میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔

(۲) حسن الہدایہ جلد ۱۳ ص ۳۰۳ میں ہے۔

ہزاروں مقامات جہاں عیدین اور جمعہ شروع ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) مولانا مجیب اللہ ندوی اسلامی فقہ جلد ۱ ص ۵۲۱ میں لکھتے ہیں اسی طرح قربانی کا نماز کے بعد کرنا ضروری ہے۔

(۴) الفلاح الضروری ترجمہ التھبیل الضروری ص ۴۹۲ قربانی کا بیان میں ہے

سوال: قربانی کے وقت کی ابتدا کیا ہے؟

جواب: نحر کے دن (یعنی دس ذوالحجہ) کو فجر ثانی (یعنی صبح صادق) کے طلوع سے قربانی کا وقت داخل ہوتا ہے مگر تحقیق شان یہ ہے کہ شہروالوں کے لیے نماز عید سے پہلے ان کو زبح کرنا جائز نہیں۔

سوال: اگر ان میں سے کوئی نماز عید سے پہلے زبح کرے تو کیا کرے؟

جواب: قربانی کو لوٹائے۔

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں مسئلہ بقر عید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب کرے۔

(بہشتی زیور حصہ ۳ قربانی کا بیان ص ۲۳۱)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک حدیث کے مطابق ہے۔ اب رہی گاؤں میں نماز سے قبل اجازت تو ایسی کوئی دلیل قرآن یا حدیث میں موجود نہیں جو خاص گاؤں میں منع کرنے کی ہو۔ اگر ہو تو پیش کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی کریں جب گاؤں میں نماز عید ہی نہیں ہوتی تو وہ پھر انتظار نماز کا کس طرح کریں گے۔ یہاں پر مسئلہ اقتضاء انص کے طور پر گاؤں کے لیے طلوع فجر کے بعد قربانی کرنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

نوٹ: فقہ حنفی یہ نہیں کہتی کہ ضرور ضرور اس طرح کرو فقہ حنفی میں صرف جواز ہے۔

## اعتراض نمبر ۶۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات کہنی ہوں گی۔

## حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر انه قال اذا قدم يوم العيد ويوم الاضحي جهر بالتكبير  
(ترجمہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے جہری  
تکبیریں کہتے تھے۔

(سنن الدارقطني ج ۳ صفحہ ۱۷۵، کتاب العیدین رقم الحدیث ۱۶۹۸۱۸) (سنن البیہقی مرفوعاً عن النبی ﷺ  
کتاب العیدین باب التكبير عيد الفطر ويوم الفطر واذا غدا الي صلاة العیدین ج ۳ صفحہ ۲۷۹ طبع نشر السنہ)

اس بارے میں قرآن مجید میں بھی ہے کہ  
{وَلِتَكْبِرُوا لِلّٰهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ...}  
(ان آیت ۱۶۵)  
یعنی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے تکبیر بیان کرو۔

## فقہ حنفی

ولایکبر عندابی حنیفة فی طریق المصلی۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب العیدین صفحہ ۱۷۴)

عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں تکبیرات نہیں کہی جاسکتیں۔ ابوحنیفہ کا  
یہی مذہب ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۰۰)

## جہان:

پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم غلط لیا ہے جس سے امام ابوحنیفہ  
رحمہ اللہ کا سر سے عیدین میں تکبیرات کا انکار لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ  
عید الفطر کے دن عید گاہ جاتے ہوئے بقرہ عید کی طرح بلند آواز سے تکبیر نہ کہے آہستہ آواز سے کہہ۔  
مولانا سید امیر غلی غیر مقلد نے یہی مفہوم لیا ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے  
آپ لکھتے ہیں۔

ولایکبر اور تکبیر کی آواز بلند نہ کرے عندابی حنیفة فی طریق المصلی ابوحنیفہ کے  
نزدیک عید گاہ کے راستے میں۔ (تین الہدایہ ترجمہ و شرح اردو ہدایہ جلد اول ص ۸۴۶ ناشر مکتبہ رحمانیہ لاہور)  
اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے بعد احناف کا صحیح مسلک یہ ہی ہے کہ  
عید الفطر میں عید گاہ جاتے وقت تکبیر کہنا چاہئے مگر آہستہ۔



حنفی مسلک کی تمام کتب میں اسی طرح لکھا ہوا ہے کچھ عبارات ملاحظہ فرمائیں

(۱) بہشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ ص ۴۹ میں ہے۔

عید الفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں۔ پر آگے نمبر ۱۳ میں لکھتے ہیں

اور راستے میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ اکبر

آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیے۔

(۲) احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق ص ۵۷ باب نماز عیدین میں ہے۔

پھر عید گاہ جائے راستہ میں آواز سے تکبیر نہ کہے (بلکہ آہستہ آہستہ کہے) اور نہ عید کی نماز

سے پہلے نفل پڑھے

(۳) اشرف الوقایہ ترجمہ و شرح اردو شرح وقایہ جلد اول ص ۲۴۰ باب العیدین میں ہے عید الفطر

کے روز مستحب یہ ہے کہ نماز سے قبل کچھ کھائے اور مسواک کرے اور غسل کرے۔ اور خوشبو لگائے۔

جو سب سے اچھا کپڑا پہنا ہو وہ پہنے اور صدقہ فطر ادا کرے اور عید گاہ کے راستے میں آہستہ آہستہ تکبیر کہے

ہو اور عید گاہ کی جانب جائے۔

(۴) مولانا عبد الحمید خان سواتی حنفی لکھتے ہیں

اور پھر عید گاہ کی طرف روانہ ہو، راستہ میں تکبیرات کہے تو آہستہ آواز سے کہے جیسا کہ

حضرت امام ابو حنیفہ کہتے ہیں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے اور عید گاہ میں نماز کے بعد بھی نماز

پڑھنے مکروہ ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۱ شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۲۱ کبیری ۵۶۶) (نماز مسنون کتاب ص ۶۹۳)

(۵) مولانا مفتی محمد عاشق الہی مدنی حنفی لکھتے ہیں۔

(۱) فتاویٰ شامیہ، جوہرہ نیرہ اور ہندیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

یہ ہے کہ عید الفطر کے دن پوشیدہ آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے تو گویا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

صاحبین سے نفس تکبیر میں اختلاف نہیں البتہ جہر میں اختلاف ہے۔ فافہم

(الصلاح الفرونی اردو ترجمہ التمهیل الفرونی لمسائل قدوری ص ۷۵، ناشر ۱)

(۶) مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

(۱) عید الفطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں یا چھوہارے یا کوئی اور میٹھی چیز کھانا سنت ہے۔

(۲) صدقہ فطر ادا کر کے نماز کے لیے جانا چاہیے صدقہ فطر کا ذکر روزہ کے بیان میں آئے گا۔

(۳) عید گاہ کے راستے میں آہستہ آہستہ تکبیر کہتے جانا۔ (شرح الترمذی ص ۱۱۳ ج ۱) (اسلامی فقہ نمبر ۳۰۶)

حوالہ تو بہت ہیں مگر ہم ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان جوابات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور حنفی حضرات عید الفطر کے دن عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات کے قائل ہیں۔ اب یہ بات رہہ جاتی ہے کہ تکبیریں آہستہ کہنی چاہئے یا بلند آواز سے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے دن آہستہ اور بقرہ عید کے روز بلند آواز سے کہنا چاہیے کیونکہ یہ اصل میں اللہ کا ذکر ہے اور ذکر میں اخفاء اصل ہے۔

آہستہ کہنے کے دلائل:

قرآن مجید میں ہے:

پہلی آیت:

ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً انہ لا یحب المعتدین  
پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے بیشک وہ محبت نہیں  
کرتا حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔ (پارہ نمبر ۸ اعراف رکوع ۷)

دوسری آیت:

واذکرو بک فی نفسک تضرعاً وخفیةً ودون الجهر من القول  
اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور جہر  
سے کم آواز میں۔ (پ ۱۹ اعراف، رکوع نمبر ۲۴)

حدیث:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر جہاد کیا یا خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو (راستے میں) لوگ ایک بلند جگہ پر چڑھے انہوں نے پکار کر تکبیر کہی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر آسانی کرو۔ تم کیا اس کو پکارتے ہو جو بہرہ بے یاتم کو نہیں دیکھتا تم تو ایسے خدا کو پکارتے ہو جو سب کی سنتا ہے اور نزدیک ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۰۵ کتاب المغازی مسلم ج ۲ ص ۳۶۶ مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۴)

ان دلائل کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ذکر میں اصل اخفا ہے۔  
 باقی بقرہ عید کے روز جہرا پڑھنے کے دلائل احادیث میں موجود تھے اس لیے وہاں پر جہر کو اختیار کیا گیا۔  
 رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل سے  
 اور قرآن مجید اور مرفوع حدیث کے مقابلہ میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا کہ عید الفطر کے روز بھی جہر کیا جائے۔  
 دوسرے وہ اس لیے نقل نہیں کی کہ آہستہ اور جہر کو ثابت کیا جائے بلکہ اس لیے نقل کی ہے کہ یہ  
 ثابت کیا جائے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیر پڑھنے کے قائل ہی نہیں ہیں اور عبداللہ بن عمر کا عمل بتا رہا  
 ہے کہ تکمیر ثابت ہے۔ لہذا ہم نے ثابت کر دیا کہ امام صاحب کا مذہب اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

### اعتراض نمبر ۶۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں۔

### حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابن عمر ان عمر سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت نذرت فی الجاہلیۃ ان اعتکف لیلۃ فی المسجد الحرام قال اوف بنذرت۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا میں نے دور جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات بیت اللہ میں اعتکاف کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

(اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ اعتکاف کرنے کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔)

بخاری ج ۲ کتاب الایمان والنذور باب اذا نذر اور حلف الایکلم انسانا فی الجاہلیۃ ثم اسلم  
 صفحہ: ۹۹۱، رقم الحدیث: ۲۶۹۸ (مسئلہ ج ۲ کتاب الایمان والنذور باب نذر الکافر وما یفعل فیہ اذا  
 اسلم ص ۵۰، رقم الحدیث: ۲۴۹۲)

### فقہ حنفی

الاعتکاف مستحب و هو اللبث فی المسجد مع الصوم و نية  
 الاعتکاف... والصوم من شرطه عندنا۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصوم باب الاعتکاف صفحہ: ۲۲۹)

اعتکاف مستحب ہے یعنی مسجد میں روزہ رکھ کے ٹھہرنا اور اعتکاف کی نیت کرنا۔۔۔ اور ہمارے نزدیک روزہ (اعتکاف کی) شروط میں سے ہے۔ (فتاویٰ وحدیث ص ۱۰۱)

**جواب: حدیث:**

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اعتکاف کرنے والے کو یہ سنت ہے کہ عبادت نہ کرے مریض کی اور نہ جنازہ کی نماز کے واسطے حاضر ہو اور نہ عورت کو چھوئے اور نہ عورت سے مباشرت کرے۔ اور نہ کسی کام کے واسطے نکلے سوائے ضرورت کے کام کے (یعنی پیشاب و پاخانہ وغیرہ کے لیے) اور بغیر روزہ کے اعتکاف درست نہیں ہوتا۔ الحدیث (ابوداؤد باب الاعتکاف سنن دارقطنی باب الاعتکاف) ہم نے یہاں پر صرف ایک روایت ذکر کی ہے اس مسئلہ کے دلائل اور بھی ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کا مسئلہ حدیث کے مطابق ہے مخالف نہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس میں روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

**حدیث:**

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانہ میں نذر کی تھی ایک رات یا ایک دن اعتکاف کرنے کی کعبہ کے پاس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا اعتکاف کر اور روزہ رکھ۔ (ابوداؤد باب الاعتکاف یعود المرء فی)

(مشکوٰۃ باب الاعتکاف فصل ثانی سنن دارقطنی باب الاعتکاف)

اس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی کا مسئلہ درست ہے احناف نے اپنی طرف سے روزہ کی شرط نہیں بنائی۔

## اعتراض نمبر ۶۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** قربانی کے اونٹ کو اشعار (اس کی کوہان کی دائیں جانب چیرا لگانا) جائز ہے۔

**حدیث نبوی ﷺ**

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الظهر بذی الحلیفۃ ثم دعا بنا قته فاشعرها فی صفحۃ سنامھا الا یمن۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھائی پھر اپنی اونٹنی کا اشعار کیا یعنی اس کی کوبان کے دائیں طرف کو نشان کے لیے چیرا۔

۱۔ فقہ ۳ اکتاب الحدیث باب اشعار البدن وتقلیدہ عند الاحرار صفحہ ۴۰۴، رقم الحدیث ۳۰۱۶

### فقہ حنفی

ولاشعر البدن عندابی یوسف ومحمد ولا یسحر عندابی حنیفۃ  
ویکرۃ۔ (ہدایہ اولین ۳ اکتاب الحدیث باب التمتۃ ص ۲۶۲)

ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اونٹنی کو اشعار کیا جاسکتا ہے جبکہ ابوحنیفہ کے نزدیک اشعار نہیں کیا جاسکتا بلکہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ مدنیٹ ص ۱۰۲)

جواب:

درحقیقت اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف میں کچھ تفصیل ہے جس کے ذمے وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔

بعض احادیث میں آنحضرت ﷺ سے اشعار یعنی قربانی کے جانور کو علامتی زخم لگانا ثابت ہے اور کچھ سلف و خلف کا اس پر عمل بھی رہا ہے اس لئے اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول تو یہ ہے کہ آپ ضعیف حدیث اور صحابی کے عمل کے مقابلے میں بھی اپنی رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ امام ابوحنیفہ اشعار کو حنفی رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت مانتے ہوئے اس کو مکروہ یا مثلاً قرار دیتے ہوں۔ بلکہ ان کی حرائے کا صحیح پس منظر یہ ہے کہ وہ اصلاً تو اشعار کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کے زمانے میں نادانف لوگوں نے زخم لگانے میں بہت مبالغہ کرنا شروع کر دیا (یعنی جانور کی کھال کے بجائے اس کے گوشت تک کو زخم کرنے لگے) جس سے جانور کو تکلیف ہوتی۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو اس غلط طریقہ سے اشعار کرنے سے روکنے کے لیے اشعار نہ کرنے کا فتویٰ دیا۔ ان کا اصل منشاء ایک جائز اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت عمل سے منع کرنا نہیں بلکہ لوگوں کو اس عمل میں ناجائز مبالغہ سے روکنا تھا۔



دوسرے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اشعار، ہدی (قربانی کے جانور) کے لیے علامت مقرر کرنے کا حکم بھی کوئی فرض یا واجب کے درجہ کا نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ محض جواز کا ہے کیونکہ دوسری طرف حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں تخیر منقول ہے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ طبع کراچی روایت نمبر ۱۰۶۳، ۱۰۶۹ نیز حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جن سوا اونٹوں کی قربانی کی تھی، ان میں سے صرف ایک اونٹ کا اشعار کرنا ثابت ہے باقی سب اونٹوں کی علامت ان کے گلوں میں پٹہ لٹکا کر مقرر کی گئی تھی۔

اس سے واضح ہے کہ امام صاحب کی طرف اس عمل کو مثلاً قرار دینے کی نسبت بالکل غلط اور من گھڑت ہے۔ چنانچہ احناف نے ہی نہیں، بلکہ دوسرے مسالک کے اہل علم نے بھی ان کی رائے کا وہی مفہوم قبول کیا ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر مستقانی شافعی نے امام طحاوی حنفی کے حوالے سے یہ توجیہ نقل کر کے لکھا ہے۔

اس معاملے میں امام طحاوی کی توجیہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے فقہاء کے اقوال کے مفہوم و مطلب سے دوسروں کی نسبت زیادہ واقف ہیں۔

(فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۲۵)

## اعتراض نمبر ۶۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات کہنا بھی ثابت ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

جس طرح نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہنے کا ذکر ہے اسی طرح پانچ تکبیرات کا بھی ذکر ہے:

عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال قال کان زید یکبر علی جنازتنا اربعاً وانه کبر علی جنازة خمساً فسالنا فقال کان رسول الله ﷺ یکبرها۔

(ترجمہ) عبد الرحمن بن ابی لیلی سے روایت ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیرات کہتے تھے اور ایک جنازے پر انہوں نے پانچ تکبیرات کہہ دیں ہم

نے وجہ پوچھی، کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے (پانچ تکبیرات بھی) کہیں ہیں۔

### فقہ حنفی

لو کبر الامام خمساً لم يتابعه المؤتمرون۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب الجنائز فصل الصلوٰۃ علی المیت ص ۱۸۰)

اگر امام پانچ تکبیرات کہے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کریں۔

(فقہ و حدیث ص ۱۰۳)

### جہان:

اس مسئلہ میں احادیث و آثار مختلف ہیں کسی حدیث میں تین کسی میں چار۔ چار سے لیکر نو تک کی روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں دیکھئے تلخیص الحیر ج ۲ ص ۱۱۹ تا ۱۲۲ کتاب الجنائز مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۴۔ تمام روایات کو دیکھ کر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ پر اتفاق نہیں ہوا تھا یہ اختلاف اس وقت سے پہلے کا ہے بعد میں صحابہ کا چار تکبیروں پر اتفاق ہو گیا تھا صحابہ کے اتفاق سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل بھی یہ ہی تھا۔ اور یہی عام طریقہ رائج تھا۔ اس عام طریقہ سے ہٹ کر اگر کسی روایت میں چار سے زائد تکبیروں کا ذکر ملتا ہے تو وہ کسی آدمی کی خصوصیت کی وجہ سے ہے یا پھر پہلے دور سے اس کا تعلق ہے۔

### دلائل احناف

#### پہلی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی تھی انہوں نے حضرت آدم پر چار تکبیریں پڑھی تھیں۔

(سنن دارقطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم و النکیر علیہ السلام)

#### دوسری حدیث:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی تھی انہوں نے ان پر چار تکبیریں پڑھی تھیں اور انہیں

نے یہ کہا تھا۔ اے اولاد آدم تمہارا (نماز جنازہ ادا کرنے کا) یہ طریقہ ہے۔

(سنن دارقطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

تیسری حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہی تھیں۔

(دارقطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

چوتھی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ نماز جنازہ میں چار

تکبیر کہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن

عمر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی تھیں حضرت حسن بن علی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز

جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن علی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار

تکبیریں کہی تھیں اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔

(سنن دارقطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

پانچویں حدیث:

عبداللہ بن عامر اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

یہ بات اچھی طرح یاد ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کروایا (تو اس

سے پہلے) آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے ان پر چار مرتبہ تکبیر کہی (دفن کے بعد) آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مٹیوں میں تین مرتبہ مٹی لے کر ان کو قبر پر ڈالی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے کی

(دارقطنی باب حثی التراب علی المیت)

طرف کھڑے تھے۔

چھٹی حدیث:

مسروق بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم کی ایک زوجہ محترمہ کی نماز جنازہ

پڑھائی تو میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا میں اس خاتون کی نماز جنازہ اس طرح پڑھاؤں گا جس طرح

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی تھی، پھر حضرت عمر نے چار مرتبہ تکبیر کہی۔

(دارقطنی کتاب الجنائز باب حثی التراب علی المیت)

ساتویں حدیث:

امام شعبی بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس صاحب قبر کو کچھ حصہ پہلے دفن کیا گیا تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور آپ نے نماز جنازہ میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔  
(دارقطنی کتاب الجنائز باب الصلوة علی القبر)

آٹھویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جو الگ تھلگ تھی آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے چار مرتبہ تکبیر کہی۔  
امام دارقطنی یہ روایت نقل کرنے کے بعد نقل کرتے ہیں:

و كَذَاكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ شُعْبَةَ وَابُو حَظِيْفَةَ عَنْ زَائِدَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِي مُعَاوِيَةَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ وَتَابِعُهُمْ مَنْصُورُ بْنُ اَبِي الْاَسْوَدِ وَعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنِ زِيَادٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ كُلَّهُمْ. قَالَ فَكَبَّرَ اَرْبَعًا  
اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب حضرات نے یہی بات نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چار مرتبہ تکبیر کہی تھی۔  
(دارقطنی کتاب الجنائز باب الصلوة علی القبر)

نویں حدیث:

ابوداؤد کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کبھی سات کبھی چھ کبھی پانچ اور کبھی چار تکبیریں کہتے تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کر دیا جیسے کہ سب سے لمبی نماز ہوتی ہے۔ (لمبی نماز سے مراد چار رکعتوں والی نماز ہے)  
(بخاری ج ۲ ص ۳۷ کتاب الجنائز باب ما یجوز علی ان اکثر الصلوة اجمعوا علی اربع وراى بعضهم الزیادۃ منہ) (فتح الباری ج ۳ ص ۴۲)

دسویں حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس روز نبی ﷺ کا انتقال ہوا رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اسی روز بتا دیا تھا اور لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے نکلے تو انہوں نے صفیں بنالیں اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔  
(مولانا امام مالک الشکیر علیہ السلام)

گیارہویں حدیث:

حضرت ابراہیم نخعی (تابعی کبیر) نے فرمایا پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء بیان کی جائے گی دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے گا۔ تیسری کے بعد میت کے لیے دعا ہوگی اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے گا۔ امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(مکتب الاثار باب الصلاۃ علی الجنائزہ)

بارہویں حدیث:

حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ لوگ جنازوں پر پانچ چھ اور چار تکبیرات کہا کرتے تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ وفات فرما گئے پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ اسی طرح تکبیر کہتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی وفات پا گئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گی اور ان کے دور خلافت میں بھی لوگوں نے یہی کہا۔ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ اختلاف دیکھا تو فرمایا آپ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی جماعت میں جب خود آپ لوگوں ہی میں اختلاف ہوگا تو آپ کے بعد آنے والوں میں اس سے زیادہ اختلاف ہوگا لوگ ابھی ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں اس لیے آپ لوگ کسی ایک ایسی بات پر اتفاق کر لیں جس پر آپ کے بعد آنے والے سب متفق ہو جائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کے پڑھائے ہوئے آخری جنازے کی تکبیرات کو دیکھا جائے اس پر آپ نے جتنی تکبیرات کہی ہوں انہیں اختیار کر لیا جائے اور اس کے علاوہ دوسری اور کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری جنازہ پر چار تکبیرات کہی تھیں امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(مکتب الاثار باب الصلاۃ علی الجنائزہ)

تیرہویں حدیث:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یزید بن الحکف پر نماز جنازہ پڑھی تو چار تکبیرات کہیں اور یہ آپ کی آخری نماز جنازہ تھی جس پر چار تکبیرات تھیں۔

(مکتب الاثار باب الصلاۃ علی الجنائزہ)



چودویں حدیث:

حضرت سعید بن المرزبان حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے جنازہ پر چار تکبیرات کہیں۔ کتاب الاشارة لصلوات علی الجنائزہ۔

پندرہویں حدیث:

سلیمان بن ابی حشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر کبھی چار تکبیریں کہتے اور کبھی پانچ، کبھی چھ کبھی سات کبھی آٹھ، یہاں تک کہ ان کو نجاشی کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ تشریف لے گئے اور لوگ ان کے پیچھے صف بستہ ہوئے۔ اور اس پر چار تکبیریں کہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک چار تکبیروں پر قائم رہے۔

(الاستاذ حافظ ابن عبد البر بحوالہ تلخیص الحیرج ۲ ص ۱۲۱، ۱۲۲ کتاب الجنائز)

(نصب الراية ص ۳۳۸۔ ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصلوة علی المسلم)

سولویں حدیث:

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ پہلے تکبیریں چار بھی تھیں اور پانچ بھی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر متفق کر دیا۔ (ابن المنذر بحوالہ فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۲)

سترویں حدیث:

اس حدیث کا خلاصہ اور مفہوم اس طرح ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ (یعنی اپنی چچی) فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔

(دیکھئے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۶ و ۲۵۷ باب مناقب فاطمہ بنت اسد)

اٹھارویں حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کی موت کی خبر دی آپ عید گاہ کی طرف نکلے آپ نے مسلمانوں کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں پڑھیں۔  
(بخاری کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنائز اربعاً)

انسویں حدیث:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ النجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی پس چار تکبیرات پڑھیں۔  
(بخاری کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنائز اربعاً)

بیسویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت کا چار تکبیرات جنازہ پر اتفاق ہے۔

(مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۱ ج ۳ ص ۳۰۲ ج ۳ ص ۳۰۳ تا ۳۰۲)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں

صدر اول میں تکبیر کی تعداد میں بڑا اختلاف تھا صحابہ کرام کے درمیان تین سے سات تکبیروں کی روایت موجود ہے مگر فقہا کہتے ہیں کہ جنازہ کی تکبیریں چار ہیں ابن ابی سلیٰ اور جابر بن زید پانچ تکبیروں کے قائل ہیں۔ اختلاف کا سبب احادیث کا اختلاف ہے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو نجاشی کی وفات کی اطلاع اسی دن مل گئی تھی جس دن اس کا انتقال ہوا چنانچہ آپ لوگوں کے ساتھ عید گاہ نکل گئے۔ ان کی صف بندی کی اور چار تکبیریں کہیں“  
یہ حدیث متفق علیہ ہے اس لیے جمہور فقہا نے اس پر عمل کیا ہے۔

(بدایہ المجتہد ونہایہ المستند اردو باب نمبر ۵ نماز جنازہ کا بیان ص ۳۲۶)

امام ترمذی لکھتے ہیں:

اور عمل اسی پر ہے اکثر اہل علم کا آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات (تابعین وغیرہ) کا جنازہ پر چار ہی تکبیرات ہیں اور یہی قول ہے حضرت امام سفیان ثوری اور امام مالک اور حضرت عبداللہ بن مبارک امام شافعی امام احمد اور اسحاق کا۔ (ترمذی ص ۱۶۶)  
امام شافعی فرماتے ہیں:

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے۔

(نیل الاوطار اردو باب ثانی نماز جنازہ)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے متعلق امام نووی شافعی فرماتے ہیں۔  
 یہ حدیث علماء کے نزدیک منسوخ ہے اور ابن عبد البر وغیرہ نے اس کے منسوخ ہونے پر  
 اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اب کوئی شخص چار تکبیروں سے زیادہ نہ کہے اور یہ دلیل ہے اس پر کہ ان  
 لوگوں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بعد چار پر اجماع کر لیا ہے اور فقہاء کا صحیح قول یہ ہے کہ اجماع بعد  
 اختلاف کے صحیح ہے۔ (شرح مسلم نووی کتاب الجنائز تحت حدیث حضرت زید بن ارقم)

## اعتراض نمبر ۶۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن طلحة ابن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس  
 على جنازة فقرا بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة.  
 (ترجمہ) سیدنا طلحہ بن عبد اللہ بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے  
 پیچھے جنازہ نماز پڑھی انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا (یہ میں نے اس لیے  
 پڑھی ہے) تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے۔

(بخاری ۱۰ کتاب الجنائز باب قراۃ فاتحۃ الكتاب علی الجنائز ص ۱۴۸، رقم الحدیث ۱۳۳۵)

### فقہ حنفی

والبدایۃ بالثناء ثم بالصلوة۔

(ہدایہ اولین ۱۰ کتاب الصلوۃ باب الجنائز فی الصلوۃ علی المیت ص ۱۸۰)

جنازہ نماز کی ابتداء ثناء سے کرنی ہوگی اور اس کے بعد درود پڑھنا ہوگا۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۰۴)

**جواب:**

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں قرآنہ ہے یا نہیں۔ ہم حنفی یہ کہتے ہیں کہ جنازہ کی  
 نماز میں کسی قسم کی قرآنہ نہیں ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ جنازہ میں قرآنہ ہے اور خاص کر جنازہ

کی نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا تو فرض ہے اگر سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی تو نماز جنازہ نہیں ہوتی کیونکہ حدیث الاصلوۃ میں جنازہ کی نماز بھی شامل ہے۔

## دلائل احناف

حدیث:

(۱) عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا صلیتہم علی البیت فاخلصوا الہ الدعاء  
(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۰ ابن ماجہ ص ۱۰۹)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

(۲) مالک عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابیہ انہ سأل اباہریرۃ کیف تصلى علی الجنازۃ فقال ابوہریرۃ انا لعبر اللہ اخبرک اتباعہا من اهلہا فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللہم انہ عبدک وابن عبدک وابن امتک کان یشہدان لا الہ الا انت وان محمدًا عبدک ورسولک وانت اعلم بہ اللہم ان کا محسنًا فرد فی احسانہ وان کامسینًا فتجاوز عنہ سیئاتہ اللہم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتننا بعدہ  
(موطا امام مالک ج ۱ ص ۲۰۹)

(ترجمہ) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید مقبری رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا بخدا میں تمہیں ضرور بتلاؤں گا، میں جنازہ والے گھر سے ہی جنازہ کے ساتھ ہولیتا ہوں جب جنازہ (نماز کے لیے) رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں۔ اللہم عبدک وابن عبدک

واہن امتك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك  
دانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد في احسانه وان كان مسيئا  
فتجاوز عنه سيئاته اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتننا بعده

(۲) مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ في الصلوة على  
الجنائز،  
(مؤطا امام مالك ج ۱ ص ۲۱۰)

(ترجمہ) حضرت امام مالک رحمہ اللہ حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں  
کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(۳) روى عن ابن مسعود انه سئل عن صلوة الجنائز هل  
يقرأ فيها فقال لم يوقت لنا رسول الله ﷺ قولا ولا قراءة  
وفي رواية دعاء ولا قراءة كبر ما كبر الا امام واخت من اطيب  
الكلام ما شئت. وفي رواية واخت من الدعاء اطيبه۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳، مغنی ابن قدامة ج ۲ ص ۴۸۵)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے نماز جنازہ  
میں قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے  
لیے کوئی خاص کلام اور قرأت مقرر نہیں فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ کوئی  
خاص دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جو  
اچھے سے اچھا کلام (ثناء و دعاء وغیرہ) چاہو اختیار کرو اور ایک روایت میں ہے  
کہ جو بہتر سے بہتر دعا ہو وہ اختیار کرو۔

(۵) روى عن عبد الرحمن بن عوف وابن عمر انهما قال لا یس  
فیہا قراءة شيء من القرآن۔  
(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳)

(ترجمہ) حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے  
مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا نماز جنازہ میں قرآن کے کسی حصہ کی  
بھی قرأت نہیں ہے۔

(۶) عن علی انه كان اذا صلى على ميت يبدا بمحمد الله ويصلى على



النبي ﷺ ثم يقول اللهم اغفر لحيائنا وامواتنا فالف بين  
قلوبنا واصلح ذات بيننا واجعل قلوبنا على قلوب خيارنا.  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی میت کی نماز جنازہ  
پڑھتے تو اللہ کی حمد و ثنا سے ابتداء کرتے پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود  
پڑھتے پھر یہ دعائیں: اللهم اغفر لحيائنا وامواتنا والف بين قلوبنا  
واصلح ذات بيننا واجعل قلوبنا على قلوب خيارنا

(۴) عن الشعبي قال في التكبير الاولى يبدا بمحمد الله والثناء عليه  
والثانية صلوٰۃ على النبي ﷺ والثالثة دعاء للميت والرابعة للتسليم  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵؛ مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۹۱)

(ترجمہ) ۶ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد و  
ثناء سے دوسری تکبیر کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے،  
تیسری تکبیر میں میت کے لیے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔  
(۸) عن عبد الله بن اياس عن ابراهيم و عن ابی الحصين عن

الشعبي قال ليس في الجنازة قراءة

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں  
قرأت نہیں ہے۔

(۹) عن ايوب عن محمد انه كان لا يقرأ على الميت،

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸؛ مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۹۱)

(ترجمہ) حضرت ایوب رحمہ اللہ حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت کرتے  
ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) عن حجاج قال سالت عطاء عن القراءة على الجنازة فقال  
ما سمعنا بهذا

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے یہ نہیں سنا۔  
(۱۱) عن ابی طاؤس عن ابیہ وعطاء انہما کان ینکران القراءة علی الجنازة۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) ترجمہ حضرت ابو طاؤس اپنے والد طاؤس اور حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ نماز جنازہ میں قرأت کا انکار کرتے تھے۔

(۱۲) عن بکر بن عبد اللہ قال لا اعلم فیہا قراءة  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت بکر بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کو نہیں جانتا۔

(۱۳) عن مفضل قال سالت میموناً علی الجنازة قراءة او صلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما علمت

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)  
(ترجمہ) حضرت مفضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت میمون رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں قرأت یا درود سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

(۱۴) عن محمد بن عبد اللہ بن ابی سارة قال سالت سألها فقلت القراءة علی الجنازة فقال لا قراءة علی الجنازة

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)  
(ترجمہ) حضرت محمد بن عبد اللہ بن ابی سارة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رحمۃ اللہ سے دریافت کیا کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کروں تو آپ نے فرمایا نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(۱۵) عن ابی المنہال قال سالت ابا العالیة عن القراءة فی الصلوة علی الجنازة بفاتحة الكتاب فقال ما کنیت احسب ان فاتحة الكتاب تقرؤ

الا فی صلوٰۃ فیہا رکوع وسجود (مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت ابوالمہال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ الریاحی رحمۃ اللہ سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میرا تو یہی خیال ہے کہ سورۃ فاتحہ صرف رکوع وسجود والی نماز ہی میں پڑھی جاتی ہے۔

(۱۶) عن موسیٰ بن علی عن ابیہ قال قلت لفضالۃ بن عبیدۃ

هل یقرؤ علی المیت شیئ قال لا۔ (مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت موسیٰ بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فضالۃ بن عبیدۃ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت کی جاتی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔

(۱۷) عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ قال قال لہ رجل اقرؤ علی

الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب قال لا تقرأ۔ (مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت سعید رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو بردۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں نماز جنازہ میں قرأت کر لیا کروں تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(۱۸) عن حماد عن ابراہیم قال سألتہ ایقرأ علی المیت اذا

صلی علیہ؟ قال لا۔ (مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۱)

(ترجمہ) حضرت حماد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا نماز جنازہ میں قرأت کی جاسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

قال سحنون قلت لعبدالرحمن بن القاسم ای شیئ یقال علی

المیت فی قول مالک قال الدعاء للمیت قلت فهل یقرأ علی

الجنازۃ فی قول مالک قال لا..... ابن وهب عن رجال من اهل

العلم عن عمر بن الخطاب وعلی ابن ابی طالب وعبداللہ بن عمر

وعبید بن فضالۃ وابی ہریرۃ وجابر ابن عبداللہ وواثلۃ بن

الاسقع والقاسم وسالم بن عبد اللہ وابن المسیب وربیعہ وعطاء ونعیمی بن سعید انہم لم یكونوا یقرؤن فی الصلوۃ علی المیت وقال مالک لیس ذالک بمعمول بہ انما هو الدعاء ادرکت اہل بلادنا علی ذالک۔ (المدونۃ الخیری ج ۱ ص ۱۴۳)

(ترجمہ) حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ سے دریافت کیا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے قول میں میت پر کیا پڑھنا چاہئے؟ فرمایا میت کے لیے دعاء میں نے کہا، کیا امام مالک رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق نماز جنازہ میں قراءت ہوتی ہے؟ فرمایا نہیں۔ ابن وہب رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ بہت سے اہل علم مثلاً حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبیدہ بن فضالہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت واسلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم اور حضرت قاسم بن محمد، حضرت سالم بن عبد اللہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کیا کرتے تھے، ابن وہب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہمارے شہر (مدینہ طیبہ) میں اس پر عمل نہیں، نماز جنازہ صرف دعاء ہے، میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

ومقصود الصلوۃ علی الجنازۃ هو الدعاء اللبیت وکذا لک حفظ عن النبی ﷺ ونقل عنه مالک ینقل من قراءۃ الفاتحۃ والصلوۃ علیہ ﷺ۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

(ترجمہ) نماز جنازہ سے مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ سے جنازہ کی دعائیں اس کثرت کے ساتھ نقل کی گئی ہیں کہ فاتحہ یا درود شریف کا پڑھنا اس طرح نقل نہیں کیا گیا۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

”وینذکر عن النبی ﷺ انه امر ان یقرأ علی الجنائزۃ بفاتحة  
الکتاب ولا یصح اسنادہ۔“

(زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

(ترجمہ) اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ  
میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین جو آنحضرت ﷺ کی سنتوں کے امین ہیں ان میں سے کسی  
بھی خلیفہ راشد سے نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ منقول نہیں جب کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما  
کا قراءت نہ کرنا صراحتاً منقول ہے جیسا کہ مدونہ کبریٰ کی عبارت سے واضح ہے۔  
ربی وہ روایت جو راشدی صاحب نے پیش کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

اصول یہ ہے کہ جس خبر واحد میں کسی مسئلہ کے مسنون ہونے کی تصریح ہو اس خبر واحد سے اس  
مسئلہ کی فرضیت پر استدلال کس طرح درست ہو سکتا ہے، جبکہ یہ امر بھی قطعی نہیں ہے کہ اس سے مراد سنت  
رسول اللہ ﷺ ہے یا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم، اور چونکہ دیگر دلائل سے نماز جنازہ میں بطور قراءۃ قرآن پڑھنے کی  
ممانعت ثابت ہے اس لیے یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں  
سورۃ فاتحہ کو بطور ثنا اور دعا کے پڑھا ہوگا۔

جواب نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کے خلاف بھی روایت مروی ہے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ  
عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فتح الباری میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس سے  
واضح طور پر ثبوت ملتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک نماز جنازہ صرف تکبیر اور تسبیح ہے۔

اخرجه عمر بن شبہ فی کتاب مکة من طریق حماد عن ابی حمزہ عن  
ابن عباس رضی اللہ عنہ قلت له کیف اصلی فی الکعبۃ قال کما تصلی فی  
الجنائزۃ تسبیح وتکبیر ولا ترکع ولا تسجد ثم عند دار کان البیت  
تسبیح وکبروت تصرع واستغفر ولا ترکع وتسجد وسندہ صحیح  
(فتح الباری ج ۳ ص ۳۶)



اس حدیث کو عمر بن شہب کتاب مکہ میں طریق حماد نقل کرتے ہیں کہ ابو حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بیت اللہ میں کیسے نماز پڑھوں، تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح پڑھو جس طرح نماز جنازہ کی پڑھتا ہے کہ تسبیح اور تکبیر کہہ اور رکوع وسجود نہ کر پھر بیت اللہ کے ارکان کے پاس تسبیح تکبیر کہہ اور عاجزی اور استغفار کر رکوع سجدہ نہ کر اور سند اس کی صحیح ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ابو حمزہ کو نماز جنازہ کا طریق بتاتے ہیں تو اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز جنازہ میں نہ فرض ہے اور نہ سنت ورنہ اس موقع پر آپ ضرور ان کو بتا دیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت:

عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان اذا صلی علی الہیت قال

اللہم اغفر لہینا ومیتنا الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو فرماتے اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور مردوں کو الخ

علامہ بیہقی فرماتے ہیں اسناد حسن کہ اسناد اس کی حسن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے جب بھی نماز جنازہ پڑھی تو آپ ﷺ نے اس میں دعائے مغفرت کی، اگر آپ سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے تو حضرت ابن عباس یہ فرماتے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تو اس میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے لیکن ایسا نہیں کہا۔

لہذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں اس لیے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح کہ آپ کبھی کبھار بطور حمد و ثناء کے پڑھ لیتے ہوں گے، اور کبھی نہیں پڑھتے ہوں گے اس طریقہ کو اگر اختیار کیا جائے تو دونوں قسم کی روایتوں پر عمل ہوگا ورنہ ایک پر عمل ہوگا اور دوسری کو چھوڑنا پڑے گا۔

جواب نمبر ۳:

اس حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی اگر تکبیر بھی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد و ثناء پڑھی بنیت قرآن بنیت حمد و ثناء کہ پڑھنے کے تم ہم احناف بھی قائل ہیں۔

جواب نمبر ۴:

آپ کے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو خود پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔

جواب نمبر ۵:

آپ نے جو یہ فرمایا کہ یہ سنت ہے اس جملہ سے سنت رسول ﷺ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں پر لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے بجائے دوسری شام اور دعا کے سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا کوئی فرمان کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا خود سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتی تو سنت رسول ﷺ کیسے ثابت ہوگی۔

## اعتراض نمبر ۶۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** عورت کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے امام اس کے (جنازہ) کے درمیان میں کھڑا ہوگا۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن سمرة بن جندب قال صليت وراء رسول الله ﷺ على امرأة ماتت في نفاسها فقام عليها وسطها.

(ترجمہ) سیدنا سرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ ایک عورت اپنے نفاس (کے ایام) میں فوت ہو گئی میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں اس کی نماز جنازہ پڑھی آپ ﷺ اس کے (جنازہ) کے درمیان میں کھڑے ہوئے۔

بخاری ۱۶۰۱ کتاب الجنائز باب الصلوة على النساء اذ ماتت في نفاسها ص ۱۰۱ رقم الحديث ۴۴۲۱ واللفظ له

مسلم ۱۶۰۱ کتاب الجنائز باب ابن یحییٰ الامام من البيت للصلوة عليها ص ۳۱۱ رقم الحديث ۴۴۲۵

### فقہ حنفی

و يقوم الذي يصلي على الرجل والمرأة بجذاء الصدر.

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ص ۱۸۱)

جو آدمی کسی مرد یا عورت کا جنازہ پڑھا رہا ہے اس کو چاہیے کہ وہ (میت) کے

سینے کے برابر کھڑا ہو۔ (فقہ و حدیث ص ۱۰۵)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت مکمل نقل نہیں کی۔ اگر وہ پوری عبارت نقل کر دیتے تو وہاں پر سینے کے سامنے کھڑے ہونے کی وجہ بھی لکھی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا۔ ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے:

و یقوم الذی یصلی علی الرجل والمرأة بحذاء الصدر لانه موضع القلب وفيه نور الايمان فيكون القيام عنده اشارة الى الشفاعة لا يمانه وعن ابی حنیفۃ انه یقوم من الرجل بحذاء راسه ومن المرأة بحذاء وسطها لان انسا فعل كذلك وقال هو السنۃ (ترجمہ) جو شخص مرد و عورت کی نماز جنازہ پڑھتا ہے وہ سینے کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نور ایمان ہے پس اس کے پاس کھڑا ہونا اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرد کے جنازہ کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا ہے اور کہا کہ یہی سنت ہے۔

(ہدایہ فصل فی الصلوٰۃ علی المیت)

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ راشدی صاحب نے کس طرح قطع و بدیر کی ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ حنفی مسلک میں دو قول ہیں۔ اور دونوں دلائل سے ثابت ہیں فرق یہ ہے کہ بہتر کون ہے۔ امام طحاوی نے طحاوی ج ۱ ص ۲۳۷ میں اور علامہ انور شاہ کشمیری نے العرف الشندی ج ۱ ص ۱۹۹ میں اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کو اختیار کیا ہے جس میں مرد کے سر کے سامنے اور عورت کے درمیان میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے احناف کا یہ مسئلہ پھر احناف کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف حدیث کے خلاف کیسے ہوا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث مولانا راشد دی صاحب نے بھی نقل کی ہے اس سے

صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امام عورت کے جنازہ پر درمیان میں کھڑا ہو۔ اس میں مرد کا سر سے ذکر جی نہیں۔ بعض روایت میں مرد کا سر کے سامنے اور عورت کے درمیان کی روایت میں عورت کے کو لہے کے سامنے کا ذکر ہے۔

(۲) عن ابی غالب قال صلیت خلف انس رضی اللہ عنہ علی جنازۃ فقال حیال صدرہ (فتح القدیر ج ۲، ص ۸۹، شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۵) ابو غالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ میت کے سینہ کے برابر کھڑے ہوئے۔

(۳) عن ابراہیم قال یقوم الرجل الذی یصلی علی الجنازۃ عند صدرہا ابراہیم نحفی نے فرمایا مرد کے جنازہ میں نماز کے لیے سینہ کے برابر کھڑا ہونا چاہئے۔  
(لحاوی باب الرجل یصلی علی المیت این ینفی ان یقوم منہ)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ روایات میں اختلاف ہے اس واسطے بعض اصناف نے سینے سے برابر کھڑا ہونے کو ترجیح دی اور ساتھ ترجیح کی وجہ بھی بیان کر دی کہ اس میں ایمان ہوتا ہے۔

## اعتراض نمبر ۶۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** دوران مدت حمل گر جانے والے بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی ﷺ قال والسقط یصلی علیہ ویدعی لو الدیہ بالمغفرۃ والرحمۃ۔

(ترجمہ) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو بچہ دوران مدت حمل گر جائے (حمل ضائع ہو جائے تو) اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے گی۔

(ابوداؤد ج ۲ کتاب الجنائز باب المشی امام الجنائز ص ۹۷، رقم الحدیث ۲۱۸۰)

### فقہ حنفی

ومن لم یستہل ادرج فی خرقۃ کرامۃ لبنی ادم ولم یصلی علیہ

(ہدایہ، اولین ج: کتاب الصلوٰۃ باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ص ۱۸۱)

اور جو بچہ مردہ پیدا ہو اس کی آواز نہ آئی اس کو بنی آدم کے احترام کی وجہ سے صاف سترے کپڑے میں لپیٹا جائے گا اور اس کی جنازہ نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

(فقہ و مہدیت ص ۱۰۶)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں راشدی صاحب نے اپنے مطلب کی حدیث نقل کر دی اور جس حدیث پر احناف کا عمل تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔ ہم یہاں پر وہ احادیث نقل کرتے ہیں جس پر احناف کا عمل ہے۔

پہلی حدیث:

عن جابر ان النبی ﷺ قال الطفال لایصلی علیہ ولا یرث ولا یورث حتی یرتھل۔

(ترجمہ) روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بچے پر نہ نماز پڑھی جائے نہ وہ وارث ہو اور نہ موروث حتی کہ چھینے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ مگر ان ماجہ نے اپنی روایت میں لایواث نقل نہیں کیا ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ اللہ اعلم بکرم ولا یورث) (مشکوٰۃ باب المشی کتاب الجنائز)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی ترک الصلوٰۃ علی الطفل حتی یرتھل میں موجود ہے۔ (ترمذی مترجم جلد اول ص ۳۸۰)

علامہ بدیع الزمان غیر مقلد نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

روایت ہے جابر سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا لڑکے کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ لڑکا کسی وارث ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے جب تک وہ بعد پیدا ہونے کے رووے چلاوے نہیں۔

ابن ماجہ باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الطفل میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

ٹحاوی مترجم جلد اول ص ۵۲ باب الطفل یموت ایصلی علیہ امر لا میں بھی یہ

حدیث موجود ہے۔



حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی یہ روایت سنن دارمی کتاب الفرائض باب میراث الصبی میں اس طرح ہے۔

اخبرنا یزید بن ہارون اخبرنا الاشعث عن ابی الذبیر عن جابر

بن عبد اللہ قال اذا استهل الصبی ورث وصلی علیہ

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں: جب بچہ (پیدائش کے

وقت) چلا کر روئے تو اس کی وراثت تقسیم ہوگی اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

دوسری حدیث:

حدثنا ابو نعیم حدثنا شریک عن ابی اسحق عن عطاء عن ابن

عباس قال اذا استهل الصبی ورث وورث وصلی علیہ

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں: جب بچہ (پیدائش کے

وقت) چلا کر روئے تو وہ وارث بنے گا اور اس کی وراثت ہوگی اور اس کی نماز

جنازہ ادا کی جائے گی۔ (سنن دارمی باب میراث الصبی)

تیسری حدیث:

حدثنا مالک بن اسمعیل حدثنا اسرائیل عن سماک عن

عکرمۃ عن ابن عباس قال لیس من مولود الا استهل

واستہلالہ بعصر الشیطن بطنہ فیصیح الا عیسیٰ ابن مریم

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں: بچے کی پیدائش کا حکم، چلا کر

رونے سے ثابت ہوتا ہے اور شیطان اس کے پیٹ میں کچھ چھوٹتا ہے جس کی وجہ

سے وہ روتا ہے البتہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔

(سنن دارمی باب میراث الصبی)

چوتھی حدیث:

حدثنا یحییٰ بن حسان حدثنا یحییٰ هو ابن حمزۃ عن زید بن

واقد عن مکحول قال قال رسول اللہ ﷺ لا یرث المولود

حتی یرتہل صار خاوان وقع حیا

(ترجمہ) کھول بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: پیدا ہونے والا بچہ اس وقت تک وارث نہیں بن سکتا جب تک وہ چلا کر نہ روئے اگرچہ وہ زندہ ہی باہر آیا ہو۔  
(سنن دارمی باب میراث الصبی)

پانچویں حدیث:

حدثنا يعلى حدثنا محمد بن اسحق عن عطاء عن جابر قال اذا استهل المولود صلى عليه وورث  
(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب بچہ چلا کر روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کی وراثت کا حکم بھی لاگو ہوگا۔  
(سنن دارمی باب میراث الصبی)

چھٹی حدیث:

حدثنا عبد الله بن محمد حدثنا معن عن ابن ابي ذئب عن الزهري قال ارمى العطاس استهلاقة  
(ترجمہ) زہری بیان کرتے ہیں: میرے خیال میں چیخنا بھی چلا کر رونے کے مترادف ہے۔  
(سنن دارمی باب میراث الصبی)

ساتویں حدیث:

حدثنا ابو النعمان حدثنا ابو عوانة عن مغيرة عن ابراهيم  
لا يورث المولود حتى يستهل ولا يصلى عليه حتى يستهل فاذا  
استهل صلى عليه وورث و كملت الديّة  
(ترجمہ) ابراہیم بیان کرتے ہیں: نو مولود شخص کی وراثت کا حکم اس وقت تک جاری نہیں ہوگا جب تک وہ چلا کر نہ روئے اور جب تک وہ چلا کر نہ روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کی وراثت کا بھی حکم جاری ہوگا اور اس کی دیت بھی مکمل ہوگی۔  
(سنن دارمی باب میراث الصبی)

آٹھویں حدیث:

حدثنا عبد الله بن صالح حدثني الليث حدثني يونس عن ابن شهاب  
وسالناه عن السقط فقال لا يصلى على مولود حتى يستهل صارخا  
(ترجمہ) یونس بیان کرتے ہیں: ہم نے ابن شہاب سے (پیٹ سے) گر جانے  
والے بچے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی مردہ پیدا ہونے والے بچے کے  
بارے میں دریافت کیا) تو انہوں نے جواب دیا: اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی  
جائے گی چونکہ جب تک بچہ چلا کر نہ روئے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جاتی۔  
(سنن داری باب میراث الی)

امام شوکانی کا حوالہ:

جسہور فقہاء کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ حمل کے ساقط ہو جانے کے بعد اس میں زندگی  
کے آثار پائے جانے لازمی ہیں اگر اس میں یہ آثار نہیں ہوں گے تو پھر اس کی نماز جنازہ ادا کرنے  
کے ضرورت نہیں۔  
(نیل الاوطار رد و جلد دوم ص ۲۵۳)

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کا حوالہ

ف: کچا بچہ وہ ہے جس کی مدت حمل پوری نہ ہوئی ہو لیکن جان پڑ گئی ہو اور زندہ پیدا ہوا ہو،  
اس پر نماز پڑھنا چاہیے اور جو جان نہ پڑی ہو یا مردہ پیدا ہو، تو نماز جنازہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ  
یوں ہی دفن کر دینا چاہیے۔  
(سنن ابوداؤد مترجم جلد نمبر ۲ ص ۵۶۶)

ناظرین ان روایات سے امام ابو حنیفہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے جس کو راشدی صاحب نے  
حدیث کے خلاف کہا ہے باقی رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ ان دلائل کے  
مقابلہ میں مرجوع کے حکم میں ہے۔ اس سے قابل عمل نہیں اور نہ امت کا اس پر عمل ہے۔

### اعتراض نمبر ۶۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: شاتم رسول ذمی واجب القتل ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن علی ان یهودیۃ كانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیہ فخنقها رجل حتی ماتت فابطل النبی ﷺ دمها۔  
 (ترجمہ) ایک یہودی عورت نبی ﷺ کو گالیاں دیتی تھی اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی ایک آدمی نے اس کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔ نبی ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دے دیا۔

(ابوداؤد ج ۲ کتاب الحدود باب الحکم فی من سب النبی ﷺ صفحہ ۲۵۲، رقم الحدیث ۴۳۶۲)

### فقہ حنفی

ومن امتنع من الجزیۃ او قتل مسلمۃ اوسب النبی ﷺ اوزنی بمسلمۃ لم ینتقص عہدہ۔

اور امام مالک کا اور حضرت ابو بکر صدیق سے یہی نقل کیا گیا ہے۔

## مولانا فسر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں

علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر زمی مرد یا عورت نبی علیہ السلام کی شان میں اعلانیہ گستاخی کرے یا اسلام میں عیب نکالے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

(اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۵۳۹)

مولانا عبدالمالک کاندھلوی حنفی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں

امت کے تمام فقہاء اور آئمہ مفسرین اور محدثین کا فیصلہ ہے کہ توہین رسول علیہ الصلوٰۃ

(ناموس رسول ص ۲۱۰)

والسلام کی سزا موت ہے۔

ان حنفی علماء کی عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک میں گستاخ رسول کی سزا موجود ہے اور وہ

قتل ہے اور حدیث میں بھی قتل کا ہی ذکر ہے۔ پھر فقہ حنفی حدیث کے خلاف کیسے ہوئی۔

## ہدایہ کی عبارت کی وضاحت

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام کسی ملک کفار کو فتح کرے اور پھر ان سے

عہد و پیمان لے کر ان کو اپنے ظل حمایت میں جگہ دیوے تو تا وقتیکہ وہ اپنے عہد و پیمان کا خلاف نہ کریں

تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا معاہدہ بدستور قائم رکھیں ہاں اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی جرم کا

ارتکاب کریں تو حسب قانون شرع اس پر حد جاری کریں سوا اگر کسی مسلمان عورت سے کوئی ذمی زنا

کرے یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کے عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا

کچھ ذکر نہ تھا تو گو اس کا معاملہ معاہدہ جوں کا توں باقی ہے ان دونوں جرموں کی سزا اس کو دی جائے گی۔

یعنی زنا کی صورت میں حد زنا اس پر جاری ہوگی۔ چنانچہ رد مختار میں ہے: قوله ولا بالزنا بمسلمة بل

يقام عليه موجه وهو الحد یعنی زنا مسلمہ سے عہد تو نہ توٹے گا پر اس پر زنا کی سزا جاری کی

جائے گی اور نبی ﷺ کے برا کہنے میں اگر خفیہ طور سے ایک دودھ اپنی گت کے آدمیوں میں بڑا کہا

ہے اور عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ ہو تب بھی اگرچہ معاہدہ اس کا بدستور باقی ہے لیکن

تعزیر اور زجر آزمایا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مصلحت وقت ہو تو اس کو قتل کر دینا تک بھی جائز ہے

چنانچہ رد مختار میں ہے: ویؤدب الذمی ویعاقب علی سبہ دین الاسلام والقرآن



او النبی ﷺ قال العینی واختیار فی السب ان یقتل وتبعہ ابن الہمام قلت وہی  
افتی شیخنا الخیر الرملی وهو قول الشافعی۔ یعنی ذمی دین اسلام یا قرآن یا نبی ﷺ کے بڑا  
کہنے میں تادیب و تعزیر دیا جائے۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ میرا مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے۔ اسی  
مذہب کے ابن ہمام تابع ہوئے ہیں اور شیخ رملی نے بھی اسی کا فتویٰ دیا ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔  
پھر یہ بھی جب ہے کہ اس قسم کی شرائط وقت عہد اس سے نہ کی گئی ہوں۔ اور اگر اس سے شرط  
کی گئی ہو کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کو بڑا نہ کہے یا فلاں فلاں کام نہ کرے اور  
پھر اس نے اس کا خلاف کیا تو اس کا معاہدہ بھی باقی نہ ہے گا۔ بلکہ مباح الدم ہو جائے گا۔ چنانچہ رد مختار  
میں ہے: اقول هذا ان لم یشرط انتقاضہ یہ اما اذا شرط انتقض بہ کہا ہو ظاہر۔ یعنی عہد کا  
نہ ٹوٹنا جب ہے کہ اس قسم کی شرط نہ کی گئی ہو ورنہ بڑا کہنے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔  
علیٰ ہذا اگرچہ معاہدہ میں ایسی شرائط نہ کی گئی ہوں پر وہ کھلم کھلا نبی ﷺ کو بڑا کہتا پھرتا ہے  
تب بھی اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کے صلہ میں قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ رد مختار میں ہے: قوله وسب  
النبی ﷺ۔ ای اذلہ یعلن فلو اعلن بشتہ او اعتادہ قتل ولو امر اذ وہ یفتی  
الیوم۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا اس وقت ہے کہ علی الاعلان برانہ کہا ہو۔ اور اگر کھلم کھلا بڑا کہا ہے یا اس کی عادت  
کر لی ہے تو قتل کر دیا جائے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو اسی پر اب فتویٰ ہے۔ یہ عبارات تو کتب فقہ کی تھیں  
اب حدیث کا حال بھی سنئے: سو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر بار بار نبی ﷺ کے بڑا کہنے کی  
عادت کر لی تو اس کا خون معاف ہے ابو داؤد میں ہے: ان اعفی کانت لہ ام ولد تشتم  
النبی ﷺ وتقع فیہا فینہا ہا فلا تنتہی ویزجرہا فلا تنزجر قال فلما کانت  
ذات لیلۃ جعلت تقع فی النبی ﷺ وتستمہ فاخذ المغول فوضعه فی بطنہا  
واتکاء علیہا فقتلہا۔ الحدیث۔ یعنی ایک نابینا کی باندی تھی اور نبی ﷺ کو بڑا بھلا کہا کرتی تھی وہ  
نابینا اس کو منع کیا کرتا تھا اور جھڑکا کرتا تھا سو وہ باز نہ آتی تھی۔ اتفاقاً ایک رات کو پھر بڑا کہنے لگی تو نابینا نے ایک  
چھرا لے کر اس کے پیٹ میں بھونک دیا اور اس کو جان سے مار ڈالا۔ جب شدہ شدہ اس امر کی رسول اللہ  
ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: الا شہدا وا ان دمہا ہدر یعنی گواہ رہو کہ خون اس  
باندی کا معاف ہے۔ اب صاحب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کتب فقہ اور حدیث شریف کس طرز سے  
موافق و مطابق ہیں۔

## اعتراض نمبر ۶۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** مسلمان اور کافر کی دیت برابر نہیں

### حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال خطب رسول الله ﷺ عام الفتح ثم قال دية الكافر نصف دية المسلم -  
(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فتح والے سال خطبہ دیا پھر فرمایا کافر کی دیت، مسلمان کی نصف دیت کے برابر ہے۔

(ابوداؤد ۲۳ ص ۲۸۲ کتاب الدیات باب دية الذمي رقم الحديث ۴۵۸۴۔ باختلاف الالفاظ)

(مسند احمد جلد ۲ ص ۱۸۰ رقم الحديث ۶۶۹۲)

### فقہ حنفی

دية المسلم والذمي سواء-

(ہدایہ اخیرین ۲۳ کتاب الدیات ص ۵۸۵)

مسلمان اور کافر کی دیت برابر ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۰۸)

**جواب:**

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

**حدیث نمبر ۱:**

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے معاہدہ کی دیت مسلمان

کی دیت جیسی مقرر کی (یعنی مسلمان اور کافر دونوں دیت میں برابر ہیں)

(نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ج ۴ ص ۳۶۷)

**حدیث نمبر ۲:**

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر زنی عہد (یعنی ذمی) کی

(نصب الرایۃ ج ۴ ص ۳۶۶)

دیت آپ ﷺ کے زمانے میں ایک ہزار دینار تھی۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت یثیم بن ابی الہیثم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا معاہد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت ہے۔ (کتاب الاثار باب دیتہ المعاهد)  
ان روایات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک حدیث کے مطابق ہے حدیث کے خلاف نہیں۔ وہ احادیث کا مختلف ہونا تو ہم ترجیحی ان روایات کو دیتے ہیں کیونکہ خلفائے راشدین کا عمل ہماری روایات کے مطابق ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس میں عام کافر کا ذکر ہے ذمی کافر کا نہیں اور ہدایہ میں مسئلہ ذمی کافر کا لکھا ہوا ہے عام کافر کا نہیں۔ اس لیے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

### اعتراض نمبر ۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** سفر میں قصر و اتمام دونوں جائز ہیں۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة قالت كل ذاك قد فعل رسول الله ﷺ قصر الصلاة و اتم.

(ترجمہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ہر طرح سے نماز

پڑھتے تھے قصر (۲ رکعتیں) بھی کرتے تھے اور اتمام (۴ رکعتیں) بھی کرتے تھے۔

(شرح السنة للبخاری ج ۲ ص ۱۶۶ رقم الحديث ۱۰۲۲، ابواب صلاة السفر باب قصر الصلاة طبعه المکتب

الاسلامي بیروت) (سنن الدارقطني ج ۲ ص ۴۰۷، رقم الحديث ۲۲۶۵-۲۲۶۶، طبعه دار المعرفه بیروت

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۳۲ طبعه نشر السنه ملتان رقم الحديث ۶۶۹۲)

### فقہ حنفی

فرض المسافر فی الرباعیۃ رکعتان لا یزید علیہما.

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب صلاة المسافر صفحہ ۱۶۵)

مسافر دو رکعت سے زیادہ رکعات نہیں پڑھ سکتا۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۰۹)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث کے مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن عیسیٰ بن حفص بن عاصم قال حدثنی ابی انہ سمع ابن عمر یقول صحبت رسول اللہ ﷺ فکان لایزید فی السفر علی رکعتین و ابابکر و عمر و عثمان کذا لک۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۹)

(ترجمہ) حضرت عیسیٰ بن حفص بن عاصم فرماتے ہیں کہ میرے والد حفص بن عمر نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا وہ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

(۲) عن عبد اللہ بن عمر (فی حدیث طویل) انی صحبت رسول اللہ ﷺ فی السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحب ابابکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحب عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۴۲)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا لیا اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں حتیٰ کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلا لیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتیٰ کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلا لیا اور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں حتیٰ کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلا لیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔

(۲) عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ صلوة السفر ركعتان من ترك السنة فقد كفر (رواہ ابن حزم بسند صحیح (عمدة القاری ج ۷ ص ۱۳۳)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (یعنی اس طریقہ) کو چھوڑا تحقیق اس نے کفر کیا۔

(۳) عن مورق قال سألت ابن عمر عن الصلوة في السفر فقال ركعتين ركعتين من خالف السنة كفر - (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت مورق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دوران سفر نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دو۔ دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (اس طریقے) کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔

(۵) عن ابی الکنود قال سألت ابن عمر عن صلوة السفر فقال ركعتان نزلتا من السماء فان شئتتم فردوهما - (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت ابوالکنود رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دو رکعتیں ہیں جو آسمان سے اتری ہیں چاہو تو ان کو رد کر دو۔

(۶) عن السائب بن یزید الکندی ابن اخت النمر قال فرضت الصلوة ركعتين ركعتين ثم زيد في صلوة الحضر واقرت صلوة السفر -

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت سائب بن یزید بن النمر کے خواہر زادے فرماتے ہیں کہ نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر حضر کی نماز میں اضافہ ہو گیا اور سفر کی نماز یونہی برقرار رکھی گئی۔

(۷) عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت الصلوة اول ما فرضت ركعتان فأقرت صلوة السفر و اتممت صلوة الحضر. الحديث

(بخاری ج ۱ ص ۱۴۸)



(ترجمہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نماز ابتداء دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضرت کی نماز پوری کر دی گئی۔

(۸) عن عمر قال صلوٰۃ السفر رکعتان وصلوٰۃ الجمعة رکعتان والفطر والاضحی رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد ﷺ  
(ابن ماجہ ص ۶۷ نہائی ج ۱ ص ۱۶۲)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعات ہیں جمعہ کی نماز دو رکعات ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز دو دو رکعات ہیں جو پوری ہیں کم نہیں محمد ﷺ کی زبانی۔

(۹) عن یعلیٰ بن امیة قال قلت لعمر بن الخطاب لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسالت رسول اللہ ﷺ عن ذالک فقال صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ لیس علیکم جناح ال آیت کے بارے میں عرض کیا کہ اب تو لوگ امن میں ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا تمہیں عجیب لگی ہے وہ بات جو مجھے عجیب لگی تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے لہذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

(۱۰) عن ابن عباس قال فرض اللہ الصلوٰۃ علی لسان نبیکم ﷺ فی الحضرار بعا وفي السفر رکعتین وفي الخوف رکعة  
(مسلم ج ۱ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں، اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔

(۱۱) عن ابن عباس قال صلى رسول الله حين سافر ركعتين ركعتين  
 وحين اقام اربعاً قال وقال ابن عباس فمن صلى في السفر  
 اربعاً كمن صلى في الحضر ركعتين الحديث. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۵)  
 (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ  
 نے جب سفر کیا تو دو رکعتیں پڑھیں اور جب آپ مقیم ہوئے تو چار پڑھیں۔  
 راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص دوران  
 سفر چار رکعتیں پڑھتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو حضر میں دو رکعت پڑھے۔  
 (۱۲) عن موسى بن سلمة الهذلي قال سألت ابن عباس كيف  
 أصلي اذا كنت بمكة اذا لم أصل مع الإمام فقال ركعتين سنة  
 أبي القاسم ﷺ۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت موسیٰ بن سلمہ ہذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت  
 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ جب میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور  
 میں نے امام کے ساتھ نماز نہ پڑھی ہو تو کیسے نماز پڑھوں آپ نے فرمایا دو رکعتیں  
 یہی سنت ہے ابو القاسم ﷺ کی۔

(۱۳) عن ابن عباس ان النبي ﷺ خرج من المدينة الى مكة  
 لا يخاف الا رب العلمين فصلى ركعتين. (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲)  
 (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ  
 الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ گئے اس حال میں کہ آپ سوائے رب  
 العلمین کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔

(۱۴) عن أبي هريرة قال سافرت مع رسول الله ﷺ ومع أبي بكر  
 وعمر كلهم صلى من حين يخرج من المدينة الى ان يرجع اليها  
 ركعتين في المسير والمقام بمكة. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۶)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ،  
 حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا ہے سب نے مدینہ طیبہ

سے جاتے اور واپس مدینہ طیبہ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھیں سفر کے دوران بھی اور مکہ مکرمہ اقامت کے دوران بھی۔

(۱۵) عن خلف بن حفص عن انس انطلق بنا الى الشام الى عبد الملك ونحن اربعون رجلا من الانصار ليفرض لنا فلما رجع وكنا بفج الناقه . صلى بنا الظهر ركعتين ثم دخل فسطاطه وقام القوم يضيئون الى ركعتيهم ركعتين اخريين فقال قبح الله الوجوه فوالله ما اصابنا السنة ولا قبلت الرخصة فاشهد لسبع رسول الله ﷺ يقول ان قوما يتعمقون في الدين يموقون كما يهريق السهم من الرمية۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۵)

(ترجمہ) حضرت خلف بن حفص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ (انہوں نے فرمایا) ہمیں ملک شام عبد الملک بن مردان کے پاس لے جایا گیا ہم چالیس انصاری مرد تھے، مقصد یہ تھا کہ وہ ہمارا وظیفہ مقرر کر دے، جب ہم واپس ہوئے اور فج الناقۃ پہنچے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھا نہیں اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے لوگ اٹھے اور (پڑھی ہوئی) دو رکعتوں کے ساتھ دوسری دو رکعتوں کا اضافہ کرنے لگے، آپ نے فرمایا خدا ان کا ہرے اللہ کی قسم یہ سنت کو نہ پہنچے نہ انہوں نے رخصت کو قبول کیا، گواہ رہو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ بہت سے لوگ دین میں خوب گہرائی میں جائیں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیران سے نکلتا ہے۔

(۱۶) عن عطاء بن يسار قال ان ساقا لواء رسول الله كنامع فلان في السفر فاني الان يصلي لنا اربعا اربعا فقال رسول الله ﷺ اذا والذي نفسي بيده تضلون۔ (المندوحة ج ۱ ص ۱۲۱)

(ترجمہ) حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم فلاں صاحب کے ساتھ سفر میں تھے انہوں نے

ہمیں نماز پڑھانے سے انکار کیا۔ بجز اس صورت کے کہ وہ چار چار رکعت پڑھائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسی صورت میں تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۱۴) عن ابراہیم ان ابن مسعود قال من صلی فی السفر اربعاً اعاد الصلوۃ۔  
(معجم طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۸۹)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ دوران سفر نماز میں قصر کرنا عزیمت ہے نہ کہ رخصت، نیز قصر کرنا واجب اور ضروری ہے نہ کہ افضل۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

اس روایت میں قصر سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر ہوتی ہے مثلاً ظہر، عصر، عشاء، کہ آپ ﷺ ان میں سفر کے اندر قصر کرتے تھے یعنی دو۔ دو رکعات پڑھتے تھے۔ اور پوری پڑھنے سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر نہیں ہوتی مثلاً مغرب اور صبح کی نماز تو اب مطلب یہ ہوگا کہ جن نمازوں میں قصر ہوتی تھی آپ قصر کرتے تھے اور جن میں قصر نہیں ہوتی تھی اس کو سفر میں پوری پڑھتے تھے۔

جواب نمبر ۲:

یہ روایت ہے بھی ضعیف اس کی سند میں ایک راوی ہیں ابراہیم بن یحییٰ جو ضعیف ہیں۔

جواب نمبر ۳:

صاحب سفر سعادت علامہ مجدد الدین فروز آبادی شافعی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحت کی حد کو نہیں پہنچی لہذا حالت سفر میں پوری چار رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

جواب نمبر ۴:

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سب سے پہلے نماز دو رکعت فرض کی گئی۔ پس سفر کی نماز برقرار رہی اور قصر کی نماز پوری پڑھی گئی۔ امام زہری نے کہا: میں نے

سے پوچھا حضرت عائشہ جو (منیٰ میں) نماز پوری پڑھتی تھیں اس کا کیا سبب تھا؟ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی تاویل کی تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی۔

(بخاری کتاب قصر الصلوٰۃ باب یقصر اذا خرج من موضعہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے ایسا کرتی تھیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جواز اتمام میں کوئی حدیث مرفوع ہوتی تو حضرت عروہ نہ فرماتے کہ وہ تاویل کرتی تھیں بلکہ اس حدیث کا حوالہ دیتے۔ حضرت عروہ کے قول سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہ تھی بلکہ ان کا اپنا اجتہاد تھا لہذا مذکورہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی گئی ہے یا تو صحیح نہیں ہے یا اس کا مطلب کچھ اور ہے۔

اسی لیے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ (دیکھئے معارف السنن ج ۴ ص ۳۵۹)

## اعتراض نمبر ۷۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** تین میل کا فاصلہ ہو جانے سے قصر کا آغاز ہو جاتا ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا خرج مسيرة ثلاثة اميال او فراسخ "شعبة الشاك" صلی رکعتین۔

(ترجمہ) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین میل یا فرسخوں کے فاصلے پر نکلتے تھے تب قصر کرتے تھے۔

(مسلم ج ۱ کتاب صلاۃ المسافرین وقصر ما باب صلاۃ المسافرین وقصر ما صفحہ: ۲۴۲ رقم الحدیث ۱۵۸۳)

سنن سعید بن منصور میں ثلاثۃ امیال یعنی تین میل کی صراحت موجود ہے۔

(التلخیص الحبیبر ج ۲ ص ۴۷۰ تحت حدیث ۶۱۰)

### فقہ حنفی

السفر الذی یتغیر بہ الاحکام ان یقصد مسيرة ثلاثة ايام ولياليها يسير الابل ومشي الاقدام۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب صلاۃ المسافر صفحہ: ۱۶۵)



وہ سفر جس سے احکام تبدیل ہو جائیں تین دن اور تین راتیں چلنا ہے۔ (فقہ حدیث ص ۱۱۰)

جواب:

اس مسئلہ میں روایتیں مختلف ہیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے اپنی دلیل کا ذکر کر دیا اور فقہ حنفی کے دلائل کا ذکر نہیں کیا۔ ہم پہلے احناف کے دلائل ذکر کرتے ہیں بعد میں اس روایت کا جواب بھی عرض کریں گے۔ اس مسئلہ میں اصل دنوں کا اعتبار ہے۔ دنوں کے بارے میں جو زیادہ صحیح اور راجع بات قرآن و سنت سے ثابت ہوتی ہے وہ تین دن اور تین رات والی ہی ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر میلوں کا تعین کر لیا گیا ہے۔

### دلائل احناف ملاحظہ فرمائیں

(۱) عن شریح بن ہانیج قال اتیت عائشة اسألها عن المسح علی الخفین فقالت علیک بابن ابی طالب فاسئلہ فانہ کان یسافر مع رسول اللہ ﷺ فسالناہ فقال جعل رسول اللہ ﷺ ثلثة ایام ولیا لیہن للمسافر ویوماً وليلة للمقیم۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۳۵)

(ترجمہ) حضرت شریح بن حانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر موزوں پر مسح کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تم ابن ابی طالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مقرر فرماتے تھے۔

(۲) عن عبد الرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ وقت فی المسح علی الخفین ثلاثة ایام ولیا لیہن للمسافر وللمقیم یوماً وليلة۔ (صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۳۱۱)

(ترجمہ) حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرۃ اپنے والد حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے

لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔

(۳) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لا تسافر المرأة ثلاثة ايام الا مع ذي محرم (بخاری ج ۱ ص ۱۳۷)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہ سفر کرے عورت تین دن کا محرم کے بغیر۔

(۴) عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ ﷺ لا یحل لامرأة ان تسافر ثلثا الا ومعها ذو محرم منها۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۳۲)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن کا سفر کرے اپنے محرم کے بغیر۔

(۵) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلثة ايام فصاعدا الا ومعها ابوہا او ابنہا او زوجہا او اخوہا او ذو محرم منها۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۳۲)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں ہے کسی بھی ایسی عورت کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین دن یا تین دن سے زیادہ مسافت کا سفر کرے مگر اس حال میں کہ اس کا باپ یا بیٹا، یا شوہر یا بھائی یا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو۔

(۶) عن علی بن ربیعۃ الوالبی . الولبة بطن من بنی اسد بن خزیمۃ قال سألت عبد اللہ بن عمر الی کہم تقصر الصلوۃ ؟ فقال اتعرف السویداء قال قلت لاولکنی قد سمعت بہا قال ہی ثلث لیال قوا صد فاذا خرجنا الیہا قصرنا الصلوۃ۔

(کتاب ال آثار الامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص ۳۹)

(ترجمہ) حضرت علی بن ربیعۃ والبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیے۔

آپ نے فرمایا سو ایداء کو جانتے ہو میں نے عرض کیا کہ جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سنا ہے فرمایا وہ تین درمیانی راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو نماز میں قصر کرتے ہیں۔

(۷) حدثنا ابراهيم بن عبد الاعلى قال سمعت سويد بن غفلة الجعفی يقول اذا سافرت ثلاثا فاقصر۔ (کتاب الحجۃ ج ۱ ص ۱۶۸)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم بن عبد الاعلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سويد بن غفلة جعفی رحمۃ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تو تین دن کا سفر کرے تو قصر کر۔ (۸) عن عمر قال تقصر الصلوة في مسيرة ثلاث ليال۔

(کنز العمال ج ۸ ص ۲۳۴)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین رات کی مسافت (کے سفر) میں نماز قصر کی جائے۔

(۹) عن سالم بن عبد الله عن ابيه انه ركب الى ريم فقصر الصلوة في مسيرة ذالك قال يحيى قال مالك وذاك نحو من اربعة برد۔

(مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ریم تک سفر کیا تو اپنے اس سفر کے دوران نماز میں قصر کیا۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ریم کا مدینہ طیبہ سے تقریباً ۴۰ برد کے برابر فاصلہ ہے۔

(۱۰) عن سالم بن عبد الله ان عبد الله بن عمر ركب الى ذات النصب فقصر الصلوة في مسيرة ذالك قال يحيى قال مالك وبين ذات النصب والمدينة اربعة برد۔ (مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذات النصب تک سفر کیا تو اپنے اس سفر کے دوران نماز میں قصر کیا، یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ

مدینہ طیبہ اور ذات نصب کے درمیان ۴۰ برید کا فاصلہ ہے۔

(۱۱) عن سالمہ ان ابن عمر خرج الى ارض له بذات النصب فقصر  
وهي ستة عشر فرسخاً۔ (مسند ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۳۴)

(ترجمہ) حضرت سالم رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اس زمین کی طرف سفر کے لیے نکلے جو ذات نصب میں تھی تو آپ نے قصر کیا، مدینہ طیبہ سے اس کا فاصلہ سولہ فرسخ ہے۔

(۱۲) عن عطاء بن ابی رباح ان ابن عمر و ابن عباس كانا يصليان  
ركعتين ويفطران في اربعة برد فما فوق ذلك۔ (تتقی ج ۳ ص ۱۳۷)  
(ترجمہ) حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دو رکعت پڑھتے تھے (قصر کرتے تھے) اور روزہ افطار کرتے تھے چار یا اس سے زیادہ برید پر۔

(۱۳) وكان ابن عمر و ابن عباس يقصران ويفطران في اربعة برد و  
هو ستة عشر فرسخاً۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷)

(ترجمہ) (حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نماز میں قصر کرتے تھے اور روزہ افطار کرتے تھے ۴۰ برید پر جو ۱۶ فرسخ کے ہوتے ہیں۔

(۱۴) عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس اقصر الى عرفة  
فقال لا قلت اقصر الى مرقال لا قلت اقصر الى الطائف والى  
عسفان قال نعم وذاك ثمانية واربعون ميلاً وعقد بيده۔

(مسند ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۳۵ و مسند امام شافعی ج ۱ ص ۱۸۵)

(ترجمہ) حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں عرفہ کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا کہ مرقا کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا طائف اور عسفان کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا ہاں، ان کی

مسافت از تالیس میل ہے ہاتھ سے گرہ لگا کر شمار کر کے (دکھایا۔

(۱۵) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ یا اهل مکة لا تقصر

والصلوة فی ادنی من اربعة برد من مکة الی عسفان۔

(معجم طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۷) (دار الفکر بیروت) (مسافر اللہ تقصر)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا اے اہل مکہ تم چار برید سے کم کے سفر میں قصر نہ کیا کرو چار

برید مکہ مکرمہ سے عسفان تک ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسافر کے لیے

موزوں پر مسج کی مدت تین دن و تین رات مقرر فرمائی ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۱-۲ سے واضح ہے اور آپ

نے عورت کو محرم کے بغیر تین دن کے سفر سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳-۴ سے ظاہر ہے اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں تین دن و رات کو ضرور دخل ہے اور مسافر کہلانے کا مستحق وہی ہے جو تین دن

ورات کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے گھر سے چلے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے صاحبزادے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور جلیل القدر حضرت سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ کے اقوال سے اس کی

صراحت بھی ہوگئی اور معلوم ہوا کہ نماز میں قصر کے لیے مسافت سفر تین دن و رات کا سفر ہے جیسا کہ

حدیث نمبر ۶-۷-۸ سے ظاہر ہے مگر جس زمانہ میں قافلے پیادہ یا اونٹوں وغیرہ پر چلا کرتے تھے۔ اس

زمانہ میں اس مسافت کا اندازہ لگانا آسان تھا موٹر ریل اور ہوائی جہاز کے اس دور میں تین دن کی پیدل

مسافت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے شاید آئندہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کا زمانہ آئے، لہذا احکام

شرح میں سہولت کے پیش نظر اب میلوں کی تعیین ضروری ہے، چنانچہ محققین علماء احناف نے ۴۸ میل

مسافت قصر قرار دیا ہے جیسا کہ یہ ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور ایک روایت کے

مطابق حضرت امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی مسلک ہے اور مندرجہ بالا احادیث و آثار بھی اس کے مؤید

ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے مسافت سفر کی تحدید چار برد = ۱۶ فرسخ = ۴۸ میل ثابت ہو رہی ہے جیسا

کہ حدیث نمبر ۱۵ سے ظاہر ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

کے اقوال و اعمال سے بھی مسافت سفر کی تحدید چار برد = ۱۶ فرسخ = ۴۸ میل ہی ثابت ہو رہی ہے جیسا



کہ حدیث نمبر ۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴ سے واضح ہے، حضرت امام مالک حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ حضرت امام بخاری حضرت امام بیہقی رحمہم اللہ سب یہی نقل کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ اسی پر تھا کہ مسافت قصر اڑنا بیس میل ہے۔  
 رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

اس روایت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف تین میل کے سفر میں قصر فرما لیتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سفر تین میل سے زیادہ کا ہوتا تھا لیکن تین میل یا تین فرسخ ہی کے فاصلہ پر قصر پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔  
 جواب نمبر ۲:

اس روایت میں تین میل کا ذکر بھی ہے اور تین فرسخ کا بھی راوی کو شک ہے پھر علی التعمین تین فرسخ یا تین میل کیسے ثابت ہو سکتے ہیں۔  
 جو روایت سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہ ہے جو جواب اول میں ذکر ہوا۔

## اعتراض نمبر ۴۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ظہر و عصر کا افضل و اول وقت

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ أمني جبريل عند البيت مرتين فصلى بي الظهر حين زالت الشمس وكانت قدر الشراك وصلى بي العصر حين صار ظل كل شيء مثله.  
 (ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل نے دو مرتبہ مجھے امامت کرائی، ظہر سورج ڈھلنے کے وقت اور عصر ہر چیز کا سایہ برابر ہو جانے کے وقت پڑھائی۔

(ابوداؤد ۱۳ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیث صفحہ ۶۲ واللفظ بہ۔ رقم الحدیث ۳۹۲)

(ترمذی ۱۶ ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی مواقیث الصلاۃ عن النبی ﷺ صفحہ ۲۸۸۔ رقم الحدیث ۱۴۹)

## فقہ حنفی

واخر وقتہا (ای الظهر) عندابی حنیفة اذا صار ظل کل شیء مثلیہ  
... واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب المواقیت صفحہ: ۸۱)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ذیل ہو  
جائے اور عصر کا وقت اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۱۱)

جواب:

یہ کوئی نیا اعتراض نہیں اس سے پہلے بھی غیر مقلدین کرتے رہے اور احناف کی طرف سے  
اس کے مفصل اور مدلل جوابات بھی شائع ہوتے رہے۔ مولانا محمد حسین بنالوی (وکیل الہندیسٹ) نے  
بھی اپنے اشتہار میں یہ مسئلہ ذکر کیا تھا اور اس کا جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی  
نے اولہ کاملہ میں دیا تھا۔ ہم یہاں پر اس مسئلہ کو تو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں تاکہ حقیقت اچھی طرح  
واضح ہو جائے۔ کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق احادیث بہت مختلف ہیں احادیث نقل کرنے سے پہلے ہم  
ائمہ اربعہ کا اختلاف نقل کرتے ہیں بعد میں احادیث نقل کریں گے۔

## اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

ظہر کا اول وقت بالاتفاق زوال سے شروع ہوتا ہے اور استواء شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ  
ہوتا ہے وہ فی الزوال (اصلی سایہ) کہلاتا ہے اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہموار زمین میں کوئی  
سیدھی لکڑی یا کیل گاڑ دی جائے۔ زوال سے پہلے اس کا جو سایہ ہوگا وہ تدریجاً کھٹتا رہے گا پھر یا تو  
بالکل ختم ہو جائے گا یا کچھ باقی رہے گا۔ اس اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہی باقی ماندہ سایہ فی الزوال (اصلی  
سایہ ہے پھر وہ دوسری جانب بڑھنا شروع ہوگا، جوں ہی بڑھنا شروع ہو کچھ لینا چاہیے کہ زوال شمس ہو  
گیا، اور ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ اور ظہر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب سے شروع  
ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ  
صاحبین یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، جب ہر چیز کا  
سایہ فی الزوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے۔ اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند)

۱۔ خط استواء سے قرب و بعد کی وجہ سے فی زوال مختلف ہوتا ہے۔

کہتے ہیں اور اسکے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے دونوں وقتوں کے درمیان مشہور قول کے مطابق نہ تو کوئی حد فاصل ہے نہ وقت مشترک۔

اور امام اعظم سے اس سلسلہ میں چار روایتیں منقول ہیں۔

(۱) ظاہر روایت میں ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے، اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع

ہوتا ہے یہی مفتی بہ قول ہے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع (بدائع ج ۱ ص ۱۲۲) میں لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر روایت میں صراحۃً مذکور نہیں ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل کے بعد (یعنی تیسرے مثل سے) شروع ہوتا ہے، ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے اس کی تصریح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی ہے۔

(۲) امام اعظم کا دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو

اختیار کیا ہے اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور سید احمد دحلان شافعی نے خزائنہ المفتیین اور فتاویٰ ظہیریہ سے امام صاحب کا اس قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے۔ (فیض الباری) مگر ہماری کتابوں میں یہ رجوع ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس قول کو حسن بن زیاد و لؤلؤی کی روایت قرار دیا گیا ہے اور سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں اس کو بروایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا ہے، اور صاحب درمختار نے جو اس قول کو مفتی بہ کہا ہے۔ اس کو علامہ شامی نے رد کر دیا ہے۔

(۳) امام اعظم سے تیسری روایت یہ ہے کہ مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو

جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوسرا مثل نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا، یہ اسد بن عمرو کی روایت ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے۔

(۴) اور چوتھا قول عمدۃ القاری شرح بخاری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سے کچھ

پہلے ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۵)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں ذکر ہے کہ ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی

تھی اور عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی، اور دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی یعنی ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی، (لوقت العصر بالامس) اور عصر کی نماز دو مثل پر پڑھائی تھی۔

یہ روایت متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، ابو داؤد، ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت مروی ہے اس میں الوقت العصر بالامس کا لفظ ہے، یہ روایت ترمذی و نسائی میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے اور ابن راہویہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو مسعودؓ سے بھی روایت کی ہے نیز یہ روایت صحیحین میں بھی ہے مگر مجمل ہے یعنی اوقات صلوٰۃ کی اس میں تفصیل نہیں ہے، نیز اس روایت کو بزار رحمہ اللہ نے بھی اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت عمرو بن حزم سے روایت کیا ہے۔

### روایت کا مفاد

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور دونوں وقتوں کے درمیان نہ تو کوئی مہمل وقت ہے، نہ مشترک، اس روایت کو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے لیا ہے، البتہ امام مالک علیہ الرحمۃ مثل اول کے آخر میں مقیم کے لیے چار رکعت کے بقدر، اور مسافر کے لیے دو رکعت کے بقدر مشترک وقت مانتے ہیں۔ یعنی اس میں ظہر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، اور عصر کی نماز بھی کیونکہ حضرت جبریلؑ نے پہلے دن جس وقت عصر کی نماز پڑھائی تھیک اسی وقت میں دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی تھی علامہ درودیر کی شرح صغیر میں ہے۔

واشترکت الظهر والعصر فی اخر القامة بقدر اربع رکعات . فیکون  
اخروقت الظهر . واول وقت العصر

ظہر اور عصر شریک ہیں مثل اول کے آخر میں چار رکعت کے بقدر (شرح صاوی میں ہے کہ یہ حالت حضر میں ہے اور حالت سفر میں دو رکعت کے بقدر ہے) لہذا مثل اول کا آخر ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول (ابتدائی) وقت ہے۔

(ملئۃ المالک ج ۱ ص ۸۳)

مگر ابن حبیب مالکی اشتراک کے قائل نہیں ہیں، اور ابن العربی مالکی تو فرماتے ہیں کہ

تالله ما بینہما اشتراک ولقد ذلت فیہ اقدام العلماء

(حوالہ سابق)

(ترجمہ) خدا کی قسم دونوں وقتوں کے درمیان مشترک وقت نہیں ہے، اور واقعہ

یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء (مالکیہ) کے پیر پچسل گئے ہیں۔

اور جمہور بوقت العصر بالامس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ بات راوی نے تقارب زما میں کی وجہ سے کہی ہے ورنہ حقیقت میں پہلے دن جس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی، دوسرے دن اس سے ذرا پہلے ظہر کی نماز پوری کر دی تھی، دونوں دن دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں نہیں پڑھی تھیں، کیونکہ آیت کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتباً موقوتاً یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) سے یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے اشتراک نہیں ہے۔

### دوسری روایت

یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے نماز کے اوقات دریافت کئے، آپ ﷺ نے اس شخص کو ٹھہرایا، اور دو دن نماز پڑھا کر عملی طور پر اوقات نماز کی تعلیم دی، اس روایت میں ہے کہ پہلے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سفید اور بلند تھا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج آخروقت میں پہنچ گیا تھا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۲۳)

یہ روایت مسلم شریف میں حضرت بریدہ بن الحارث سے مروی ہے اور مسلم شریف ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، پھر ظہر کا وقت باقی رہتا ہے عصر کا وقت آنے تک، اور عصر کا وقت باقی رہتا ہے سورج کے زرد ہونے تک۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۲۳)

### روایت کا مفاد

اس روایت سے اوقات صلوٰۃ کی کوئی واضح حد بندی نہیں ہوتی البتہ اس میں یہ جملہ ہے کہ دوسرے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اس سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ شاید مثل ثانی میں پڑھائی ہو۔ کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ مثل اول کے ختم تک موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے جو الفاظ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں کہ ”ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے، اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے“ اس سے تو یہ بات صاف سمجھ میں آئی ہے کہ مثل ثانی بھی ظہر کا وقت ہے۔



## تیسری روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شتی فرمان ہے جو آپ نے اپنے گورنروں کے نام جاری کیا تھا اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ ہو جائے یہاں تک کہ وہ سایہ ایک مثل ہو جائے، اور عصری نماز پڑھو در آں حالیکہ سورج بلند، چمکدار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سواردو یا تین فرسخ کا سفر کر سکے۔  
(موطامالک ص ۱۳)

## روایت کا مفاد

یہ روایت بھی اس بات میں صریح نہیں ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، بظاہر روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مستحب اوقات کا بیان ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم اس وقت دیا ہے جب کہ سایہ ایک ہاتھ ہو جائے، حالانکہ ظہر کا وقت زوال ہی سے شروع ہو جاتا ہے، نیز عصر جس وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ لوگوں کو مستحب اوقات کی تعلیم دی ہے، حقیقی اوقات نہیں بتائے۔

## چوتھی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت پوچھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

انا اخبرك! صل الظهر اذا كان ظلك مثلك، والعصر اذا كان ظلك مثلياً الخ

یہ روایت موطامالک ص ۳ اور موطا محمد ص ۴۲ میں ہے، یہ دونوں کتابیں درحقیقت ایک ہی ہیں، یحییٰ بن یحییٰ حمودی کی روایت موطامالک کے نام سے مشہور ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت موطا محمد کے نام سے مشہور ہے۔

(ترجمہ) سن میں تجھے بتاتا ہوں! ظہر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے دو مثل ہو جائے۔

## روایت کا مفاد

یہ روایت صریح ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی باقی رہتا ہے کیونکہ جب ظہر کو ایک

مثل پر پڑھنے کا حکم دیا، اور عصر کو دو مثل پر تو اب مثل ثانی عصر کا وقت تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ ظہر ہی کا وقت ہو گا یہ اگرچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہے اس لیے اس کو لامحالہ حکما مرفوع ماننا ہو گا۔

### پانچویں روایت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ہے جو صحیحین میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو“ کچھ دیر بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو“ حتیٰ دینا فی الظل (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔ لہذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذان میں بھی ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ حتیٰ ساوی الظل التلؤل (یہاں تک کہ سایہ طول میں ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔)

### روایت کا مفاد

اس روایت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں ظہر کی نماز بالیقین مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے بھی آخر میں پڑھی ہے، کیونکہ ٹیلوں کے سایہ کا ظاہر ہونا بلکہ ٹیلوں کے سایہ کا طول میں ٹیلوں کے برابر ہونا مثل اول میں ممکن ہی نہیں ہے جس کو تردد و دوہوہ مشاہدہ کر کے اپنا شک دور کر سکتا ہے۔

### چھٹی روایت

بخاری شریف کی ہے، جو مشکوٰۃ شریف کے بالکل آخری باب باب ثواب هذه الامة کے بالکل شروع میں ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مدت عمر اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمر مثال سے سمجھائی ہے کہ

”ایک شخص نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط طے کر کے مزدور رکھے اور دوپہر میں ان

کو ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا، پھر دوپہر سے عصر تک کے لیے ایک ایک قیراط طے کرے دوسرے مزدور رکھے۔ عصر کے وقت ان کو بھی ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا۔ پھر عصر سے غروب آفتاب تک کے لیے اور مزدور رکھے اور ان کی اجرت دو دو قیراط طے کی، جب انہوں نے کام پورا کیا تو ان کو ان کی ذیل اجرت دی گئی.....

یہ مثال بیان کر کے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ مزدور ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے لہذا تمہیں ذیل مزدور ملے گی، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہارا کچھ حق مارا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تو میں اپنی مہربانی جس پر چاہوں کروں۔“

### روایت کا مفاد

اس روایت کے اشارہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے۔ کیونکہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مدت عمل کم ہے اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمل زیادہ ہے، یہود کی مدت عمل کا زیادہ ہونا تو بدیہی ہی، کیونکہ وہ صبح سے دوپہر تک ہے، اسی طرح نصاریٰ کی مدت عمل امت محمدیہ کی مدت عمل سے بدیہی طور پر زیادہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب عصر کا وقت مثل ثالث سے شروع ہوا اور مثل ثانی کے ختم تک ظہر کا وقت رہے، اگر ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک مانا جائے تو نصاریٰ اور امت محمدیہ دونوں کی مدت عمل میں کوئی واضح تفاوت نہیں رہتا۔ الغرض یہ روایت اگر عقل سلیم ہو تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے۔

امام اعظم کی مختلف روایات کے سلسلہ میں احناف کے مختلف نقطہ ہائے نظر

بحث کے شروع میں امام اعظم رحمہ اللہ کی چار روایتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثالث کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے..... یہ ظاہر روایت ہے۔

(۲) ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثانی کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے..... یہ ظاہر روایت ہے۔

ہوتا ہے..... یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

(۳) مثل ثانی پورا مہمل وقت ہے۔

(۴) مثل ثانی کے آخر میں تھوڑا وقت مہمل ہے.....

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ان مختلف روایتوں کے سلسلہ میں احناف کے تین نقطہ نظر ہیں۔

### پہلا نقطہ نظر

یہ ہے کہ یہ تمام روایات باہم متعارض ہیں، لہذا غور کر کے آخری روایت متعین کی جائے، اور مقدم روایات کو منسوخ قرار دیا جائے، صاحب خزائنہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب فتاویٰ ظہیریتہ نے یہی صورت اختیار کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوسرے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع کرنا نقل کیا ہے، اور اس کو آخری قول قرار دیا ہے..... مگر کتب مذہب میں یہ رجوع معروف نہیں ہے، اس لیے عام طور پر یہ نقطہ نظر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

### دوسرا نقطہ نظر

یہ ہے کہ موافقت جمہور یا قوت دلیل کی بناء پر کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب درمختار نے موافقت جمہور کے پیش نظر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے، اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے..... اور شارح منیۃ علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ، اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ، اور مفتیان دارالعلوم دیوبند نے وقت دلیل کی بناء پر پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جو ظاہر روایت ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صاحب درمختار پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

”صاحب درمختار نے جو فرمایا ہے کہ ”امام اعظم کی دوسری روایت اظہر ہے۔

حدیث جبرائیل کی وجہ سے اور حدیث جبرائیل اس مسئلہ میں نص ہے“ یہ فرمانا

صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے کافی دلائل موجود ہیں۔ اور امام

اعظم کی دلیل کی کمزوری ظاہر نہیں ہوئی ہے، بلکہ امام صاحب کے دلائل قوی ہیں

جیسا کہ مطلوبات اور شرح منیہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے، اور

علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ امام صاحب کا

قول چھوڑ کر صاحبین کا قول، یا ان میں سے کسی ایک کا قول کی ضرورت ہی کی وجہ سے اختیار کیا جاسکتا ہے، مثلاً امام صاحب کی دلیل کمزور ہو یا تعامل امام صاحب کے قول کے خلاف ہو، جیسے مزارعت کا مسئلہ محض مشائخ کے یہ کہہ دینے سے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام صاحب کا قول نہیں چھوڑا جاسکتا۔

(نہج ج ۱ ص ۲۶۴)

### تیسرا نقطہ نظر

یہ ہے کہ امام صاحب کے اقوال میں تطبیق دی جائے، اور یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے اور عصر کا وقت مثل ثالث سے بالیقین شروع ہوتا ہے، مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے، لہذا احتیاط اس میں ہے کہ ایک مثل ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز نہ پڑھ سکے تو پھر مثل ثانی میں پڑھ لے، اس سے تاخیر نہ کرے۔ اس کو ادا کہا جائے گا، قضا نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر کسی مجبوری میں جیسا کہ حاجوں کو حرمین شریفینہ میں یہ مجبوری پیش آتی ہے کوئی شخص مثل ثانی میں عصری نماز پڑھ لے تو اسکو بھی صحیح کہا جائے گا یعنی ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے شریعت کا منشاء یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہیے اور یہ فصل عام حالات میں کم از کم ایک مثل کے بقدر ہونا چاہیے، اور مخصوص حالات میں اس سے کم بھی ہو سکتا ہے اور وقت مبہل سے امام صاحب کی مراد یہی عملی اہمال ہے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان فصل کرنا۔

حضرت قدس سرہ کا نقطہ نظر غالباً یہی ہے، چنانچہ ایضاح الادلۃ میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ ”وقت مابین المثلین (یعنی مثل ثانی) کو بوجہ تعارض روایات نہ بالیقین وقت ظہر میں داخل کر سکتا ہیں، نہ وقت عصر میں یا یوں کہیے کہ ایک وجہ سے ظہر میں داخل ہے تو دوسرے طور سے عصر میں تو اب بوجہ احتیاط حضرت امام صاحب نے ظاہر الروایت میں وقت مذکور (مثال ثانی) وقت عصر میں شامل کر دیا، تاکہ کوئی صلوٰۃ عصر وقت مذکورہ (مثل ثانی) میں ادا کر کے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کے احتمال میں نہ پڑ جائے، اور وقت یقینی کو ترک کر کے وقت محتمل میں صلوٰۃ عصر کو ادا نہ کرے۔

رہی صلوٰۃ ظہر، اس کا وقت یقینی گواہ ایک مثل تک ہے، لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ



سے کسی کو صلوٰۃ مذکور (ظہر کی نماز) وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہیے کہ مابین المثلین (مثل ثانی) ہی میں اس کو ادا کر لے، کیونکہ یہ وقت گو وقت محتمل ہے تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے، یہاں احتمال اداتو ہے اور اوقات میں تو یہ بھی نہیں بلکہ بالیقین قضاء محض ہے۔

بالجملہ مطلب ظاہر الروایت یہ ہے کہ وقت مابین المثلین کا بوجہ معروضہ (مذکورہ وجہ کی بناء پر) وقت ظہر میں شمار کرنا مناسب ہے، کیونکہ وقت عصر میں داخل کرنے سے اداء صلوٰۃ قبل الوقت کا احتمال باقی ہے..... یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور (مثل ثانی) بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے اور جیسا بقاء ظہر مثل تک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تک وقت ظہر باقی رہتا ہے، بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تک ہے، اور ابتداء عصر بالیقین مثلین سے ہوتا ہے، اور درمیان کا وقت بوجہ روایات مختلفہ دونوں امر کا محتمل ہے۔

(ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۶ فخریہ)

حضرت قدس سرہ نے یہ نقطہ نظر دو وجہ سے اپنایا ہے، ایک اس وجہ سے کہ مثلین تک وقت ظہر کے باقی رہنے کی کوئی صریح روایت نہیں ہے، اس لئے احتمال ہے کہ مثل ثانی عصر کا وقت ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امامت جبریل والی حدیث کی تاریخ معلوم ہے وہ اس وقت کی روایت ہے جب پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں یعنی اسلام کے بالکل دور اول کی روایت ہے اور باقی تمام روایتیں مابعد کی ہیں اس لیے احتمال ہے کہ مثل اور مثلین کے معاملہ میں نسخ ہوا ہو، یعنی عصر کا وقت کٹ کر مثلین سے کر دیا گیا ہو اور ظہر کا وقت بڑھا کہ مثلین تک کر دیا ہو، لہذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں؟ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تاکہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائے گی تو آخری تین روایتوں کی بناء پر کھنکار ہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔

رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی ہے تب تو وہ بالیقین ادا ہو گئی، اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی ہے تب بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ کیونکہ امامت جبریل والی حدیث کے پیش نظر اگر ظہر کی نماز ادا نہ ہوگی تو قضاء ہو جائے گی۔ اور قضاء سے بھی ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

الغرض جمہور نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی براختیاط نہیں، اور ثانیاً ان کے مذہب کے مطابق آخری تین روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا

ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

فجزاۃ اللہ تعالیٰ خیرؓ واثابہ بما ہواہلہ (امین)

جمہور کے پاس بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے

جمہور کا استدلال یعنی امامت جبرئیل والی حدیث قطعی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے، اور یہ احتمال بے دلیل نہیں ہے بلکہ آخری تین روایتوں کی بناء پر یہ احتمال پیدا ہوا ہے، دلیل کے قطعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے جس سے دائماً حضور اکرم ﷺ کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا اور ایسی تصریحات جمہور کے پاس نہیں ہے۔

## احناف کے دلائل

پہلی حدیث:

عن عبد اللہ بن رافع مولیٰ ام سلمۃ زوج النبی ﷺ انہ سأل ابا ہریرۃ عن وقت الصلوۃ فقال ابو ہریرۃ انا اخبرک صل الظهر اذا کان ظلمک مثلک والعصر اذا کان مثلیک

(ترجمہ) عبد اللہ بن رافع جو آنحضرت ﷺ کی بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مولیٰ ہیں انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کا وقت پوچھا کہا ابو ہریرہ نے میں بتاؤں تجھ کو نماز پڑھ ظہر کی جب سایہ تیرا تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی جب سایہ تیرا تجھ سے دو ٹا ہو۔ (مولانا امام مالک مترجم علامہ وحید الزمان غیر مقلد ص ۲۰-۲۱)

دوسری حدیث:

عبد اللہ بن رافع مولیٰ ام سلمۃ زوج النبی ﷺ عن ابی ہریرۃ انہ سألہ عن وقت الصلوۃ فقال ابو ہریرۃ انا اخبرک صل الظهر اذا کان ظلمک مثلک والعصر اذا کان ظلمک مثلیک۔

(ترجمہ) عبد اللہ بن رافع جو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے

بارے میں دریافت کیا۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ظہر کی نماز ادا کرو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے اور نماز عصر جب تمہارا سایہ تم سے دو گنا ہو جائے۔ (موطا امام محمد مترجم ص ۲۷)

تیسری حدیث:

عن ام سلمة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجیلاً للظہر منکم وانتم اشد تعجیلاً للعصر منه (ترمذی ص ۵۱ سند احمد ج ۶ ص ۲۸۹)  
(ترجمہ) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی پڑھتے ہو۔

چوتھی حدیث:

رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأمرهم بتلخیر العصر۔ (بیہقی ج ۱ ص ۳۳۲ وحاشا الجوہر النقی ج ۱ ص ۴۴۱)  
(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حکم دیتے تھے وہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں۔

پانچویں حدیث:

عن الاعمش قال کان اصحاب عبد اللہ بن مسعود یعجلون الظہر ویؤخرون العصر۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۴۰)  
(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور شاگرد ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

چھٹی حدیث:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انه کان یؤخر العصر حتی اقول قد اصفرت الشمس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۷)  
(ترجمہ) سوار بن شیبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عصر کو اتنا مؤخر

کر کے پڑھتے تھے کہ میں یہ خیال کرتا تھا شاید سورج زرد ہو گیا ہے۔

ساتویں حدیث:

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ قال قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ  
فکان یؤخر العصر ما دامت الشمس بیضاء نقیۃ

(ابوداؤد ج ۱ ص ۵۹، ابن ماجہ ص ۴۸)

(ترجمہ) علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے جب تک سورج سفید اور صاف ہوتا ہے (زرد ہونے سے پہلے)۔

آٹھویں حدیث:

عن ابراہیم قال کان من قبلکم اشد تعجیلا للظہر واشد تأخیرا  
للعصر منکم۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۴۰)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تم سے پہلے لوگ ظہر کی نماز کو تمہاری بہ نسبت جلدی پڑھتے اور عصر کی نماز کو تم سے زیادہ مؤخر کرتے تھے۔

یہی وہ حدیث جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن الحارث ضعیف ہے۔

(۱)

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۵۴)

راشدی صاحب نے حدیث مکمل نقل نہیں کی اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

(۲)

ثم التفت الی فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت  
ما بین ہذین الوقتین

(ترجمہ) پھر میری طرف متوجہ ہوئے (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اور کہا

اے محمد یہی وقت ہے تجھ سے پہلے اور پیغمبروں کا اور نماز کا وقت ان دونوں

وقتوں کے درمیان میں ہے۔

راشدی صاحب نے یہ سارے الفاظ چھوڑ دیئے۔

اس حدیث میں مرتبین کے الفاظ موجود ہیں جس کا ترجمہ راشدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ جبرائیل

(۳)

نے دوسرے مجھے امانت کرائی۔ مگر حدیث سے صرف ایک دن کا ذکر نقل کر دیا دوسری دن کا ذکر نقل نہیں کیا دوسرے دن کا ٹائم بھی بتانا چاہئے تھا مگر وہ ان کے مسک کے خلاف تھا اس لیے نہیں بتایا دوسرے دن جو جبرائیل نے نماز پڑھائی اس میں عصر کی نماز کے متعلق آتا ہے۔ وصلیٰ بی العصر حین کان ظلہ مثلیہ اور نماز پڑھی عصر کی جب سایہ ہر چیز کا ڈبل ہوا۔

لہذا یہ روایت احناف کے خلاف نہیں اور راشدی صاحب کے بھی کام کی نہیں۔

### اعتراض نمبر (۷۳)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: بچگی کے پیشاب کو دھویا جانے کا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جانے گئے۔

#### حدیث نبوی ﷺ

عن لبابة بنت الحارث انه رضی اللہ عنہا قال انما يغسل من بول الانثى ويمنضح من بول الذکر۔

(ترجمہ) سیدنا لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچگی کے پیشاب کے وجہ سے کپڑے کو دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب کی وجہ سے کپڑے پر چھینٹے مار لینا کافی ہے۔

(ابوداؤد ج ۱ کتاب الطہارۃ بول الصبی یصیب العوب صفحہ ۶۰ رقم الحدیث ۳۷۵)

(ابن ماجہ ج ۱ ابواب الطہارۃ دوسنہا باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم ص ۲۹ رقم الحدیث ۵۲۷)

#### فقہ حنفی

بول الصبی الذی لم یطعم۔

(ہدایہ ج ۱ صفحہ ۸۴ حاشیہ کتاب الطہارات باب الانجاس و تطہیرہا مطبوعہ مکتبہ شریعہ عنیہ)

وہ بچہ جو ابھی کھاتا نہیں ہے اگر اس کا پیشاب بھی لگ جائے تو دھونے کا حکم ہے۔ (فقہ حدیث ص ۱۱۲)

جہاں:

(۱) خلیفہ کا استدلال اول تو ان تمام احادیث سے ہے جن میں پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے یہ احادیث عام ہیں اور ان میں کسی خاص بول کی تخصیص نہیں۔



(۲) دوسرے امام صاحب کا مسلک خاص لڑکے کے پیشاب کے بارے میں بھی احادیث کے بالکل مطابق ہے کیونکہ روایات میں جہاں لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے کے الفاظ ملتے ہیں وہاں پانی بہانے اور پانی ڈالنے کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگو کر پیشاب والی جگہ کے اوپر بہا دیا۔  
(طحاوی ج ۱ ص ۷۴، فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۶ میں ابن حجر نے اس روایت کی سند صحیح قرار دیا ہے)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچے کو لایا گیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پیشاب پر پانی بہاؤ۔  
(طحاوی ج ۱ ص ۷۳، بخاری کتاب الوضوء ج ۱ ص ۳۵ باب حکم بول اغلام)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شیر خوار بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگا کر اس جگہ بہا دیا۔  
(مسلم باب حکم بول الطفل)، (بخاری باب بول الصبيان ج ۱ ص ۳۵)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ام کرز خزامیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بچہ لایا گیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہانے کا حکم دیا۔  
(الفتح الربانی علامہ سامانی کتاب الطہارت فصل فی بول غلام لجاریہ)

حدیث نمبر ۵:

ام قیس بنت محسن کی ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک کم سن بچے کو لے گئیں جو ابھی کھانے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا اس بچے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں

پیشاب کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے پانی مٹا کر اس کپڑے پر بہا دیا۔ البتہ اس کو زیادہ (یعنی بہت زیادہ رگھڑ کر) کوشش سے نہیں دھویا۔

(مسلم حکم بول الغزل) کشف التاریخ زوائد البراز ج ۱ ص ۱۳۰ تلخیص الحیج ج ۱ ص ۱۰۶

حیفہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ لڑکے کے پیشاب کا دھونا واجب ہے مگر بہت زیادہ مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ لڑکی کے پیشاب میں مبالغہ کی ضرورت ہے۔

حدیث نمبر ۶:

ام الفضل سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لڑکے کے پیشاب پر پانی بہا دیا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو (اچھی طرح) دھولیا جائے۔

(نماز کتاب الطہارت ج ۱ ص ۶۸ باب حکم بول الغلام)

اکثر روایات میں پانی بہانے کا ذکر ہے چھڑکنے اور بہانے میں فرق صاف ظاہر ہے کہ پانی بہا کر کپڑے کو ہلکا سا دھویا جاتا ہے جبکہ چھڑکنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ناظرین ہم نے حنفی مسلک کے دلائل بھی نقل کر دیئے جن سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں۔ حنفی مسلک کو حدیث کے خلاف کہنا بالکل غلط ہے۔ اب رہی ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینا تو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے جو تطبیق دی ہے وہ ہم نقل کرتے ہیں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ پانی چھڑکنے اور بہانے کی روایتیں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے کپڑے پر ہلکے سے چھینٹے مارے اور پھر اس پر پانی بہا دیا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۷)

ہمارے نزدیک راشدی صاحب کی نقل کردہ روایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔

## اعتراض نمبر ۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری میں سورہ وہر پڑھنا مسنون ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ یقرء فی الفجر یوم الجمعة بالحد

تنزیل السجدۃ فی الركعة الاولى وفي الثانية هل اتی علی الانسان.

(ترجمہ) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر نماز کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدة پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔

(بخاری ج ۱ کتاب الجمعة باب ما یقرء فی صلاة الفجر یوم الجمعة ص ۱۲۲، رقم الحدیث ۸۹۱)  
(مسلم ج ۱ ص ۲۸۸)

عن عبید اللہ ابن ابی رافع قال استخلف مروان ابی ہریرۃ علی المدینۃ وخرج الی مکة وصلى لنا ابو ہریرۃ الجمعة فقرا سورة الجمعة فی السجدة الاولى وفي الاخرة اذا جاء لك المنفقون فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بہما یوم الجمعة۔

(ترجمہ) عبید اللہ بن ابی رافع کہتے ہیں کہ مروان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کر کے مکہ کی طرف نکلا، پھر ابو ہریرہ نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورة الجمعة اور دوسری میں اذا جاءك المنافقون پڑھی پھر کہنے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جمعہ کے دن یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۸۸ رقم الحدیث ۸۹۱)

### فقہ حنفی

ویکروہ ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوات۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاة باب صفة الصلاة فصل فی القراءة صفحہ ۱۲۰)

کسی نماز کے لیے قرآن میں سے کوئی سورت مقرر کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ حدیث ص ۱۱۳)

جواب:

فقہ حنفی میں اس مسئلہ میں تفصیل ہے راشدی صاحب نے ہدایہ سے صرف لفظ مکروہ تو لکھ دیا اور اس کی وجہ نہیں لکھی۔ کب مکروہ ہوگا اور کس طرح مکروہ کا حکم لگے گا۔ اس مسئلہ میں جمعہ کے دن فجر کی نماز والی حدیث تو لکھ دی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری پوری سورة بقرہ آل عمران، نساء بھی تو نماز میں پڑھی ہے اس احادیث کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ اور جمعہ کی نماز۔ عید کی نماز، جمعہ کی رات کی مغرب کی نماز، اور

ہر نماز کی ہر رکعت میں ہمیشہ قُلْ ہوا اللہ احد پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ کیا ان احادیث پر غیر مقلدین کا عمل ہے ہم نے تو غیر مقلدین کی کسی مسجد میں کسی امام کو ہر رکعت میں ہمیشہ قُلْ ہوا اللہ احد پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ یہ حدیث بخاری کی ہے تو یہاں پر نبی کریم ﷺ کی مخالفت نظر نہیں آتی۔ ہدایہ میں مکروہ کی وجہ بھی لکھی تھی جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کی ہم یہاں پر پہلے مسئلہ کی تفصیل لکھتے ہیں بعد میں ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کریں گے جس سے مسئلہ خود بہ خود صاف ہو جائے گا۔

### ہدایہ کی عبارت کا صحیح مفہوم

مفتی عبدالحلیم قاسمی لکھتے ہیں:

مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی نماز کے لیے قرآن کریم کے کسی خاص حصے کا پڑھنا لازم اور ضروری نہیں ہے کہ اگر اس نماز میں اس حصے کو نہ پڑھا جائے گا تو نماز ہی درست نہیں ہوگی۔ کیوں کہ قرأت قرآن کے سلسلے میں جو آیت ہے یعنی فاقرؤا ما تسمیٰ من القرآن۔ وہ مطلق ہے اور المطلق بجز علیٰ اطلاقیہ کے پیش نظر پورے قرآن میں سے کہیں سے بھی قرأت کرنے سے نماز ہو جائے گی۔ لہذا قرآن کے کسی بھی حصے کو خاص کر نادرست نہیں ہے۔

اسی طرح کسی نماز کے لیے کسی سورت کو مثلاً مغرب کی نماز کے لیے معوذتین (یعنی فلق اور والناس) کو متعین کر کے پڑھنا (یعنی ان کے علاوہ دوسری سورۃ پڑھنا ہی نہیں) بھی مکروہ ہے کیوں کہ اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں (۱) اس کے علاوہ باقی قرآن کا ترک (۲) یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس حصے کا پڑھنا افضل ہے اور بقیہ کا پڑھنا افضل نہیں ہے۔ جب کہ جواز صلاۃ کے لیے پورا قرآن پڑھنا یکساں ہے اور نماز میں تو کسی بھی حصے کو دوسرے پر فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔ (احسن الہدایہ جلد ۲، ص ۹۵ و ص ۹۶)

### ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

ولیس فی شیء من الصلوات قراءۃ سورۃ بعینہا لایجوز غیرہا  
لاطلاق ماتلوناً ویکرہ ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من  
الصلوات لما فیہ من ہجر الباقی وایہام التفصیل

(ترجمہ) اور نہیں ہے کسی نماز میں کوئی معین سورت پڑھنا کہ اس کے علاوہ جائز نہ ہو، بدلیل مطلق ہونے اس آیت کے جو ہم نے تلاوت کی، اور مکروہ ہے یہ کہ مقرر کر لے قرآن کا کوئی حصہ کسی نماز کے لیے یونہی اس میں باقی قرآن کا چھوڑنا اور مقرر کردہ کو فضیلت دینے کا وہم لازم آتا ہے۔

تشریح: قولہ ولیس بشی الخ یہاں دو مسئلے ہیں جن میں سے ایک ”ولیس فی شیء من الصلوات اھ“ ہے اور بظاہر ان دونوں کا مفاد حکم گو ایک ہی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ دونوں وضع اور بیاناً برود اعتبار سے متغایر ہیں، وضعاً تو اس لیے کہ پہلا مسئلہ مسائل قدوری میں سے ہے اور دوسرا مسئلہ مسائل جامع صغیر میں سے ہے، اور صاحب ہدایہ نے اس کا التزام کیا ہے کہ جب روایتیں مختلف ہوں تو دونوں کو ذکر کرتے ہیں، اور بیاناً اس لیے کہ پہلے مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی نماز میں ادائیگی قرات کے لیے کوئی سورت معین ہو کر فرض نہیں کہ اس سورت کے علاوہ کوئی دوسری سورت جائز نہ ہو۔ اس میں امام شافعی کے مذہب سے احتراز ہے کہ وہ جواز صلوٰۃ کے لیے قرات فاتحہ کو معین کرتے ہیں، اور دوسرے مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا قرآن کی کسی سورت (مثلاً اہم سجدہ اور ہل اتی علی الانسان وغیرہ) کو کسی نماز کے لیے اس طرح مقرر کرنا کہ اس میں وہی سورت پڑھنا واجب ہے۔ مکروہ ہے۔ (عنایہ)

پھر اس مسئلہ کے حکم اور اس کی علت کے بارے میں فقہاء کی عبارتیں اور اس کی تحقیق میں ان کے اقوال متناقض ہیں اس لئے یہاں اس کی تفصیل ضروری ہے، سو جاننا چاہئے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں لکھا ہے ”یکرہ ان یوقت الرجل شیئاً من القرآن لشیء من الصلوٰۃ“ کہ نمازی کا قرآن کے کسی حصہ کو کسی نماز کے لیے مقرر کر لینا۔ مکروہ ہے، اب اس کی علت کیا ہے؟

صدر شہید نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے۔ ”لان فیہ ہجر الباقی“ کہ اس میں باقی قرآن کا بجز (چھوڑنا) لازم آتا ہے اور یہ مکروہ ہے بقولہ تعالیٰ: ”وقال الوصول یا رب ان قوچی اتخذوا هذا القول من صہجوا“ یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دہرا تب پیغمبر علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں شکایت کی کہ خداوند امیری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان اور قابل قدر کتاب کو بالکل مجبور و متروک کر چھوڑا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس علت کے



ساتھ ”وايها الم تفصيل“ بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں ایہام تفصیل بھی ہے یعنی یہ وہم ہوتا ہے کہ فضیلت اسی سورت کو حاصل ہے دوسری کو نہیں، حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔

صاحب نہایہ نے امام طحاوی اور اسمعیلی کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

هذا الذي ذكرنا اذ اردنا حتما واجبا لا يجوز غيرهما اور اى القراءة بغيرها  
مكروهة اما لو قرأها في تلك الصلوة تبركا بقراءة رسول الله ﷺ او تأسيابه  
اولا جل التيسير فلا كراهة في ذلك لكن يشترط ان يقرأ غيرها احيانا  
لئلا يظن الجاهل الغبي انه لا يجوز غير ذلك وغالب العوام على اعتقاد بطلان  
الصلوة بترك سورة الم تنزيل السجدة وما يحملهم على هذا الا التزام  
الشافعية قراءة سورة السجدة انتهى (ومثله في خز المفتين)

یعنی مذکورہ حکم اس وقت ہے جب اسی کا پڑھنا حتمی واجب سمجھے اس طرح کہ اس کے سوا جائز ہی نہیں یا یہ سمجھے کہ اس سورت کے سوا اور کچھ پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی سورت اس لیے مقرر کر لے کہ وہ اس پر آسان ہے یا آنحضرت ﷺ نے اس کو پڑھا ہے یا تبرک کے طور پر مقرر کر لیا تو کراہت نہ ہوگی بشرطیکہ کبھی کبھی اس کے علاوہ بھی پڑھ لے تاکہ عوام جاہلوں کو یہ گمان نہ جم جائے کہ اس نماز کے لیے اس سورت کی قراءت مقرر ہے، دوسری جائز نہیں، چنانچہ شافعیہ نے جو سورہ سجدہ کا نماز جمعہ و فجر میں بوجہ سنت کے التزام کیا ہے اس سے اکثر عوام میں یہ اعتقاد بیٹھ گیا کہ اس وقت میں یہی مخصوص ہے حتیٰ کہ اس کے بغیر جائز نہیں۔

ان عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ کراہت تعیین دوائی کی علت کے سلسلہ میں چار قول ہیں۔ اول یہ کہ تعیین کی صورت میں باقی قرآن کا جبر لازم آتا ہے دوم یہ کہ اس میں ایہام تفصیل ہے سوم یہ کہ جبر باقی اور ایہام تفصیل دونوں ہیں چہارم یہ کہ معین کردہ سورت کے علاوہ سے عدم جواز صلوة کا اعتقاد ہوتا ہے، اب اگر پہلی علت مانی جائے تو کسی نماز کے لیے کوئی سورت ہمیشہ کے لیے مقرر کرنا اس وقت مکروہ ہوگا جب کسی اور نماز میں بھی اس سورت کے علاوہ نہ پڑھے، اس لیے کہ اگر کسی خاص نماز کے لیے کوئی سورت معین کرے اور اس نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں دیگر سورتیں پڑھے تو اس صورت میں باقی قرآن کا جبر لازم نہیں آتا، اور اگر دوسری علت مانی جائے تو مداومت علی الاطلاق مکروہ ہوگی دیگر سورت پڑھے یا نہ پڑھے اور تیسری علت اگر مجموع من حیث المجموع معتبر ہو تو اس کا حال اول کا

سا ہوگا اور اگر ان میں سے ہر ایک مستقلاً معتبر ہو تو یہ علت ثانی کی طرح ہوگی اور چوتھی علت پر مداومت اس وقت مکروہ ہوگی جب مقرر کردہ سورت کے علاوہ سے عدم جواز صلوٰۃ کا اعتقاد ہو۔

اسی اختلاف کی طرح ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ ہر جمعہ کے روز نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دہر کی مداومت مکروہ ہے یا نہیں؟ سو جو لوگ تعلیل رابع کے قائل ہیں ان کے یہاں مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اعتقاد مذکور سے خالی ہو، اور جو لوگ تعلیل اول کے قائل ہیں وہ بھی مکروہ نہیں کہتے جبکہ دیگر نمازوں میں دیگر سورتیں پڑھنا ہو، لیکن جو لوگ تعلیل ثانی اور تعلیل ثالث کے قائل ہیں ان دونوں فرقوں کے نزدیک مداومت مذکورہ علی الاطلاق مکروہ ہے، اسی اختلاف پر یہ بات متفرع ہوتی ہے کہ مسئلہ مذکورہ ہمارے اور شوافع کے درمیان اختلافی ہے یا اتفاقی؟ ساقول رابع پر تو مسئلہ اتفاقی قرار پاتا ہے اور باقی اقوال پر اختلافی ہوتا ہے وریبی مشہور بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے اور شوافع کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور مسئلہ کی اصل علت یہ ہے کہ اس میں شارع کی تعیین کے بغیر اپنی طرف سے ایک چیز کو معین کرنا لازم آتا ہے جو بالیقین مکروہ ہے۔ (فتاویٰ السعادی ج ۳ ص ۲۱۶-۲۱۷)

## اعتراض نمبر ۷۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** سورۃ حج دو سجدوں پر مشتمل ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن عقبۃ بن عامر قال قلت یا رسول اللہ ﷺ فی سورۃ الحج

سجدتان قال نعم ومن لم یسجدھما فلا یقرأھما۔

(ترجمہ) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا کہ اے اللہ

کے رسول ﷺ سورۃ حج میں دو سجدے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ جو یہ دونوں سجدے

نہیں کرتا وہ یہ نہ پڑھے۔

(ابوداؤد ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب کسجدۃ فی القرآن ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۱۲۰۲)

### فقہ حنفی

سجود التلاوة فی القرآن اربعۃ عشر فی اخر الاعراف و فی الرعد

## والنحل وبنی اسرائیل و مریم والا ولی من الحج۔

(ہدایہ اولین کتاب الصلاة باب سجدة التلاوة ص: ۱۶۳)

قرآن میں سجدہ تلاوت چودہ ہیں، سورہ اعراف میں اور رعد میں، اور نحل، بنی اسرائیل، مریم میں اور سورہ حج کا پہلا سجدہ۔ (یعنی سورہ حج میں صرف ایک سجدہ ہے) (فقہ وحدیث ص: ۱۱۴)

### جواب:

سجدہ تلاوت کے متعلق روایات مختلف ہیں اس لیے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا سجدہ تلاوت کتنے ہیں۔ اور کہاں کہاں ہیں قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کی روشنی میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کل سجدے چودہ ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

- (۱) سورہ اعراف آیت نمبر ۲۰۶
- (۲) سورہ الرعد آیت نمبر ۱۵
- (۳) سورہ النحل آیت نمبر ۵۰
- (۴) سورہ الاسراء آیت نمبر ۱۰۹
- (۵) سورہ مریم آیت نمبر ۵۸
- (۶) سورہ حج کا پہلا سجدہ آیت نمبر ۱۸
- (۷) سورہ الفرقان آیت نمبر ۶۰
- (۸) سورہ النمل آیت نمبر ۲۶
- (۹) سورہ السجدہ آیت نمبر ۱۵
- (۱۰) سورہ ص آیت نمبر ۲۴
- (۱۱) سورہ حم السجدہ آیت نمبر ۳۸
- (۱۲) سورہ النجم آیت نمبر ۶۲
- (۱۳) سورہ الانشقاق آیت نمبر ۲۱
- (۱۴) سورہ العلق آیت نمبر ۱۹

حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں قرآن کریم کے سجدات کو ان سورتوں میں شمار کرتے تھے سورۃ اعراف، رعد، نحل، بنی اسرائیل (یعنی الاسراء) مریحہ (والحج اولہا) حج میں پہلا سجدہ فرقان، طس (یعنی النمل) الم تنزیل (یعنی السجدہ) ص، حم السجدہ۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۳۵)

اس حدیث سے ۱۱ مقام پر سجدہ ثابت ہوا۔

نمبر ۱۲ سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت

حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم تلاوت کی اور سجدہ ادا کیا اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۶، مسلم ج ۱ ص ۲۱۵، بخاری ج ۱ ص ۲۰۷)

اس حدیث سے سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت ہوا (اور سجدوں کے تعداد ۱۲ ہو گئی۔)

نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ یعنی سورۃ الانشقاق اور سورۃ اقرآء میں سجدے کا ثبوت۔

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اذا السماء انشقت (اور سورۃ اقرآء میں سجدہ تلاوت ادا کیا)

(مسلم ج ۱ ص ۲۱۵)

حاضرین ہم نے چورہ سجدے دلائل سے ثابت کر دیے ہیں۔

اب خاص یہ بات ثابت کرنی ہے کہ سورۃ حج میں سجدہ ایک ہے۔

حدیث نمبر ۱:

ہم نے اوپر جو حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اس میں صراحت موجود ہے کہ یہ دونوں حضرات سورۃ حج میں پہلے سجدہ ہی مانتے تھے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سورۃ حج میں ایک ہی سجدہ

ہے اور وہ پہلا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲)  
حدیث نمبر ۳:

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ سورۃ حج میں پہلا سجدہ تلاوت مؤکدہ ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم ہے یعنی اس میں نماز کے سجدہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۱۳ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۴۲) مر

حدیث نمبر ۴:

امام محمد فرماتے ہیں:

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ حج میں صرف پہلا سجدہ کرتے تھے اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔  
(موطا امام محمد باب سجود القرآن)

حدیث نمبر ۵ تا ۸:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ، جابر بن یزید رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات منقول ہے کہ سورۃ حج میں صرف پہلا سجدہ ہی ہے (دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲) یہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں۔

لیس اسنادہ بالقوی کہا ابویسی نے اس حدیث کی اسناد قوی نہیں۔

(ترمذی باب فی السجدۃ فی الحج)

## اعتراض نمبر ۵۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن زید بن ثابت قال قرأت علی رسول اللہ ﷺ والنجم فلم یسجد فیہ۔

(ترجمہ) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ نجم پڑھی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

بخاری ۱۱۶۱ ابواب ما جاء فی سجود القرآن۔ وستہا باب من قرأ سجدة ولو یسجد فیہ ص ۱۴۶ واللفظ لہ۔

رقم الحدیث ۱۰۵۲ (مسند ۱۰ کتاب المساجد باب سجود التلاوة ص ۲۱۵، رقم الحدیث ۱۲۹۸)



## فقہ حنفی

والسجدة واجبة في هذه المواضع على التالى والسامع قصد سماع القرآن اوله يقصد.

(ہدایہ اولین: کتاب الصلوٰۃ باب سجدة التلاوة صفحہ ۱۶۳)

(ترجمہ) صاحب ہدایۃ تجود کے مقامات کا (جن میں سورۃ نجم بھی آ جاتی ہے) ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان مقامات پر سجدہ کرنا واجب ہے، تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی۔ جس نے سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔  
(فقہ و حدیث ص ۱۱۵)

جواب:

یہاں پر دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔ دوسرے سورۃ نجم میں بھی سجدہ ہے۔

## فقہ حنفی کے دلائل

سجدہ کی آیات تین قسم کی ہیں پہلی قسم جن میں سجدہ کا امر ہے جیسا کہ واجدہ واقف ب (العلق) اور مطلق امر وجوب کے لیے ہے۔ دوسری قسم جن میں سجدہ سے کفار کا استنکاف ذکر ہے جیسا کہ واذا قرء علیہم القرآن لا یسجدون (النشراق) کفار کی مخالفت واجب ہے تیسری قسم جن میں انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کا ذکر ہے جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے اذا تصلی علیہم آیات الوحی خروا سجدا وبکیا (مریم) اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء لازم ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے ولولئیک الذلین ھدی اللہ فیہدھم اقتداء (الانعام آیت نمبر ۹۰)۔  
ترجمہ: وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بندہ آیت سجدہ تلاوت کرتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا بھاگتا ہے اور کہتا ہے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے انکار کیا تو میرے لیے دوزخ ہے۔  
(ابن ماجہ باب سجود القرآن - مسلم ج ۱ ص ۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم مامور باجود ہے اور مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

حدیث ۲:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے والنجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور جن اور انس نے سجدہ کیا۔

(بخاری باب سجدۃ النجم ص ۴۶۶ حدیث نمبر ۱۰۷۱ مسلم باب سجود التلاوة)

حدیث ۳:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی۔ پس آپ نے سجدہ کیا اور اس میں قوم کے ہر شخص نے سجدہ کیا۔ (بخاری باب سجدۃ النجم)

حدیث ۴:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ آیت سجدہ کو پڑھتے اور ہم آپ کے پاس ہوتے تھے آپ سجدہ کرتے تو ہم بھی سجدہ کرتے پھر ریش ہو جاتا حتیٰ کہ کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ ملتی جس پر وہ سجدہ کرتا۔ (بخاری باب ازدام الناس اذا قرأ الامام السجدۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدہ واجب ہے اور سننے والوں پر بھی واجب ہے اسی لیے تو سننے کے بعد تمام لوگ سجدہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سجدہ کے لیے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطل مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ لکھتے ہیں تمام شہروں کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جب تلاوت کرنے والا آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو جو اس کے پاس بیٹھا ہوا آیت سجدہ کو سن رہا ہو، اس پر واجب ہے کہ اس کے سجدہ کے ساتھ وہ بھی سجدہ کرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جو آیت سجدہ کو سنے اس پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے۔ (شرح ابن بطل ج ۳ ص ۵۹)

ناظرین ہم نے سجدہ کا واجب ہونا بھی ثابت کر دیا اور سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت بھی دے دیا۔ اس مسئلہ کو حدیث کے خلاف کہنا بالکل درست نہیں ہے۔ ربی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

اس روایت میں سورۃ النجم میں سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے مگر دوسری روایات میں جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ان میں النجم میں سجدہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔

دوسرا جواب :

سجدہ تلاوت فوراً ادا کرنا واجب نہیں بعد میں کرنا بھی جائز ہے اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے فوراً سجدہ نہیں کیا۔

تیسرا جواب :

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت زید بن ثابت نے اس وقت آیت سجدہ پڑھی ہو جس وقت میں سجدہ کرنا جائز نہ ہو اس لیے آپ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا۔

چوتھا جواب :

یہ بھی احتمال ہے کہ آپ اس وقت با وضو نہ ہوں۔

لہذا اگر یہ تطبیق دے دی جائے تو دونوں قسم کی روایات کا آپس میں جو ٹکراؤ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ محدثین نے اور بھی کئی جواب دیئے ہیں۔ بہر حال بات یہ ہے کہ حنفی مسلک کسی طرح بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

## اعتراض نمبر ۷۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں :

**مسئلہ :** دوران وضو ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

**حدیث نبوی ﷺ**

فمضض واستنشق من كف واحد۔

(ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ وضو کے

بارے میں مروی ہے کہ آپ نے کلی اور ناک میں پانی ایک ہی چلو سے ڈالا۔

(مشکوۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضوء الفصل الاول صفحہ ۳۵)

(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب من مضض واستنشق من غرفة واحدة ۱۷ صفحہ ۳۱ رقم الحدیث ۱۶۱)

## فقہ حنفی

و کیفیتہا ان یمضض ثلاثا. یاخذ لكل مرة ماء جدید ثم

(ہدایہ اولین کتاب الطہارۃ ص ۱۸)

یستنشق۔

(ترجمہ) تین بار کی کیا جائے ہر بار نیا پانی لیا جائے گا پھر اسی طرح ناک میں پانی ڈالا جائے گا۔  
(فقہ وحدیث ص ۱۱۶)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے اپنی مرضی کی ایک روایت نقل کر دی اور حنفی مسلک کی دلیل ذکر نہیں کی اور فقہ حنفی کو حدیث کے خلاف کہہ دیا۔ ہم یہاں پر فقہ حنفی کے دلائل نقل کرتے ہیں۔

### حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱۴:

عن ابی وائل شقیق بن سلمة قال شهدت علی ابن ابی طالب و عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما توضأ ثلاثاً ثلاثاً و افرد المضضۃ من الاستنشاق ثم قالوا کذا راينا رسول اللہ ﷺ توضأ رواہ ابن السکن فی صحاحہ۔  
(تائیس الجیر ص ۷۹ بلد نمبر ۱)

(ترجمہ) ابو وائل شقیق بن سلمہ نے کہا، میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا دونوں نے تین تین بار وضو کیا اور مضضہ کو استنشاق سے علیحدہ کیا، پھر کہا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں بیان کیا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

عن ابی حنیة قال رايت علیاً رضی اللہ عنہ توضأ فغسل کفیه حتی انقأهما ثم مضض ثلاثاً واستنشق ثلاثاً وغسل وجهه ثلاثاً و ذراعیہ ثلاثاً ومسح برأسه مرة ثم غسل قدمیه الی الکعبین ثم قام فَاخذ فضل طهوره فشر به وهو قائم ثم قال احببت ان اریکم کیف کان طهور رسول اللہ ﷺ۔

(ترمذی ابواب الطہارت باب فی وضوء النبی ﷺ کیف کان)

(ترجمہ) ابو حبیہ نے کہا، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا، پس اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں خوب صاف کیا، پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا، تین بار چہرہ دھویا، دونوں بازوؤں کو بھی تین بار دھویا اور ایک بار مسح کیا، پھر اپنے دونوں پاؤں منھوں سمیت دھوئے، پھر کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی لے کر اسے کھڑے کھڑے ہی پی لیا، پھر کہا ”میں نے بہتر سمجھا کہ تمہیں دکھاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا۔“

حدیث نمبر ۳:

وعن ابن ابی ملیکۃ قال رایث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سئل عن الوضوء فدعا بماء فأتی بمیضاة فاصغاهما علی یدہ الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتبضمض ثلاثا واستنثر ثلاثا وغسل وجہہ ثلاثا ثم غسل یدہ الیمنی ثلاثا وغسل یدہ الیسری ثلاثا ثم ادخل یدہ فاخذ ماء ا فمسح برأسه واذنیہ فغسل بطونہما و ظهورہما مرة واحدة ثم غسل رجلیہ ثم قال ابن اساکلون عن الوضوء هكذا رایث رسول اللہ ﷺ یتوضا

(ابوداؤد کتاب الطہارت ص ۱۵ ج ۱ باب منہ وضوء النبی ﷺ)

(ترجمہ) ابن ابی ملیکہ نے کہا، میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا ان سے وضو کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے پانی منگایا تو لوٹائیں کیا گیا۔ انہوں نے اسے اپنے دائیں ہاتھ پر ڈالا، پھر وہ ہاتھ پانی میں داخل کر کے تین بار کلی کی اور تین بار ناک جھاڑا اور تین بار اپنا چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ تین بار اور دایاں ہاتھ تین بار دھویا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا پانی لے کر اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا، دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کو ایک بار دھویا، پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور کہا وضو کے بارے میں پوچھنے والے کہاں گئے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔



حدیث نمبر ۴:

وعن راشد بن نجیح ابی محمد الحمائی قال رایت انس بن مالک بالزاویة فقلت له اخبرنی عن وضوء رسول اللہ ﷺ کیف کان فانہ بلغنی انک کنت توضئه قال نعم فدعا بوضوء فاتی بطست و قدح فوضع بین یدیه فاکفأ علی یدیه من الباء وانعم غسل کفیه ثم تمضض ثلاثا واستنشق ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا ثم اخرج یدہ الیہنی فغسلها ثلاثا ثم غسل الیسری ثلاثا ثم مسح براسه مرة واحدة غیر انه امرها علی اذنیہ قمسح علیہا. رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الہیثمی اسنادہ حسن (المجم الاوسط ج ۳ ص ۲۸۸ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۱)

(ترجمہ) راشد بن نجیح ابو محمد الحمائی نے کہا، میں نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو زاویہ میں دیکھا، تو ان سے کہا، مجھے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارہ میں بتائیے کہ وہ کس طرح تھا؟ تحقیق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ انہیں وضو کراتے تھے، انہوں نے کہا، ہاں تو انہوں نے پانی منگایا، ایک طشت اور پیالہ لایا گیا (جو کہ چھپلا گیا تھا جیسا کہ چھپلا گیا تھا) ایک نسخہ میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھویا، پھر تین بار کئی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، اور تین بار چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ ڈال کر اسے تین بار دھویا، پھر بائیں ہاتھ تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا، البتہ انہوں نے ہاتھ اپنے دونوں کانوں پر پھیرے اور ان کا مسح کیا۔

اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵:

طلحہ بن مصرف نے روایت کی اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ وضو کر رہے تھے اور آپ جدائی کرتے

تھے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں۔ (ابودود باب فی الفرق بین المصنعة والاستنطاق)  
ان پانچ احادیث سے حنفی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی  
صاحب نے نقل کی ہے ہمارے نزدیک وہ بیان جواز پر محمول ہے۔ سنت نہیں  
سنت طریقہ فقہ حنفی والا ہی ہے۔

## اعتراض نمبر ۵۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اونٹ میں (قربانی کے) دس حصے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

وفی البعیر عشرة.

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت

کرتے ہیں کہ اونٹ دس آدمیوں (کی طرف سے قربانی کے لیے) کافی ہے۔

(ترمذی ۱۱۷۱ ابواب الناضحی باب فی الاشتراک فی الناضحہ صفحہ: ۲۶۶، رقم الحدیث ۱۵۰۱) مشکوٰۃ باب

الناضحہ فصل الثانی صفحہ: ۲۸۰ انسان ۲۷ کتاب النضحیٰ باب ما تجزی عنہ البدنۃ فی النضحیٰ صفحہ: ۲۰۳، رقم

الحدیث ۴۳۹۵) (ابن ماجہ ۴۳۷۳ ابواب الناضحی باب عن کمر تجز: البدنۃ والبقرۃ ص ۲۲۶، رقم الحدیث ۳۱۳۱)

## فقہ حنفی

اوبدنة عن سبعة.

(ہدایہ اخیر بن ۲۷ کتاب الناضحہ صفحہ: ۲۴۳)

(ترجمہ) اونٹ کی قربانی صرف سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۷۷)

جواب:

اس مسئلہ میں روایتیں دونوں قسم کی ہیں راشدی صاحب نے اپنے مطلب کی روایت نقل کر

دی اور دوسری روایات کا ذکر نہ کیا اور فقہ حنفی کے مسئلے کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہم یہاں پر پہلے وہ

روایات نقل کرتے ہیں جن پر فقہ حنفی کا عمل ہے۔

## فقہ حنفی کے دلائل

### حدیث نمبر ۱:

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے گئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔ (مسلم باب جواز الاشتراک فی الہدی)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اونٹ میں سات آدمی شریک ہونے کا حکم دیا ہے اور راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے۔ اس میں حکم موجود نہیں ہے اب یہاں پر قول اور فعل کے درمیان تعارض آ گیا اور اصولیین کے نزدیک جب قولی اور فعلی حدیث کے درمیان تعارض آ جائے تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نوری شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ تعارض القول والفعل والصحيح حنیئ عند اصولیین ترجیہ القول۔ (نوری شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۳) جب قول اور فعل کا تعارض ہو تو اصولیین کے ہاں صحیح بات یہ ہے کہ ترجیح قول کو دی جاتی ہے۔

### حدیث نمبر ۲:

راشدی صاحب نے ترمذی کے جس باب سے اونٹ میں دس آدمی شریک ہونے والی حدیث نقل کی ہے اُسی میں اس حدیث کے فوراً بعد اونٹ میں سات آدمی شریک ہونے والی حدیث بھی موجود تھی جس کا ذکر انہوں نے نہیں کیا وہ یہ ہے۔

روایت ہے جابر سے کہا انہوں نے زبح کیا ہم نے قربانی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں ج ۱ ص ۵۶۵)

امام ترمذی کے طرز سے پتہ چلتا ہے کہ دس والی بات پہلے کی ہے اور سات والی بعد کی کیونکہ محدثین کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے زمانے کی حدیث پہلے ذکر کرتے ہیں اور ناخ بعد میں۔ اس اصول سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

### حدیث نمبر ۳:

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کو بخر کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے ہی گائے کی قربانی کی۔ (مسلم باب جواز الاشتراک فی الہدی)

حدیث نمبر ۴:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور سات سات آدمی ایک قربانی میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت جابر سے دریافت کیا کہ جس طرح قربانی کے اونٹ میں شریک ہو سکتے ہیں کیا اسی طرح بعد کے خریدے ہوئے اونٹ میں بھی شرکت جائز ہے۔ انہوں نے کہا پہلے سے اور بعد میں خریدے ہوئے دونوں اونٹوں کا حکم ایک ہے۔ حضرت جابر حدیبیہ میں موجود تھے حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے ستر اونٹ ذبح کیے اور ہر اونٹ میں سات آدمی شریک تھے۔ (مسلم شریف باب اشتراک فی الہدی)

ہم نے فقہ حنفی کے مسئلہ کو چار احادیث سے ثابت کر دیا ہے احادیث اور بھی ہیں مگر ماننے والے کے لیے یہ ہی کافی ہیں۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے پہلے نمبر پر وہ منسوخ ہے اور دوسرے اس کی سند بھی ضعیف ہے چنانچہ امام ترمذی اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حسن ہے غریب ہے نہیں پہنچاتے ہم اس کو مگر فضل بن موسیٰ کی روایت سے۔ (ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۵۶۵)

## اعتراض نمبر ۴۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** پورے گھرانہ کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کفایت کر جائے گی۔

## حدیث نبوی ﷺ

عن عطاء بن یسار قال سالت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عہد رسول اللہ ﷺ قال کان الرجل فی عہد النبی ﷺ یضحی بشاة عنہ وعن اهل بیته فیما کلون ویطعمون ثم تباهی الناس فصار کماتری۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں آدمی اپنے اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا۔

## فقہ حنفی

وینسخ عن کل واحد منهم شاة۔

(ہدایہ اخیرین ج ۲ کتاب الناحیۃ صفحہ: ۴۴۴)

(ترجمہ) ہر ایک کی طرف سے علیحدہ ایک بکری ذبح کی جائے گی۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۸)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سب کہ سب اپنے اپنے مال کے مالک ہوں اور ہمارے صاحب نصاب بھی ہوں اور عموماً ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً باپ پر قربانی واجب ہے اور اس کی بیوی کے پاس دونوں طرف کا زیور ہوتا ہے اور بعض ماں کے بچے امیر ہوتے ہیں وہ اپنی ماں کو الگ سے خرچہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے ماں خود بھی صاحب نصاب ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ماں پر الگ قربانی واجب ہوگی اور بیٹوں پر الگ بعض خاندانوں میں بیٹے اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے ہیں اور الگ کھاتے پیتے ہیں مگر رتبے ایک ہی گھر میں ہیں۔ اور خود صاحب نصاب بھی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان سب پر اپنی الگ الگ قربانی واجب ہوگی۔ بعض دفعہ بیٹی ماں باپ سے بھی زیادہ امیر ہوتی ہے مگر رہتی ہے باپ کے گھر میں ایسی صورت میں اس پر الگ سے قربانی واجب ہوگی۔

ہاں اگر خاندان کا سربراہ ایک ہو۔ سب کا مال و دولت ایک ہی آدمی کے ہاتھ میں ہو اور سب کا خزانہ اکٹھا ہو۔ بیوی اور بچے صاحب نصاب نہ ہوں تو ایسی صورت میں صرف گھر کے سربراہ پر صاحب مال ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوئی ہے وہ اپنی طرف سے ایک قربانی کرے گا۔ اور ایسے ایک قربانی و تمام اہل خانہ کی طرف سے قربانی کہہ سکتے ہیں۔

عقلی دلیل:

ہر مسلمان عاقل بالغ پر اسلام کے احکام الگ الگ عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) نماز۔ سب پر الگ الگ فرض ہے تمام گھر والے اپنی اپنی نماز پڑھیں گے۔

(۲) روزہ۔ بھی سب گھر والوں پر الگ الگ فرض ہے۔

(۳) زکوٰۃ۔ بھی سب گھر والے اپنی اپنی ادا کریں گے۔ اگر وہ سب مال دار ہیں اور صاحب



نصاب ہیں۔ اسی طرح صدقہ فطر بھی ہر ایک پر الگ الگ واجب ہوگا۔

(۴) حج بھی ہر ایک اپنی طرف سے الگ الگ کرے گا۔

ایسے ہی قربانی بھی ہر مال دار صاحب نصاب اپنی اپنی کرے گا چاہئے وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ بہت سے گھر اور خاندان ایسے ہیں کہ دادا پڑدادا بھی زندہ ہوتے ہیں اور ان کی اولادیں بھی اسی گھر میں رہتی ہیں تیا چاچا پھوپھی وغیرہ بھی دادا ہی کے مکان میں رہتے ہیں۔ وہ ایک ہی گھر کہلاتا ہے کیا ایسی صورت میں صرف ایک بکری قربانی کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائی گی جبکہ اس گھر میں اکثر صاحب نصاب ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

### فقہ حنفی کے دلائل

حنفی مہلک کے دلائل میں ایسے تمام دلائل شامل ہیں جن میں قربانی کی اہمیت اور فضیلت کا ذکر ہے۔ اور وہ ہر صاحب نصاب کے لیے ہیں جب تک کوئی ایسی وزنی دلیل ان کو چھوڑنے پر مجبور نہ کرے راشدی صاحب نے جو حدیث بقول کی ہے وہ اس درجہ کی نہیں ہم پہلے اپنے دلائل نقل کرتے ہیں بعد میں اس حدیث کا جواب عرض کریں گے۔

قرآن حکیم میں اس قربانی کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔ پارہ نمبر ۲۳، سورۃ الصفت آیات نمبر ۹۹ تا ۱۰۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ ہم یہاں پر صرف آیات کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

”اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ

کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا اے میرے رب مجھ کو ایک فرزند دے سو ہم

نے ان کو حلیم الحزج فرزند کی بشارت دی سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم

علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بر خوردار میں

خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (ب امر الہی) ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ

لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا

تامل) کیجئے ان شاء اللہ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔

غرض دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کر لیا۔ اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے

کے لیے) کروٹ پر لٹایا اور (چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں اس وقت) ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم علیہ السلام (شبابش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دیکھا یا (وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں حقیقت میں یہ تھا وہ بڑا امتحان اور ہم نے ایک بڑا بیجہ اس کے عوض دے دیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لیے رہنے دی۔“

دوسری آیت:

وَلِكُلِّ لَهْمَةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ آلِئِذْ كُوُوا اِیْمُ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقْنٰہُمْ مِنْ  
مَّہِیْمَةٍ الْاِنْعَامِ

(ترجمہ) اور (جتنے اہل شرا لے گزرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔

(پارہ نمبر ۷ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۳۴)

تیسری آیت:

قُلْ اِنْ صَلَاتِیْ وَنَمَاسِیْ وَمَہِیَاۤیِ وَعَمَآلِیْ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ  
لَہٗ وَبِذٰلِکَ اَمُوْتُ وَلَنَا اَوَّلُ الْمَسْجُوْمِیْنَ۔

(ترجمہ) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے فرما بردار ہوں۔

(پارہ نمبر ۸ سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۳)

چوتھی آیت:

اِنَّا عَطَيْنَاکَ الْکُوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِیْوَیْکَ وَانْحُو ۝

(ترجمہ) بیشک ہم نے دی تجھ کو کثیر سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی

کر۔ (پارہ نمبر ۳۰ سورۃ الکوثر آیت نمبر ۱-۲)

## حدیث نمبر ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو قربانی کرنے کی طاقت ہو پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں حاضر نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی اس حدیث پر امام ابن ماجہ نے اس طرح باب باندھا ہے۔ باب الاضاحی واجبة ہی امراً (ترجمہ) قربانی واجب ہونے اور نہ ہونے کا باب۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۲۳۲) سنن دارقطنی باب الصيد الذبائح والاطمعة وغیر ذلک)

امام حاکم نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے ملاحظہ ہو المستدرک ج ۴ ص ۲۳۱ تلخیص مستدرک حافظ ذہبی یہ تلخیص مستدرک کے ساتھ ہی طبع شدہ ہے۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیں صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۹ مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد نے تعلیق المغنی شرح دارقطنی میں لکھا ہے۔ حدیث ابن ماجہ کے راوی کھم صحیح بخاری کے راوی ہیں مگر عبد اللہ بن عیاش مسلم کا راوی ہے جس کی ایک حدیث مسلم میں ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے مسلمان شخص کو جو قربانی کی طاقت رکھتا ہو یہ تنبیہ فرمائی ہے۔ جو گھر کے تمام افراد مردہ و یا عورت بیٹا ہو یا بیٹی سب کو شامل ہے آپ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا اس لیے یہ حکم عام ہے۔

## حدیث نمبر ۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتیرہ سے منع فرمایا؟ عتیرہ ایک ذبیحہ تھا جسے لوگ رجب میں ذبح کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عتیرہ سے منع کیا اور انہیں قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مسند بزار، مجمع الزوائد)

## حدیث نمبر ۳:

جندب بن سفیان بخلی کہتے ہیں ہم نے ایک عید الاضحیٰ آٹھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی اس دن بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر تشریف لائے تو

دیکھا کہ ان لوگوں نے نماز سے پہلی ہی قربانی کر لی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے جس نے قربانی نہ کی ہو وہ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ بخاری کتاب الذبائح والصيد باب قول النبی ﷺ فليذبح على اسم الله. مسلم کتاب الاضاحی باب وقتها نسائی کتاب الضعایا باب ذبح الضحیة قبل الامام۔

حدیث نمبر ۴:

ام بلال رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹)

حدیث نمبر ۵:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دن (بقرعید کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینہ، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون اس سے پہلے کہ زمین پر گرے یعنی ذبح کرنے کے ارادہ کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے لہذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کی وجہ سے) اپنے نفس کو خوش کرو۔ (سنن ترمذی ابواب الاضاحی باب ما جاء فی فضل ال اضحیہ - سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب ثواب الاضحیہ - سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۱ مترک حاکم جلد نمبر ۴ ص ۲۲۱ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۸ مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۳۸۸)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول کرتا ہے اور اس کے بدلے تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے۔ تو قربانی کرنے کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی تنگی یا کراہت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس عظیم بشارت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئن اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہیے۔ (مظاہر حق جلد اول ص ۹۵۴، ارالاشاعت کراچی)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک گھر میں اگر دس صاحب نصاب بھی ہوں تو صرف ایک ہی بکری کافی ہے۔ تو وہ ان لوگوں کو اس عظیم ثواب سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے سوال

کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں (یعنی ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر اس میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔ صحابہ کرام نے سوال کیا صوف (یعنی اون والے جانور کا بھی یہ ہی حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الاغاثی باب ثواب الاشیہ مستدرک ما کم جلد ۲ ص ۲۸۹، سنن الکبریٰ بیہقی جلد نمبر ۹ ص ۲۶۱، طبرانی کبیرہ حدیث نمبر ۴۹۳۵، الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۱۵۴، مشکوٰۃ ص ۱۲۹)

حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ وہ روپیہ جو بقرہ عید کے دن قربانی کے لیے خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۵، دارقطنی حدیث نمبر ۴۸۱۵، سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۹ ص ۴۰۱، طبرانی کبیرہ حدیث نمبر ۱۰۷۳۵)

حدیث نمبر ۸:

حسین بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے خوش دلی کے ساتھ ثواب سمجھ کر قربانی کی وہ قربانی اس کے واسطے دوزخ سے حجاب بنے گی۔

(الترغیب والترہیب مترجم جلد اول کا دوسرا حصہ ص ۹۰۱، طبرانی کبیرہ حدیث نمبر ۲۶۷۰)

حدیث نمبر ۹:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے لوگو قربانی کرو اور ان کے خون بہانے کو ثواب سمجھو اگرچہ خون زمین پر گرتا ہے (یعنی تمہیں زمین پر گرتا ہوا نظر آتا ہے) مگر بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۰، الترغیب والترہیب مترجم جلد اول کا دوسرا حصہ ص ۹۰۱، طبرانی اوسط حدیث نمبر ۱۵۵۴)

حدیث نمبر ۱۰:



عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مئی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے وقت تیرے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور آپ نے فرمایا اے فاطمہ یہ دعا پڑھو ان صلاقی و نسکی و عیالی و صافی رضی اللہ عنہ و رب العلمین لا شریک لہ و یدلک اموت و لنا اول المسلمین۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ اجر (گناہوں کی تلافی والا) ہمیں بھی ملے گا یا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یا آپ کی اہل بیت کے لیے خاص ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ اہل بیت کے ساتھ خاص نہیں) بلکہ یہ اجر تمام مسلمانوں کے لیے ہوگا۔

(مسند مکہ جلد نمبر ۴ ص ۲۲۲ سنن الکبریٰ بمجتبیٰ جلد ۹ ص ۲۸۳ طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۵۰۰۲ طبرانی اوسط حدیث نمبر ۲۶۰۹ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰ نصب الرای ج ۴ ص ۵۱۴)

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے واقعہ والی یہ حدیث حضرت عمران بن حصین کے علاوہ کچھ الفاظ کی کمی پیشی کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (دیکھئے الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۴ المسند رک ج ۵ ص ۱۴۷ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰ نصب الرای ج ۴ ص ۵۱۴ المسند رک ج ۵ ص ۱۴۷ سنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۸۳ کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۱)

حدیث نمبر ۱۱:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کسی چیز میں چاندی خرچ نہیں کی گئی جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیاری ہو اس قربانی سے جو عید کے دن کی جائے۔

(الترغیب والترہیب مترجم بلدوال کا دوسرا حصہ ص ۹۰۱)

ہم نے قربانی کے فضائل اور اس کی اہمیت قرآن و حدیث سے بیان کر دی ہے جو کہ ہر مسلمان کے لیے ہے جو قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ وہ ضرور کرے اور اس اجر عظیم کو حاصل کرے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے مگر یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال قربانی کی ہے اور صحابہ کرام بھی قربانیاں کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک

حدیث نمبر ۱۲:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات اونٹ کھڑے کر کے اپنے

(بخاری کتاب الحج باب من خربہ)

ہاتھ سے نخر کیے۔

اس حدیث میں اکیلے صرف نبی کریم ﷺ کا سات اونٹ ذبح کرنا ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۳:

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو مسلم کے باب

حجۃ النبی ﷺ میں مذکور ہے اس میں آتا ہے۔

پھر آپ منیٰ گئے اور وہاں تریسٹھ اونٹوں کو اپنے ہاتھوں سے نخر (قربان) کیا پھر باقی اونٹ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نخر کے لیے دیئے۔ (سنن ابوداؤد کتاب المناسک سنن ابن ماجہ کتاب المناسک)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا اپنے ہاتھ سے ۶۳ تریسٹھ اونٹوں کی قربانی کرنا ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱۴:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سواونٹوں کی قربانی کی آپ نے مجھے حکم

دیا کہ میں ان کے گوشت کو تقیم کروں پھر مجھے حکم دیا کہ میں ان کی جھولوں اور ان کی کھالوں کو تقسم کروں۔

(بخاری کتاب الحج باب یعمد دق بجمال البدن)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا اکیلے سواونٹ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵:

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن حضرت عائشہ کی طرف سے

(مسلم مشکوٰۃ باب العدی)

ایک گائے ذبح کی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنی قربانی بھی کرتے تھے اور اپنی بیوی کی

طرف سے بھی کرتے تھے۔

سارے گھر کی طرف سے ایک قربانی کرنے والی روایت اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۶:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی

ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (مسلم۔ مشکوٰۃ باب لہی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔

(بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح خویہ)

گائے ذبح کرنے کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۲۲-۲۲۳، مسلم ج ۱ ص ۲۴۴، مشکوٰۃ ص ۲۲۱، بخاری ج ۲ ص ۸۴۲ نصب الراية ج ۲ ص ۴۰۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹، ابن ماجہ ص ۲۲۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۴۴۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۴۴۲، ابن ماجہ ص ۲۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مینڈھوں کی قربانی دینا

حدیث نمبر ۱۸:

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیت کبرے مینڈھوں کی قربانی دی میں نے دیکھا

آپ اپنا پاؤں ان کے منہ کے ایک جانب رکھے ہوئے بسم اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ سے ذبح فرما رہے تھے۔

(بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیہ) (مسند احمد باب استحقاق الضحیہ و ذبحھا مباشرتاً و بلا تکمیل)

اس حدیث سے بھی ایک سے زیادہ قربانی کرنا ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۹:

حضرت حشاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی نے دو مینڈھوں کی

قربانی کی ایک مینڈھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک مینڈھ اپنی طرف سے اور فرمایا مجھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں۔ لہذا میں ہمیشہ ان کی طرف سے

قربانی کرتا ہوں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۶-۳۱۷، حدیث نمبر ۱۲۷۹، ابوداؤد کتاب الاضاحی باب الاضاحی عن اہل بیت،

ترمذی ابواب الاضاحی باب فی الاضاحی کلثین، مستدرک حاکم کتاب الاضاحی)

اس حدیث سے بھی دو قربانیاں کرنا ثابت ہوتا ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے قرآن، سنت صحابہ کرام اور سنو صالحین

کے عمل کے خلاف ایک منسوخ اور وہ بھی سخت ضعیف روایت پیش کرنا کوئی دانش مندی نہیں۔

## اعتراض نمبر ۸۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** سفر میں بھی جمع بین الصلاتین کرنا منسوخ ہے

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ يجمع بين صلاة الظهر والعصر اذا كان على ظهير سائر ويجمع بين المغرب والعشاء (ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر کی تیاری کے وقت ظہر اور عصر ایک وقت میں، مغرب اور عشاء ایک وقت میں جمع کرتے تھے۔

(بخاری ۱۱۳۱ ابواب تفسیر الصلاة، باب الجمعة في السفر بين المغرب والعشاء صفحہ ۱۴۹، رقم الحديث ۱۱۰۷)

### فقہ حنفی

ولا يجمع فرضان في وقت بلا حج۔

(شرح الوقایۃ عمدۃ الرعاۃ کتاب الصلاة باب المواقیت جلد ۱ ص ۱۴۲، طبع ایچ ایم سفید کمپنی کراچی)

(ترجمہ) دو فرض نمازیں ایک ہی وقت میں جمع کرنا حج کے علاوہ باقی ایام میں

جائز نہیں۔ (فتاویٰ مدنی ص ۱۱۹)

**جہاں:**

دو فرض نمازوں کو جمع کرنے کے دو طریقے ہیں پہلا طریقہ جمع حقیقی دوسرا طریقہ جمع صوری

پھر جمع حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جمع تقدیم:

ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

دوسری قسم: جمع تاخیر:

عصر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

ان دونوں صورتوں میں ایک ایک نماز ضرور بے وقت پڑھنی پڑتی ہے۔

## جمع صوری:

ظہر کی نماز ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز اس کے اول وقت میں پڑھ لی جائے۔ اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں غروب شفق سے پہلے اور عشاء کی نماز کو اول وقت میں غروب شفق کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے اس صورت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی جاتی اس لیے اس کو جمع حقیقی نہیں جمع صوری کہتے ہیں۔ یہ سفر میں بالاتفاق جائز ہے راشدی صاحب نے جو حدیث بخاری کے حوالے سے نقل کی ہے اس سے یہی جمع صوری مراد ہے۔ اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا نظریہ قرآن و سنت کے مطابق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حج کے موقع پر مزدلفہ اور عرفات کے سوا، دو نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا ایک متعین و محدود وقت مقرر کیا ہے اور اس کا منشا یہی ہے کہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کیا جائے۔

(۱) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”بے شک نماز، مومنوں پر، ایک مقرر وقت کے اندر فرض کی گئی ہے۔“

(سورہ نساء: ۱۰۳)

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کسی نماز کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا، جب تک کہ دوسری نماز کا وقت نکل نہ جائے۔“ (ج ۱، ص ۵۸)

(۳) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ظہر کا وقت، اس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک کہ عصر کا وقت نہ آجائے۔“

(ج ۱، ص ۵۸)

(۴) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور طحاوی میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نیند کی حالت میں (نماز رہ جانے میں) کوتاہی نہیں ہے..... کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ آدمی ایک نماز کو دوسری نماز تک موخر کر دے۔“

(ابوداؤد ج ۱، ص ۶۳)



(۵) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء کی نیک اولاد اور پیر و کاروں کے گزر جانے کے بعد ایسے لوگ آگئے کہ جنہوں نے نمازیں ضائع کرنا شروع کر دیں۔ (مریم: ۵۹) اس کی تفسیر میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازیں ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نمازوں کو اپنے اوقات سے موخر کر کے دوسرے اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔

(عمدة القاری ومعالم التزیل للبیہقی ج ۱ ص ۱۰۱)

نمازوں کے اوقات کی تعیین و تحدید تو اتر سے ثابت ہے اور مندرجہ بالا قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ نمازوں کے اپنے اوقات کو چھوڑ کر ان کو دوسری نمازوں کے اوقات تک موخر کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اس سے صرف ایک استثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ حج کے موقع پر عرفات میں عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جائے۔ اس کے علاوہ کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں کو جمع نہیں کیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی اور افتخار الامت کے لقب سے ملقب ہیں، فرماتے ہیں:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں نہیں پڑھی، مگر عرفہ اور مزدلفہ میں (حج کے موقع پر)“

(نہائی ج ۱ ص ۳۶)

ربی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بظاہر یہ نمازیں اکٹھی پڑھی ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ جمع حقیقی نہیں تھیں بلکہ جمع صوری ہیں کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اپنی وقت سے ہٹ کر نہیں پڑھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں میں ”جمع صوری“ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز اس کے بالکل آخری وقت میں اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرمائی۔ یہی معاملہ مغرب اور عشاء کا ہے۔ اس طرح بظاہر دونوں نمازیں جمع ہو گئیں، لیکن درحقیقت ہر نماز اپنے وقت میں ادا کی گئی، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

”میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ مغرب کی نماز کو موخر کر دیتے تھے، یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع کر کے

پڑھتے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تو وہ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ مغرب کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑا سا ٹھہر کر (تا کہ عشاء کے وقت کا دخول یقینی ہو جائے) عشاء کی نماز ادا کرتے تھے۔“ (ج ۱ ص ۱۴۹)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ میں جمع صوری پر دلیل ملنے کا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۶۵)

(۲) سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے موذن نے، سفر کے دوران میں ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی چلتے رہو۔ پھر جب شفق غروب ہونے میں کچھ وقت رہ گیا تو انہوں نے اتر کر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر شفق غروب ہونیکا انتظار کیا اور اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی وجہ سے جلدی درپیش ہوتی تو اسی طرح کرتے تھے جیسے میں نے کیا۔ (ج ۱ ص ۱۷۱)

(۳) صحیح مسلم میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ظہر و عصر کی) آٹھ رکعتیں اکٹھی اور (مغرب و عشاء کی) سات رکعتیں اکٹھی پڑھی ہیں۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا: اے ابوالشعواء، میں گمان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کو موخر کر کے اور عصر کی نماز کو معجل کر کے پڑھا۔ اسی طرح مغرب کی نماز کو موخر کر کے اور عشاء کی نماز کو معجل کر کے پڑھا۔ ابوالشعواء نے کہا، ہاں میرا بھی یہی گمان ہے۔

(ج ۱ ص ۲۴۶)

(۴) موطا امام محمد میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مملکت کے مختلف علاقوں کی طرف خط لکھا اور اس میں لوگوں کو منع کیا کہ وہ دو نمازوں کو جمع کریں، اور ان کو خبر دی کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (ص ۱۲۹، ۱۳۰)

(۵) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور عشاء کو جمع کیا کرتے تھے، اس طرح کہ مغرب کو اس کے آخری وقت میں جبکہ عشاء کو اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۹)

(۶) ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا، اس طرح کہ مغرب کو موخر کیا اور عشاء کو معجل کیا اور اس طرح دونوں کو جمع کر کے پڑھا۔

(مجمع الزوائد، ایضاً)

(۷) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جب تم میں کسی کو حاجت پیش آ جائے اور وہ چاہے کہ مغرب کو موخر اور عشاء کو معجل کر کے دونوں کو اکٹھا کر کے پڑھے تو وہ ایسے کر سکتا ہے۔ (خرجا بن جریر، کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۷)

(۸) امام حسن یصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں یہ معلوم نہیں کہ آپ نے سفر یا حضر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا ہو مگر (جمع کے موقع پر) عرفہ میں، جہاں ظہر اور عصر کو جمع کیا جاتا ہے اور مزدلفہ میں، جہاں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۹-۶۰، تہذیب ج ۳ ص ۱۶۹)

یہ روایات جمع بین الصلوٰتین کی روایتوں کو جمع صوری پر محمول کرنے میں بالکل صریح ہیں۔ علاوہ ازیں ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کسی خوف یا بارش کی حالت کے بغیر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔ (ج ۱ ص ۲۶) اس مضمون کی روایتیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۱) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۵۵۶) اور جابر بن عبد اللہ (طحاوی ج ۱ ص ۷۹) سے بھی مروی ہیں۔ ان روایات کو تمام اہل علم بالاتفاق جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ جن ائمہ کے نزدیک دو نمازوں کو حقیقتاً ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے، ان کے نزدیک یہ اجازت عذر، مثلاً حالت سفر، کے ساتھ مشروط ہے، جب کہ ان روایات میں تصریح ہے کہ مدینہ میں بغیر کسی عذر کے جمع بین الصلوٰتین کی گئی۔ چنانچہ جب ان روایات کو جمع صوری پر محمول کیا جاتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ باقی روایات کو بھی، شریعت کے اصول کلیہ کی روشنی میں جمع صوری ہی پر محمول کیا جائے؟ بالخصوص جبکہ خود روایات ہی میں اس کی صراحت بھی موجود ہے؟

## اعتراض نمبر ۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** قربانی نفل ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

ثلاث من علی فرائض وھن لکم تطوع الوترو انحر و الضحی۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین کام مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے

اوپر نفل: (۱) وتر (۲) قربانی اور (۳) صلاۃ الضحیٰ (یعنی چاشت کی نماز)

(رواہ الامام احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۳۱، رقم الحدیث ۲۰۵۰، طبعة مؤسۃ قرطہ مصر، ورواہ الحاکم فی

کتاب الوتر ج ۱ ص ۲۰۰، رقم الحدیث ۱۱۱۹، طبعة دار الکتب العلمیہ بیروت)

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۶۸ رقم الحدیث ۲۲۳۸)

### فقہ حنفی

الاضحیۃ وجبۃ علی کل مسلم۔

(ہدایہ اخیرین ج ۳ کتاب الاضحیۃ صفحہ ۲۲۲)

(ترجمہ) قربانی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ (فتاویٰ دہلی ص ۱۲۰)

**جواب:**

یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابو جندب یحییٰ بن یحییٰ حیہ ضعیف اور مدلس ہے۔

راشدی صاحب کے نزدیک قربانی کرنا نقلی عبادت ہے جیسا کہ اس مسئلہ کی سرخی جو

انہوں نے قائم کی ہے سے ثابت ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کو خوش ہونا چاہیے کہ قربانی سے چھٹی ہو گئی۔ کیونکہ

نفل عبادت کا انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ کرو تو ثواب نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں۔

### حنفی مذہب کے دلائل

احناف کے ہاں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے فرض، واجب، رکن، سنت، موکدہ،

سنت غیر موکدہ، نفل وغیرہ کی اصلاحات فقہاء و محدثین اور اصولیین نے وضع کیں ہیں۔ قرآن و سنت اور

نبی کرم ﷺ و صحابہ کرام کے عمل مبارک کو دیکھ کر علماء نے آسانی کے لیے ہر ایک عمل کا حکم الگ الگ

اپنی کتب میں لکھ دیا ہے۔ اور ان اصطلاحات کا استعمال غیر مقلد بھی کرتے ہیں قربانی کے واجب

ہونے کا اقرار خود غیر مقلد علماء نے بھی کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد یونس دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

کہ علماء کا اختلاف ہے کہ قربانی واجب ہے کہ سنت موکدہ بہت سے علماء قربانی کو واجب بتاتے ہیں اور اس کے وجوب پر آیت فصل لربک والخر سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن جمہور علماء سنت موکدہ ہونے کے قائل ہیں لیکن جانین کی دلیلوں پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان کے دلائل مستحکم اور مضبوط ہیں۔ بدور الامحلہ میں، طرفین کے دلائل کی خوب تحقیق کی گئی ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ جسے قربانی کا اس قدر مقدور ہو کہ ایک بکریا مینڈھایا بھیڑ خواہ نہ ہو یا مادہ خرید سکتا ہے اسے قربانی کرنا واجب ہے۔ (دستورالمتحی فی احکام النبی ص ۱۵۶)

امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر آئمہ کرام یہ فرماتے ہیں قربانی واجب ہے۔ امام نووی شافعی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ میں اور قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۸ میں لکھتے قال الربیعۃ والاوزاعی و ابو حنیفہ واللیث ہی واجبة علی الموسر وہ قال بعض المالکیۃ وقال النخعی وجبة علی الموسر الا الحاج۔ علامہ بدر الدین البعلی الحسینی۔ مختصر الفتاویٰ المعرین ج ۱ ص ۵۲۲ میں لکھتے ہیں۔ وفی وجب الاضحیۃ قولان لا احمد ومالك وغیرہما۔ الخ

**قربانی کے وجوب کے چند دلائل حسب ذیل ہیں**

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

**فصلی لیو یک والنحو**

اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی دیجئے۔ (الکوثر آیت نمبر ۲)

علامہ ابن جوزی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان والخر کی تفسیر میں پانچ اقوال نقل کئے ہیں اور ان میں سے پہلا قول یہ ہے کہ قربانی کے دن جانور ذبح کرو یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام عطاء، امام مجاہد اور جمہور علمائے امت کا ہے۔ (ذا الدامیر فی علم التفسیر جلد نمبر ۹ ص ۲۴۹)

اکثر اصول کی کتابوں میں یہ اصول لکھا ہے والا مریلو وجوب یعنی جس چیز کا حکم اور امر ہو وہ کم از کم واجب ہوا کرتا ہے لہذا قربانی واجب ہوئی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:



قل ان صلاتی وضحای وضحای وضحای رب العالمین۔ لا شریک لہ وینذک الموت ولناول المسلمین۔

(ترجمہ) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔ (پارہ نمبر ۸، سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۳)

اس آیت کریمہ میں بھی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں امرت کا لفظ ہے جس کا معنی یہی ہے۔ کہ مجھے نماز اور قربانی کرنے کا امر ہوا۔ اور جس کا حکم اور امر ہو وہ اگر فرض نہ ہو تو واجب ہوا کرتا ہے لہذا اس سے واضح ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبر ۱:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی ابواب الاضاحی ج ۱ ص ۱۸۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ نے قربانی کرنے پر مواظبت کی ہے اور یہ مواظبت وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی بدایۃ ج ۱ ص ۲۱۵ میں لکھتے ہیں۔

انه لم يتولک رسول اللہ ﷺ الضحیۃ قط فیما روی عنه حتی فی السفر  
کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی قربانی ناعہ نہیں کی یہاں تک کہ سفر میں بھی

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں طاقت ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے پاس نہ آئے۔ (ابن ماجہ باب الاضاحی واجبیہ ص ۲۳۳)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اس شخص کو تنبیہ فرما رہے ہیں (یعنی ناراضگی اور غصے کا اظہار فرما رہے ہیں) جو قربانی کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے۔ اتنی سخت تنبیہ نفل چھوڑنے پر نہیں کی جاتی۔ واجب چھوڑنے پر ہوا کرتی ہے تو اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

اس کو حضرت کے صحابہؓ کی زبان سے سننے کے لئے مقرر کیا گیا تھا کہ اس میں سے ایک عورت یا ایک عورت کی طرف سے  
روایت ہے عینہ بن عامر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے

حدیث نمبر ۶:

حدیث نمبر ۶: - (صحیح ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹)

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

حدیث نمبر ۵:

حدیث نمبر ۵: - فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں بھی فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۹)

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

حدیث نمبر ۴:

حدیث نمبر ۴: - فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا کہ اگر تم نماز کے وقت ہاتھ نہ دھوئے تو تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

حدیث نمبر ۳:

حدیث نمبر ۳:

نے رسول اللہ ﷺ سے سو فرمایا آپ ﷺ نے اس کی تم قربانی کر دو۔

(ترمذی ابواب الانماجی باب فی الجذخ من الصناعات فی الاسناتی)

ہم نے چھ روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں امر موجود ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔  
علمائے کرام کے حوالہ۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو بکر جصاص رازی کا حوالہ

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نیک کو صلوٰۃ کے ساتھ ملا کہ بیان فرمایا تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہاں صلوٰۃ سے عید اور قربانی مراد ہے اور اس سے قربانی کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ (وبذلک احصرت) موجود ہے اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۲)

امام شوکانی غیر مقلد رحمہ اللہ کا حوالہ

امر مطلق وجوب کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں۔

والامر مظهر فی الوجوب۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۹)

## اعتراض نمبر ۸۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** وتر کی تین رکعات کے درمیان سلام پھیرنا

حدیث نبوی ﷺ

عن عبد اللہ بن عمر قال کان النبی ﷺ یفصل بین الشفع والوتر بتسلیم یرسعون۔

(ترجمہ) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ وتر میں دو رکعتیں

اور تیسری رکعت کے درمیان سلام سے فاصلہ کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان۔ کتاب الوتر۔ ذکر الخبر المصرح بالفصل بین الشفع والوتر رقم الحدیث ۲۴۲۲۔ طبعہ ۱۴۰۵ھ  
الرسالہ بیروت) (موارد النظمین۔ باب الفصل بین الشفع والوتر رقم الحدیث ۶۵۸۔ طبعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

**فقہ حنفی**

الوتر ثلاث رکعات لا یفصل بینہن بسلام۔

(ہدایہ، اولین ۳ کتاب الصلوٰۃ باب صلاة الوتر صفحہ ۱۴۲)

(ترجمہ) وتر تین رکعتیں ہیں۔ درمیان میں سلام بھی نہیں پھیرا جائے گا۔

(فقہ ودیث ص ۱۲۱)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات متعین ہیں، ایک رکعت وتر پڑھنا جائز نہیں۔ اور یہ تین رکعات بھی صرف ایک سلام اور دو تشہدوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھنا بھی درست نہیں۔ امام صاحب کے مسلک کے دلائل درج ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت عاکشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۴۸، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۰۴، امام حاکم اور امام ذہبی نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عاکشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد گھر تشریف لاتے۔ پھر (رات کو) دو رکعتیں پڑھتے، پھر دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر تین رکعات وتر ادا کرتے اور ان تین رکعتوں میں فصل نہیں کرتے تھے (یعنی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے) مسند احمد بحوالہ تلخیص الحییر ج ۱ ص ۱۱۶ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شافعی نے اس پر سکوت کیا ہے۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت عاکشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور سب سے آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۲۰۴، روایت کو حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

حدیث نمبر ۴:

حضرت عاکشہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی کتنی رکعات پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی چار رکعات (تہجد) اور تین رکعات (وتر) کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین اور کبھی دس اور تین۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۶۸، سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۲۸)

## حدیث نمبر ۵:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور ان میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔  
(مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۲۔ امام حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

## حدیث نمبر ۶:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات وہ حضور اکرم ﷺ کے ہاں سوئے۔ رات کو آنحضرت ﷺ نے تہجد کی نماز پڑھی اور آخر میں تین رکعات وتر پڑھیں۔  
(مسلم ج ۱ ص ۲۶۱)

## حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں جیسے نماز مغرب کی تین رکعات ہیں۔  
(طحاوی ج ۱ ص ۱۷۳، موطا امام محمد ص ۱۴۶)

## حدیث نمبر ۸:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ کافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھتے اور ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(نسائی ج ۱ ص ۱۲۴۹ کی سند کو امام عراقی نے حسن قرار دیا ہے: نیل الاوطار ج ۲ ص ۷۹، رقمی ج ۱ ص ۱۷۵)

## حدیث نمبر ۹:

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے تین رکعات وتر پڑھیں اور صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا۔  
(طحاوی ج ۱ ص ۱۷۳)

## حدیث نمبر ۱۰:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعات وتر پڑھیں اور صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۷۶ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے: (درایہ ص ۱۱۵)



## حدیث نمبر ۱۱:

حضرت عبداللہ بن عمر سے وتر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا تم دن کی نماز وتر کو جانتے ہو؟ سائل نے کہا ہاں نماز مغرب ہے تو فرمایا تم نے سچ کہا۔

(طاہوی ج ۱ ص ۱۶۴۔ حافظ ابن حجر نے درایہ میں اس پر سکوت کیا ہے ص ۱۱۳)

## حدیث نمبر ۱۲:

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ (یہ جلیل القدر تابعی ہیں) سے وتر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے ہمیں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح سکھائی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم وٹروں کی تیری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں۔ گویا یہ رات کے وتر ہیں اور وہ دن کے۔

(طاہوی ج ۱ ص ۱۷۳)

## حدیث نمبر ۱۳:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی کم از کم رکعات تین ہیں۔

(موطا امام محمد ۱۳۱)

## حدیث نمبر ۱۴:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تین رکعت وتر چھوڑ دوں اور مجھے سرخ اونٹ مل جائیں۔

(موطا امام محمد ص ۱۳۱)

## حدیث نمبر ۱۵:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔

(موطا امام محمد ص ۱۳۱)

## حدیث نمبر ۱۶:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں، جیسے دن کے وتر یعنی نماز مغرب تین ہیں۔ (دارقطنی ج ۱ ص ۷۳) یہی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے)

## حدیث نمبر ۱۷:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مجھ سے زیادہ قابل اعتماد آدمی کوئی نہیں بتا سکتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات وتر پڑھیں اور سب سے آخری رکعت میں سلام پھیرا۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۹۶)

حدیث نمبر ۱۸:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھرا جائے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ)

حدیث نمبر ۱۹:

تابعین کے دور میں مدینہ منورہ کے فقہاء سب سے سعید بن المسیب عمروہ بن زبیر قاسم بن عبد الرحمن خارجہ بن زید عبید اللہ بن عبد اللہ سلیمان بن یسار کا اتفاق ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا جائے گا۔  
(طحاوی ج ۱ ص ۱۷۵)

حدیث نمبر ۲۰:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کی نماز سے منع فرمایا کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔ (اتمہد الاثنی عشر معارف السنن ج ۲ ص ۷۳۷، السنن ج ۶ ص ۵۳-۵۴)  
ان واضح اور صریح دلائل کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ و مقلدین فرماتے ہیں کہ جن روایات سے ایک وتر پڑھنا یا تین رکعات دو مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ وہ ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور منسوخ ہیں۔

### اعتراض نمبر ۸۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہیں ہوگی

### حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن علی قال قال رسول الله ﷺ (يعني في الصلاة) تحريمها التكبير وتحليلها التسليم۔

(ترجمہ) سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے بارے میں) فرمایا کہ نماز میں تکبیر سے ہی دخل اور سلام سے ہی خارج ہوا جاسکتا ہے۔

## فقہ حنفی

وان تعبد المحدث في هذه الحالة او تكلم او عمل عملا ينافي الصلاة  
تمت صلاته.

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب المحدث في الصلاة صفحہ ۱۳۰)

(ترجمہ) سلام کے عوض کوئی بھی کام کیا جو نماز کے منافی تھا یا بات چیت کی یہاں  
تک کہ جان بوجھ کر وضو توڑ دیا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۲)

## جواب:

۱) احناف کے ہاں نماز کے کچھ واجبات ہیں۔ جو ہماری نماز کی اردو کتب میں بھی موجود ہیں۔  
ان واجبات میں سے ایک واجب لفظ سلام سے نماز سے نکلنا بھی ہے فقہ حنفی کے دلائل درج ذیل ہیں۔  
(۱) مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی حنفی نے اپنی کتاب نماز مسنون کلاں کے ص ۳۰۳ پر سرخی  
قائم کی ہے واجبات نماز پھر صفحہ ۳۰۳ سے لیکر صفحہ ۳۰۹ تک نماز کے تیرہ (۱۳) واجبات  
ذکر کئے ہیں نمبر ۱۱ ص ۳۰۸ پر ”لفظ سلام سے نکلنا“ کی سرخی لگائی ہے پھر لکھتے ہیں۔ لفظ  
سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے ہدایہ ج ۱، ص ۷۳ شرح فقہ ج ۱، ص ۷۰ کبیری  
ص ۲۶۸ پھر ترمذی ص ۱۲۷ ابوداؤد ج ۱، ص ۹۱ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی یہ حدیث نقل کی  
ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی چابی طہارت  
ہے۔ (طہارت ہی سے آدمی نماز میں داخل ہو سکتا ہے) اور نماز کا تحریم (یعنی تمام چیزوں  
کا اس حالت میں ممنوع ہو جانا) تکبیر ہے اور نماز سے باہر آنا جس میں تمام حلال چیزیں اس  
کے لیے حلال ہو جاتی ہیں وہ سلام ہے۔

حضرت صوفی صاحب کے اس حوالہ سے حنفی مسلک آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ ہماری  
نماز پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں تقریباً سب میں لکھا ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرے۔  
(۲) رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز ص ۲۰۲-۲۰۳ میں لکھا ہے:

یہ دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ پہلے دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پھر

بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ دونوں طرف سلام پھیرتے ہی نماز ختم۔

اس عبارت کے بعد عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم ج ۱ ص ۲۱۶ سے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی ج ۱ ص ۹۳ نسائی ج ۱ ص ۱۹۴ سے نقل کیں ہیں۔

(۳) نماز مدلل ص ۱۳۲ میں لکھا ہے نماز کے آخری میں دائیں بائیں منہ پھیر کر سلام کہنا پھر مسلم ج ۱

ص ۲۱۶ مشکوٰۃ ص ۸۷ کے حوالہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث نقل کی ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰ مشکوٰۃ ص ۸۸ سے نقل کی ہے۔

(۴) مولانا ابوضیا عبد اللہ ہزاروی حنفی اپنی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحہ ۱۸۳ پر لکھتے

ہیں۔ سلام۔ جب نماز ختم ہو تو پہلے دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور پھر بائیں جانب کہہ کر نماز سے فارغ ہو جائے۔

(۵) حکیم محمود احمد ظفر الکتاب المقبول فی صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۲۲ پر لکھتے ہیں۔ نماز کا

اختتام جب درود کے بعد دعا پڑھ لے تو دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور پھر بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس طرح دونوں طرف منہ پھیر کر سلام پڑھنے سے نماز کا اختتام ہو گیا۔

پھر سیدنا عاتقہ بن وائل کے حدیث ابوداؤد سے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی وغیرہ سے نقل کی ہے اور ان کے علاوہ کافی دلائل ذکر کئے ہیں آخر میں لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر سلام پھیر کوئی شخص نماز سے الگ نہیں ہو سکتا۔ (الکتاب المقبول ص ۴۲۳)

(۶) مولانا محمد امان اللہ لکھتے ہیں، نماز کا خاتمہ سلام پھیرنے کے ساتھ کرے۔

(دلائل السنۃ ص ۸۰)

(۷) ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے نماز حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ص ۹۵ تا ص ۹۸ تک نماز کے واجبات کا

ذکر کیا ہے۔ ص ۹۸ نمبر ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ نماز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر فارغ ہونا۔ پھر ص ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔ اور پھر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

(۸) مولانا ارشاد احمد فاروقی احکام و آداب طہار و وضو اور نماز کے ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں۔ (۸۷)

لفظ سلام کا کہنا واجب ہے۔ (کذا فی المتن)

(۹) مولانا مفتی محمد ارشاد القاسمی صاحب لکھتے ہیں۔

اور دائیں جانب اور بائیں جانب رخ کر کے دو مرتبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا مطلب یہ ہے کہ دعا سے فارغ ہو کر پہلے دائیں جانب رخ کرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر اسی طرح بائیں جانب۔ (نماز سنت کے مطابق پڑھیے ص ۱۱۵)

(۱۰) مولانا محمد الیاس گھسن صاحب نماز اہل السنۃ والجماعت ص ۹۵ پر لکھتے ہیں نماز کا اختتام

سلام پر ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ سے نقل کی ہے۔

پھر لکھتے ہیں: الفاظ سلام۔ سرفی کے بعد ترمذی ج ۱ ص ۶۵ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹۰ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

(۱۱) علامہ بدرالدین عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۴ میں بیس صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے نام لکھے ہیں جن سے نماز کے آخر میں دو سلاموں کی احادیث مروی ہیں آپ

فرماتے ہیں۔ پس یہ بیس (۲۰) صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کیا ہے کہ نمازی اپنی نماز کے آخر میں دو سلام کہے قارئین کرام ہم نے حنفی مسلک واضح کر

دیا ہے کہ ہمارے ہاں سلام کہہ کر نماز ختم کرنا واجب ہے راشدی صاحب نے جس حدیث

کا حوالہ دیا ہے اس پر ہمارا عمل ہے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے

۔ (دیکھئے مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ باب ما یجمع صفة الصلوۃ وما یفتتح بہ ویختم بہ)۔

راشدی صاحب نے دھوکہ دیا کہ احناف کے مذہب میں سلام نہیں ہے۔ اور حدیث میں سلام ہے۔

اب ضرورت تو نہیں ہے کہ ہم اس عبارت کا جواب دیں کیونکہ جو حنفی مذہب ہے وہ تو ہم نے

لکھ دیا ہے۔ مگر پھر بھی قارئین کی تسلی کے لیے کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

راشدی صاحب نے ہدایہ سے وہ مسئلہ نہیں لکھا جہاں پر سلام کا ذکر تھا۔ ہدایہ میں ہے۔

ثم یسلم عن یمینہ فیقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وعن

یسارۃ مثل ذلك لہاروی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان

النبی ﷺ کان یسلم عن یمینہ حتی یری بیاض خدۃ الایمن

وعن یستارۃ حتی یری بیاض خدۃ الایسر



پھر اپنی دائیں جانب سلام پھیرے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کہے اور بائیں جانب بھی ایسا ہی کرے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی اور بائیں جانب سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ بائیں رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی۔

(آمن الہدایہ ترجمہ و شرح اور ہدایہ جلد ۲ ص ۷۳-۷۴ باب مفتہ الصلاۃ)

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا جس ہدایہ سے راشدی صاحب یہ مسئلہ نقل کر رہے ہیں اُسی ہدایہ میں یہ مسئلہ بھی لکھا ہوا ہے۔ راشدی صاحب نے جان بوجھ کر غلط بیانی کی ہے اللہ اسے معاف فرمائے۔

راشدی صاحب نے ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی شروع اور آخر کی عبارت چھوڑ دی ہے۔ جو کہ ایک صریح خیافت ہے۔ اس مقام پر صورت مسئلہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے دو صورتیں نقل کی ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ لکھا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی بے اختیار اور مجبور شخص سے مجبوری کے عالم میں ایسی بات سرزد ہوگی جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جو اسے نماز میں نہیں کرنی چاہئے تھی۔ پھر صاحب ہدایہ نے اس کی مثالیں دیں ہیں غیر مقلدان مثالوں میں سے صرف ایک مثال کا ذکر کرتے ہیں باقیوں کا نہیں پھر دوسری صورت بتائی اور اس کا حکم بھی بتایا دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے آخری قعدہ میں تشہد مکمل پڑھ لیا اب اس کو درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرنا تھا۔ مگر اس نے یہ نہیں کیا اور اس نے کسی وجہ سے یا بغیر وجہ کے بغیر سلام پھیرے نماز کو ختم کر دیا۔ ایسی صورت میں اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے۔ وہ نماز دوبارہ پڑھے گا یا نہیں اس کی یہ نماز ادا ہوئی یا اس کی ذمہ باقی ہے۔ یہ ہے صورت اصل مسئلہ کی۔ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کا جو حل پیش کیا ہے اس پر اعتراض ہے اگر راشدی صاحب زندہ ہوتے تو ہم ان سے عرض کرتے مگر وہ تو اب دنیا میں نہیں رہے ہم موجودہ غیر مقلدین سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی صورت میں مسئلہ کا کیا حل بتاتے ہیں۔ فقہاء کرام نے تو جو حدیث میں حکم تھا اس سے مسئلہ کا حل بتا دیا۔ مگر غیر مقلد نہ فقہاء کی مانتے ہیں اور نہ حدیث کی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ پہلے قرآن پاک سے خاص اس مسئلہ کا حل بتائیں پھر سنت کی تین مشہور قسموں میں سے بتائیں کہ کس قسم (قولی۔ فعلی۔ تقریری) کی سنت سے ثابت ہے۔ اصل مسئلہ کا خلاصہ ہم نے عرض کر دیا ہے۔ اب آپ کو ہدایہ کی عبارت سمجھنی آسان ہو جائے گی۔ ملاحظہ فرمائیں ہدایہ کی مکمل عبارت:-

وإن سبقه الحدث بعد التشهد توضعاً وسلم  
۱۰ اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام  
کرے گا۔

تشریح: تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو  
پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لیے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر نیا کرنا  
چاہئے اور سلام کرنا چاہیے۔

لأن التسليم واجب فلا بد من التوضي لياقي به

اس لیے کہ سلام واجب ہے اس لیے وضو کرنا ضروری ہے تاکہ سلام پھیر سکے۔

تشریح: تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد بخود حدث ہو گیا تو نماز ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے اس لیے  
اس پر نیا کر سکتا ہے اور سلام جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لیے وضو کر کے نیا کرے اور سلام پھیرے۔

نوٹ: یہ پہلی صورت کا حل ہے۔ جو صاحب ہدایہ نے نقل کیا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایسا مجبور شخص دوبارہ وضو کر کے وہاں سے دوبارہ نماز شروع کرے  
جہاں سے چھوڑی تھی اور اپنی بقایا نماز کو مکمل کرے اور اپنے نماز کے واجبات کو پورا کرے جو اس کے  
ذمہ ہے یعنی سلام پھیر کر نماز ختم کرے۔

اب آگے دوسری صورت کا حل بتا رہے ہیں۔

وإن تعمد الحدث في هذه الحالة أو تكلم أو عمل عملاً ينافي الصلاة

تمت صلاته اور اگر اس حالت میں (بعد التمشید) نمازی نے جان بوجھ کر حدیث  
کر دیا یا اس نے بات کی یا کوئی منافی نماز عمل کر لیا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

نوٹ: اس عبارت پر راشدی صاحب کو اعتراض ہے جو اس نے اپنی کتاب ص  
۱۲۲ پر نقل کیا ہے۔

تشریح: اوپر والے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر خود بخود حدث ہوا تھا اس لیے پہلی نماز  
پر نیا کر سکتا تھا اس لیے وضو کر کے نیا کرے گا اور سلام پھیرے گا اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ نمازی نے  
جان بوجھ کر حدث کیا ہے اس لیے اس کی اس غلط حرکت کی وجہ سے اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اس لیے اب  
وہ نیا نہیں کر سکتا اور وضو کر کے سلام نہیں پھیر سکتا۔ اور چونکہ صرف اس کے ذمہ سلام واجب ہے اس

لیے یوں کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہوگئی لیکن یہ شخص بالقصد ایسا کرنے پر گہنگار ہوگا کیونکہ اس نے نماز جیسی شان والی عبادت کو اس کے مخصوص طریقہ کے خلاف ختم کیا اور سلام جو واجب تھا اس کا بھی بالقصد ترک کیا۔ لہذا یہ نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔

ہدایہ میں تمت صلاتہ کا جو ذکر ہے وہ فرضیت کی تمامیت کا ذکر ہے۔ کہ اس شخص کے ذمہ نماز کے فرضوں میں سے کوئی فرض باقی نہیں ہے۔ لیکن ترک واجب کی وجہ سے وجوب کی تمامیت باقی رہ گئی ہے۔ جس کی تکمیل بلااعادہ نماز ممکن نہ ہوگی۔ اور گناہ جو ہوگا وہ الگ ہے۔ (فتاویٰ ثانی ج ۱ ص ۱۳۵)

یہ ہے حنفی مسلک ہمارا یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ حدیث کے اگر غیر مقلد اس کو قرآن کے خلاف کہتے ہیں تو قرآن کو کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں جس میں یہ مسئلہ ہو۔ اگر حدیث کے خلاف کہتے ہیں تو حدیث پیش فرمائیں۔ اس مسئلہ میں جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ احناف کی تائید کرتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب امام نماز پوری کر لے اور قعدہ اخیرہ میں بیٹھ جائے پھر حدت کر دے قبل اس کے کہ کلام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اس شخص کی بھی نماز مکمل ہوگئی جس نے اس کے پیچھے پوری نماز پڑھی۔

ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۴ باب الامام یحدث بعد ما یرفع راسہ من اخر رکۃ ترمذی  
متروجم ج ۱ ص ۱۰۵ باب ما جاء فی الرجل یحدث بعد التشہد (دارقطنی متروجم ج ۲ ص ۵۵ باب  
من احدث قبل التسلیم فی اخر صلوٰتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوٰتہ)  
اس حدیث میں امام کے حدت کر دینے (بالقصد وضو توڑ دینے پر) امام اور مقتدیوں کی نماز کے تمام ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے حالانکہ امام لفظ سلام سے سلام پھیر کر نماز سے نہیں نکلا معلوم ہوا کہ لفظ سلام فرض نہیں جبکہ خروج بصنعہ فرض ہے۔

خروج بصنعہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی ”قعدہ“ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کسی اپنے فعل کے ذریعے قصد نماز سے نکلے۔ یہ ارادۃ اور قصد انکلتا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور سلام کے ذریعہ نکلنا یہ واجب ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث میں مقدار تشہد کے بعد بغیر سلام کسی اور طریقے سے بھی نماز سے نکلنے پر نماز کی تمامیت کا حکم لگایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں گذرا۔

## تشہد کے بعد نماز کے فساد کا پورا ہونا

حدیث نمبر ۲:

قاسم بن بخیرہ سے روایت ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو تشہد پڑھنا سکھایا بعد اس کے فرمایا جب تو یہ پڑھ چکا (یعنی تشہد) تو تیری نماز پوری ہو گئی۔ اب چاہیے اٹھ کھڑا ہو اور چاہیے بیٹھا رہے۔ (ابوداؤد مترجم جلد اول ص ۳۷۲ باب التشہد بخاری ج ۱ ص ۱۸۹ مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں تشہد سے فارغ ہوتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص جان بوجھ کر بے وضو ہو جائے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔ (امام ابو نعیم اصفہانی علیہ الاویاء ج ۵ ص ۱۷۷)

حدیث نمبر ۴:

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے بھی اس مفہوم کی روایت حلیۃ الاولیاء میں موجود ہے۔ (طیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۱۷)

حدیث نمبر ۵:

حضرت حکم اور حماد سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص تشہد پڑھتا ہے یا تشہد کی مقدار تک بیٹھتا ہے تو اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۹۰)

اگر کسی کو اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو ملا علی قاری حنفی صاحب مرقات شرح کار سالہ تشیع الفقہاء الحنفیہ اور علامہ عبدالحی الکنزوی کا حاشیہ عمدة الرعاۃ شرح قایہ کا ص ۱۱۵ دیکھ لیں۔  
غیر مقلدین کا مذہب

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کنز الحقائق ص ۲۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر ایک شخص نے نماز پڑھ لی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے نماز بے وضو پڑھائی ہے تو نماز ہو گئی لوٹانے کے ضرورت نہیں۔  
نواب سید صدیق حسن خاں نے غیر مقلد ہونے کے باوجود اپنی کتاب کشف الاقتباس اس اعتراض کا رد کیا ہے جو دیکھنا چاہئے دیکھ لے۔ قارئین آپ راشدی صاحب کے علم اور تعصب کا ان کریں کہ ہوا نکالنے کو سلام کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔

## اعتراض نمبر ۸۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** زبردستی کی وجہ سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

**حدیث نبوی ﷺ**

عن عائشة قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول لا طلاق ولا عتاق في اغلاق۔

(ترجمہ) سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ زبردستی نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

(ابوداؤد ج ۱ کتاب الطلاق باب فی الطلاق علی غلط صفحہ ۲۰۵، رقم الحدیث ۴۱۹۳)

(ابن ماجہ ابواب الطلاق باب طلاق المکرہ والناسی صفحہ ۱۲۴، رقم الحدیث ۲۰۴۶)

### فقہ حنفی

وان اکره لی طلاق امراته او عتق عبده ففعل وقع ما اکره علیہ۔

(ہدایہ اخیر بن ج ۲ کتاب الاکراہ صفحہ ۲۵۰)

(ترجمہ) زبردستی طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔

(فتاویٰ حنفیہ ص ۱۲۳)

**جواب:**

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی غیر مقلد نے صرف اپنے مطلب کی حدیث نقل کی ہے اور دوسری نقل نہیں کی۔ ہم یہاں پر پہلے وہ احادیث نقل کریں گے جو فقہ حنفی کی تائید کرتی ہیں بعد میں راشدی صاحب کی نقل کردہ حدیث کا جواب بھی عرض کریں گے۔

### فقہ حنفی کے دلائل

**حدیث نمبر ۱:**

حضرت صفوان بن غزوہ الطائی سے روایت ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا تھا اس کی بیوی اٹھی اور اس نے چھری پکڑی اور اپنے خاوند کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے حلق پر رکھ دی اور کہنے لگی



مجھے تین طلاقیں دوور نہ میں تجھے ذبح کر دوں گی تو اس کے خاوند نے اس کو اللہ کا وسطہ دیا لیکن اس کی بیوی نے انکار کر دیا تو اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر وہ آدمی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا معاملہ آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا لا قیلولة فی الطلاق۔ کہ طلاق میں کوئی قیلولہ نہیں ہے۔ یعنی طلاق واقع ہو گئی ہے۔

(المحلی فی الطلاق جلد نمبر ۱۰ ص ۲۰۳، نصب الرای ج ۳ ص ۲۲۲)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام عقیل نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ :

حدیث نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکرہ کی طلاق کو جائز قرار دیتے تھے۔

(الجوہر النقی فی الریالی البقی ج ۷ ص ۵۸، نصب الرای ج ۳ ص ۲۲۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل طلاق جائز الا طلاق المحتوۃ المغلوب علی عقله

سب طلاقیں پڑ جاتی ہیں مگر طلاق محتوۃ نہیں پڑتی۔ محتوۃ کا مطلب ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو۔

اس حدیث سے جہاں محتوۃ کی طلاق کا عدم وقوع سمجھ میں آیا ہے وہاں یہ بات بھی واضح

ہو گئی ہے کہ محتوۃ کے علاوہ ہر بالغ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جس میں مکروہ طلاق بھی شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ محتوۃ یعنی دیوانے سے ایسا دیوانہ مراد ہے جس کی عقل نہ رہی ہو اور اگر ایسا دیوانہ

ہو جو کبھی کبھی ہوش میں بھی آتا ہو اور وہ طلاق دیوے ہوش کی حالت میں تو ایسی طلاق واقع ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۴:

حدیث ثنائی و کبیع عن الاعمش عن ابراہیم عن عابس بن ربیعۃ

عن علی قال کل طلاق جائز الا طلاق المحتوۃ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، باب ما قالوا فی طلاق المحتوۃ)

حضرت علی نے فرمایا ہر ایک طلاق پڑ جائے گی۔

حدیث نمبر ۵:

قال علی وکل طلاق جائز الا طلاق المحتوۃ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر ایک طلاق پڑ جائے گی مگر دیوانے کی (یعنی دیوانے کی طلاق نہیں پڑتی)

(بخاری کتاب الطلاق باب الطلاق فی الاغواق والکفر (تعلیقاً) جلد ۲ ص ۷۹۳)

حدیث نمبر ۶:

روایت ہے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں کہ اس میں سچ مچ کہنا اور خوش طبعی سے کہنا دونوں برابر ہے ایک نکاح دوسرے طلاق تیرے رجعت (یعنی طلاق کے بعد رجوع کرنا) (ترمذی ابواب الطلاق باب ما ج آء فی الجود الخزل فی الطلاق)

اس حدیث میں ہازل کی طلاق ہونے کا ذکر ہے ہازل اپنے اختیار سے طلاق کا حکم ہوتا ہے مگر وہ وقوع طلاق سے راضی نہیں ہوتا اس کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے طلاق کا تکلم کیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ گو متعہ طلاق سے راضی نہ ہو اور مکرہ طلاق میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسے اختیار تو سلب نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ رضا منقود ہوتی ہے۔ لہذا ہازل کی طرح یہاں بھی طلاق واقع ہونی چاہیے۔

حدیث نمبر ۷:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ بدر میں شرکت سے مجھے کوئی چیز مانع نہیں تھی بلکہ میں اپنے والد حسیل کے ساتھ نکلا تھا لیکن راستے میں ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہمارا ارادہ تو صرف مدینہ منورہ جانے کا ہے۔ انہوں نے ہم سے یہ وعدہ اور مضبوط عہد لیا کہ ہم مدینہ جا کر لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ہم نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور ساری بات بتادی نبی علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں واپس چلے جاؤ ہم ان کا وعدہ وفا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔ (مسند احمد مترجم جلد ۱۰ ص ۷۹۶)

مستدرک کم جلد ۳ ص ۳۰۱ جلد ۵ ص ۳۹۶۔ مستدرک حاکم مترجم جلد ۴ ص ۳۸۸ کتاب معرفۃ الصحابہ بطحاوی ج ۲ ص ۴۹) مسلم کتاب الجہاد وایسر باب الوفاء بالعہد۔ نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۳۶)

امام شوکانی فرماتے ہیں۔ جو فقہاء جبری قسم کے قائل ہیں وہ اس بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

(نیل الاوطار از دہ جلد نمبر ۴ ص ۲۸۰)

امام طحاوی فرماتے ہیں:

قالوا فلما منعهما رسول الله ﷺ من حضور بدر لاستحلاف  
المشرکین القاهرین لهما علی ما استحلّفوهما علیه ثبت بذلك ان  
الحلف عطي الطواعية والا كراه سواء كذلك الطلاق والعتاق.

(طحاوی بلد ۲ ص ۳۹)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا مسلک بھی یہی ہے کہ طلاق مکروہ واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً  
حضرت عمر، ابن عمر، عمر بن عبدالعزیز، شعبی، ابو قلابہ، سعید بن المسیب، شریح، زہری، قتادہ، سعید بن  
جبیر، نجفی وغیرہ۔ (عمدة القاری شرح بخاری ج ۲۰ ص ۲۵۰ و نصب الراية ج ۳ ص ۲۲۲)

قارئین کرام آپ نے حنفی مذاہب کے دلائل ملاحظہ فرمائے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری  
کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ان کا ذکر راشدی صاحب نے نہیں کیا۔ اب رہی وہ روایت جو  
راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئے جواب ہیں۔ احناف کا طریقہ اکثر جگہ پر یہ ہوتا ہے کہ  
جن روایات میں بظاہر تعارض نظر آئے ان میں ایسی تطبیق دی جائے جس سے تعارض خود بخود ختم ہو  
جائے۔ لہذا یہاں پر بھی اس حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا چاہیے جس سے تعارض ختم ہو جائے۔ وہ  
مطلب یہ ہے کہ اغلاق سے مراد یہاں اغلاق الفہم ہے۔ یعنی کسی شخص کا منہ جبراً اس طرح سے بند کر دیا  
جائے کہ وہ طلاق اور عتاق کے الفاظ کے ایسے تکلم پر قادر نہ رہے جیسا تکلم طلاق اور عتاق کے حکم واقع  
ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اس اکراہ کی صورت میں طلاق کا عدم وقوع متفق علیہ ہے۔ جبکہ اغلاق کا  
معنی صرف اکراہ ہی متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی میں اور احتمالات بھی ہیں اور معانی کے احتمال  
ہوتے ہوئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں جیسا کہ اصول ہے۔ اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔  
دوسرا جواب:

اس بات پر اجماع ہے کہ قتل خطاء میں دیت ہے ہاں گناہ نہیں ہے یہی حال یہاں بھی ہے  
کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے گو اس کا گناہ نہیں ہوتا۔

## اعتراض نمبر ۸۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ریشمی کپڑے کا استعمال کسی طور جائز نہیں۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن حذیفۃ قال نہانا رسول اللہ ﷺ عن لبس الحریر والدیبا ج وان تجلس علیہ۔

(ترجمہ) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ریشم اور دیبا ج کا لباس پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

(بخاری ج ۲ کتاب اللباس باب افتراش الحریر واللفظ لہ صفحہ ۸۶۸، رقم الحدیث ۵۸۳۷) اور ابوداؤد میں ہے:

لا ترکبوا الخز

(ترجمہ) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) ریشم کے کپڑے پر نہ بیٹھو۔

(کتاب اللباس باب فی جلود النمر کتاب اللباس صفحہ ۲۱۶ عن معاویہ رقم الحدیث ۴۱۲۹)

### فقہ حنفی

ولا بأس بتوسدۃ والنوم علیہ عند ابی حنیفۃ۔

(ہدایہ آخرین ج ۲ کتاب الاکراہیہ فصل فی اللبس صفحہ ۴۵۶)

(ترجمہ) ابوحنیفہ کے نزدیک ریشمی تکیہ پر ٹیک لگانے اور ریشمی بستر پر سونے میں

کوئی حرج نہیں۔ (فقہ و حدیث ص ۱۲۲)

جواب:

فقہ حنفی میں مروں کے لیے ریشم حرام ہے راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے احناف کا اسی پر عمل ہے ہدایہ کی عبارت اگر راشدی صاحب مکمل نقل کر دیتے تو مسئلہ صاف ہو جاتا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حنفی مذہب میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے راشدی صاحب نے ہدایہ کی مکمل عبارت نقل نہیں کی شروع کی اور آخر کی عبارت چھوڑ دی ہے اور درمیاں سے عبارت کا کچھ حصہ نقل کر دیا ہے آپ پہلے ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں فصل فی اللبس۔ یہ فصل کپڑا پہننے کے احکام کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے ریشم پہننا حلال نہیں ہے۔ البتہ عورتوں

کے لیے حلال ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ریشم اور دیباچ کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور یوں فرمایا کہ انہیں وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث کی رو سے ریشم صرف عورتوں کے لیے حلال ہے اور وہ حدیث چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ آپ ﷺ کا ہر تشریف لائے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ریشم کا تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

راشدی صاحب نے امام صاحب سے لیکر کوئی حرج نہیں تک عبارت لکھی ہے۔ اس عبارت کے آگے آتا ہے

وقال يكره وفي الجامع الصغير ذكر قول محمد وحده وله يزكر قول ابى يوسف وانما ذكره القدوري وغيره من المشايخ رحمهم الله اجمعين.  
حضرت صاحبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے جامع صغیر میں صرف امام محمد کا قول مذکور ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کا تذکرہ نہیں ہے ان کا قول امام قدوری رحمہ اللہ اور دیگر مشائخ نے بیان کیا ہے۔

ہم نے ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کر دی ہے جس میں واضح طور پر مردوں پر ریشم حرام ہونے کا ذکر موجود ہے باقی رہا ریشم کے تکیہ کا مسئلہ اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے صاحبین تکیہ کے استعمال اور اس پر سونے کو بھی مکروہ فرما رہے ہیں اور احناف کا مذہب صاحبین والا ہے۔ ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ کرنے کے بعد مسئلہ واضح ہو گیا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف نہیں ہے اب مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں مگر ہم عوام کے لیے نقل کر رہے ہیں۔

امام صاحب جو تکیہ کے جواز کے قائل تھے ان کے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔ مگر احناف کا مذہب بالکل منع کا ہے۔

(فتہ حنفی کی کتاب تین الحقائق شرح کنز الدقائق مراد ہے۔) (کنز الدقائق)

(۱) مولانا محمد حنیف کنگوہی لکھتے ہیں حقائق میں ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ نے قول صاحبین کو لیا ہے اس لیے کہ راشد کا اثر مذکور صحیح بھی ہو تب بھی یہ حدیث حذیفہ سے معارض ہے کہ: حضور ﷺ نے



حریر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے: اس کی صحت اعلیٰ درجہ پر ہے تو ایسی صورت میں ارشاد نبوی کے علاوہ کسی کا قول و فعل نہیں لیا جائے گا۔  
(غلوغ انیس، ابن شرح اردو ہدایہ خیرین ج ۲ ص ۲۸-۲۹)

(۲) درمختار میں ہے:

یحرم لبس الحریر ولو بمأئل بینہ و بین بدنہ علی المذہب الصحیح  
صحیح مذہب میں ریشم کا مرد کے لیے پہننا حرام ہے خواہ کپڑے پر ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) علامہ شامی فرماتے ہیں:

انہ مخالف لها فی المتون الموضوعۃ لنقل المذہب فلا يجوز  
العزل والفتویٰ بہ

یہ روایت متون معتبرہ کے خلاف ہے جو کہ (امام اعظم کے) مذہب کی نقل کے  
لئے وضع کئے گئے ہیں تو اس پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں۔

(۴) نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۱۶۵ میں) اس  
حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تشریح: سونے چاندی کے برتنوں وغیرہ میں کھانے پینے اور ریشمی کپڑے پہننے کے بارے  
میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ ریشمی کپڑے کا استعمال جس طرح مردوں کے لیے حرام  
ہے اسی طرح اس کو بچوں کو بھی پہننا حرام ہے اور پہنانے والوں کو گناہ ہوتا ہے۔ اور حضرت امام اعظم  
ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ریشمی کپڑے کو بچھونے میں استعمال کرنا اور اس پر سونا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا  
۔ اسی طرح اگر ترکیہ کے خلاف اور پردے ریشمی کپڑے کے ہوں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں جب  
کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو مکروہ کہا ہے حاصل یہ ہے کہ  
(حدیث میں مردوں کے لیے ریشمی کپڑے پہننے اور ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی جو ممانعت منقول ہے اس  
میں پہننے کی ممانعت تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک تحریم پر محمول ہے لیکن ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی)  
ممانعت صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو تحریم ہی پر محمول ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک  
تزیہ پر محمول ہے کیونکہ ابھی اوپر ان کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ ریشمی کپڑے کو بچھونے وغیرہ میں  
استعمال کرنے کے مسئلہ میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان

چیزوں میں ریشمی کپڑے کا استعمال بہر حال احتیاط و تقویٰ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ کسی عمل کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے کرنے میں ”کوئی مضائقہ نہیں ہے“ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ ہونے کے شک سے بچنے کے لیے اس عمل کو نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ پرہیزگار و متقی شخص اسی کو کہتے ہیں جو اس کام کو بھی چھوڑ دے جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس خوف کے سبب کہ شاید اس میں کوئی مضائقہ ہو اور یہ ہی معنی اس مشہور حدیث کے بھی ہیں۔

دع مایر بیك الی مایر بیك یعنی اس کام کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کام کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ بہر حال حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو چونکہ ایسی کوئی دلیل قطعی حاصل نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر ریشمی کپڑے پر بیٹھنے یا سونے کو حرام قرار دیا جاسکے اور کپڑے پہننے کی ممانعت میں جو صریح نصوص (یعنی اس کی حرمت کے واضح احکام) منقول ہیں ان کے دائرہ حکم میں ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کا مسئلہ نہیں آتا۔ کیونکہ پہننا اور بیٹھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں کہ پہننے کا اطلاق بیٹھنے پر نہیں ہو سکتا اس لیے انہوں نے اس حدیث میں (ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت کو نہی تنزیہیہ پر محمول کیا ہے۔

(۵) مولانا محمد منظور نعمانی حنفی معارف الحدیث جلد نمبر ۶ ص ۲۹۲ میں لکھتے ہیں۔

مردوں کے لیے وہ کپڑا حرام و ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو۔

(۶) موطا امام محمد مترجم ص ۷۴ تا ۷۵ باب مایکروہ من لبس الحریر والدیبا ج میں ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کسی مسلمان مرد کے لیے روا نہیں کہ وہ ریشم، ریشمی کپڑا یا سونا پہنے۔ یہ تمام چیزیں چھوٹے بڑے مردوں کے لیے ناجائز ہیں عورتوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح حربی مشرک کو بطور تحفہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ ہتھیار یا زرہ دینا ناجائز نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

(۷) مولانا حبیب اللہ مختار حنفی نے المختار شرح کتاب الاثار کے مختلف مقام پر مردوں کے لیے ریشم کا استعمال ناجائز لکھا ہے۔ دیکھئے ص ۶۰۸ ص ۶۰۹ و ۶۱۰ وغیرہ۔

صفحہ ۶۱۱ پر لکھتے ہیں بچوں کو سونا چاندی یا ریشم پہننا مکروہ ہے اس لیے کہ جب مردوں کے لیے اس کا پہننا منع ہے تو اس کا پہننا بچوں کو بھی منع ہے۔ جیسے شراب پینا پلانادونوں حرام ہیں بچہ غیر مکلف ہے اسے پہننے والے کو گناہ ہوگا۔

قارئین کرام حوالے تو بہت ہیں مگر ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں امید ہے کہ آپ کو مسئلہ سمجھ آ گیا ہوگا اب یہ بات رہ رہ جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تکیہ استعمال کرنے اور بیٹھنے کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی تفصیل قاضی خاں کے حوالہ سے مظاہر حق میں گذر چکی ہے۔ کہ امام صاحب کے نزدیک بھی ان دونوں چیزوں کا استعمال بہتر نہیں ہے۔ آپ صرف ان کے استعمال کو قطعی حرام نہیں کہتے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اس مسئلہ میں مختلف ہیں ملاحظہ فرمائیں بعض احادیث

## مسردوں کے لیے سرخ کپڑا پہننے کا حکم

حدیث نمبر ۱:

مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص دوسرخ کپڑے پہنے ہوئے گذرا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہ حدیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو سرخ کپڑا پہننا جائز نہیں۔ اب آپ اس کے معارض یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق کے غلام کا نام عبداللہ تھا، وہ عطاء کے لڑکے کے ماموں تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ تین چیزوں کو حرام کہتے ہیں۔ کپڑوں کے نقش و نگار، کو، سرخ گدس کو اور ماہ رجب کے تمام روزے رکھنے کو، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا آپ نے جو رجب کے متعلق ذکر کیا ہے تو جو شخص دائی روزے رکھتا ہو (وہ رجب کے روزوں کو حرام کیسے کہہ سکتا ہے) باقی رہا کپڑوں کے نقش و نگار کا مسئلہ تو بات یہ ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم کو صرف وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور مجھے یہ خبر تھی کہ نقش و نگار بھی شاید ریشم سے بنائے جاتے ہیں۔ رہا سرخ گدا تو عبداللہ بن عمر کا گدا بھی سرخ رنگ کا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں یہ جوابات لے کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو وہ جوابات بتلائے، حضرت اسماء نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے انہوں نے ایک طیلسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے حضرت اسماء نے کہا یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب

ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا نبی ﷺ اس جبہ کو پہنتے تھے ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفاء طلب کرتے ہیں۔

(مسلم شریف کتاب اللباس والایضہ باب تحریم استعمال)

اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوتیں۔

(۱) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک کسروانی جبہ تھا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس حدیث سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کپڑے پر چار انگلی ریشم کا کام بنوانا جائز ہے۔

(۲) سرخ رنگ کے گدے کا استعمال جائز ہے۔ ہمارا استدلال اصل میں اس بات سے ہے کہ پہلے جو حدیث نقل کی اس میں سرخ رنگ کے کپڑے مردوں کو پہننا درست نہیں تھا مگر اس مسلم کی حدیث سے سرخ رنگ کے گدے کا استعمال کرنا جائز ثابت ہو رہا ہے۔ اسی طرح ریشم کے کپڑے حرام اور تکیہ کا استعمال مباح ہو سکتا ہے۔

(۳) اس حدیث سے بزرگوں کے تبرکات کا ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ اور ان سے بیماروں کو شفاء بھی ہوتی ہے یہ شرک نہیں۔

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کپڑے پر اگر تھوڑی مقدار میں ریشم لگا ہو تو جائز ہے شریعت میں صرف خالص ریشم کا کپڑا بننا ہوا پہننا حرام ہے۔ ہاں اگر کسی کپڑے پر ریشم لگا ہو۔ اور ہو بھی تھوڑی مقدار میں تو وہ کپڑا استعمال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ بالتبع ہوا۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام کو ایک سفر میں ریشم پہننے کی اجازت دی کیونکہ ان کو خارش یا کوئی اور تکلیف لاحق ہو گئی تھی۔ (مسلم کتاب اللباس والایضہ)

حدیث نمبر ۴:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے جوہس کی شکایت کی تو آپ نے ان کو جنگ کے دنوں میں ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ (مسلم کتاب اللباس والایضہ)

## حدیث نمبر ۵:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوریشم کی ایک قبیلہ میں دی گئی آپ نے اس کو پہن کر نماز پڑھی پھر کراہت کے ساتھ اس کو زور سے کھینچ کر اتارا پھر فرمایا کہ یہ متقیوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔  
(مسلم کتاب اللباس والزیئہ)

## حدیث نمبر ۶:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم آذربائیجان میں تھے حضرت عمر نے ہمیں لکھا اے عقبہ بن فرقد تمہارے پاس جو مال ہے اس میں تمہاری کوشش کا دخل ہے نہ تمہارے باپ کی کوشش کا دخل ہے نہ تمہاری ماں کی کوشش کا دخل ہے سو مسلمانوں کو ان کے گھروں پر ان چیزوں سے پیٹ بھر کر کھلاؤ جن سے تم اپنے گھر پر پیٹ بھر کر کھاتے ہو اور تم عیش و عشرت، ہشرکین کے لباس، اور ریشم پہننے سے بچتے رہنا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔ مگر ریشم کی اتنی مقدار جائز ہے یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں درمیانی انگلی اور انکشت شہادت ملا کر بلند فرمائیں زہیر نے بھی اپنی انگلیاں بلند کیں۔ (مسلم)

## حدیث نمبر ۷:

ابو عثمان کہتے ہیں ہم عقبہ بن فرقد کے ساتھ تھے کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم کو صرف وہی شخص پہنے گا جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ ریشم کی اتنی مقدار جائز ہے۔

ابو عثمان نے اپنے انگوٹھے کے ساتھ ملی ہوئی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا پھر جب میں نے طیالہ کی چادر کو دیکھا تو ان انگلیوں کو طیالہ کی چادر میں دیکھا۔ (مسلم)

## حدیث نمبر ۹:

ابو عثمان نبذی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کا مکتوب آیا دریاں حالیکہ اس وقت ہم آذربائیجان میں عقبہ بن فرقد کے پاس تھے یا شام میں تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے لیکن دو انگلیوں کی مقدار کا استثناء کیا ہے ابو عثمان نے کہا ہم نے اس سے نقش و نگار سمجھے۔  
(مسلم کتاب اللباس والزیئہ)



## حدیث نمبر ۹:

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے البتہ دو یا تین یا چار انگلیوں کا استثناء فرمایا ہے۔  
(مسلم کتاب اللباس والزمینہ)

ان روایات میں نقش و نگار کے لیے چار انگلیوں تک ریشم لگانے کی مرد کو اجازت مل گئی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کو بھی لگا ہوا تھا۔ حرام اور ناجائز ہونے کے باوجود چار انگلیوں کی مقدار کپڑے پر لگا کپڑا استعمال کرنے کی اجازت شریعت میں موجود ہے۔

امام صاحب کے خیال میں یہ چار انگلیاں کی اجازت بھی بالتبع ہوئی ہے ویسے نہیں آپ کے نزدیک کسی نہ کسی صورت میں ریشم بالتبع کا استعمال کرنے کا جواز ان روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ اور تکلیف اور گدگد بھی بالتبع ہی میں شامل ہے کیونکہ یہ شخص ریشم کو براہ راست پہن نہیں رہا۔ جب کے اس کی تجارت جائز ہے۔ اگر دوسرے کو تحفہ اور ہدیہ دینا جائز ہے مشرک کو دینا جائز ہے۔ بیماری میں بطور علاج اس کا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خمیز یا شراب کی طرح کا حرام نہیں ہے ان دلائل کی وجہ سے امام صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اگر کوئی استعمال کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ عام حالات میں امام صاحب ریشم استعمال کرنے کا حکم نہیں دے رہے۔ صرف ان دو چیزوں میں تھوڑی نرمی کی ہے اور ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام کے متعلق بعض روایات میں جو آتا ہے کہ انہوں نے کسی نہ کسی شکل میں ریشم کا استعمال فرمایا ہے۔ روایات کی پوزیشن کیسی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بطور احتیاط ان شخصیات کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ باقی آپ کے فرمان کی صحیح توجہ قاضی خاں نے فرمادی ہے جس سے تمام اشکالات ختم ہو جاتے ہیں اگر پھر بھی کسی کی تسلی نہیں ہوتی تو اس کی مرضی۔ ہم تو ایسے مقام پر یہ کہیں گے کہ آپ مجتہد ہیں اگر واقعہ آپ سے کہیں غلطی ہو ہی گئی تو پھر بھی آپ کو ایک اجر تو ملتا ہی ہے۔ اسی لیے علمائے احناف نے بطور احتیاط فتویٰ امام محمد اور امام یوسف کے قول پر ہی دیا ہے۔ باقی یہ سوچنے کی بات ہے کہ امام صاحب نے بھی صرف تکلیف اور

گدے کے استعمال کے متعلق کہہ دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور کسی چیز کے متعلق کیوں نہیں کہا۔

جب ہم ہدایہ کی شروحات کو دیکھتے ہیں تو ان میں ایسی حدیث موجود ہیں جن سے ان دو چیزوں کا کچھ نہ کچھ جواز لگتا ہے۔ (دیکھیے طوابع النیرین شرح ہدایہ آخرین ج۔ ۲ ص ۲۸)

## اعتراض نمبر (۸۶)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** صدقہ فطر کی ادائیگی صرف مسلمان پر ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان النبي ﷺ بعث مناديا في فجاج مكة الا ان صدقة الفطر واجبة على كل مسلم ذكر او انثى حرا او عبدا صغيرا او كبيرا.

(ترجمہ) نبی ﷺ نے مکے کی گلیوں میں ندا کروائی کہ صدقہ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد و غلام چھوٹے اور بڑے پر واجب ہے۔

(ترمذی ج ۱ باب ما جاء في صدقة الفطر صفحہ: ۱۳۶، رقم الحديث ۲۷۷)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر صاعان تمر او صاعان شعير على العبد والحرة والذكر والانثى والصغير والكبير من المسلمين

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا جو کا مقرر کیا ہر مسلمان پر وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔

(بخاری کتاب الزکاة باب فرض صدقة الفطر صفحہ ۲۰۲ و المفظلة، رقم الحديث ۱۵۰۲)

(مسلم ج ۱ کتاب الزکاة باب صلوة الفطر صفحہ ۲۱۶، رقم الحديث ۲۲۷۸)

### فقہ حنفی

یؤدی المسلم الفطرة عن عبده الکافر

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الزکاة باب صدقة الفطر صفحہ ۲۰۶)

(ترجمہ) مسلمان صدقہ فطر ادا کرے گا اپنے کافر غلام کی طرف سے بھی۔

(فقہ وحدیث ص ۱۲۵)

جواب:

راشدی صاحب نے جن دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے ان میں یہ خاص بات کہیں نہیں کہ مسلمان آقا اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ الفطر نہ دے۔ جس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ ان احادیث کے خلاف نہیں ہے۔ فقہ حنفی میں اس مسئلہ کی بنیاد کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

## فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

امام بخاری نے ج ۱ ص ۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ میں ایک باب یوں قائم کیا ہے۔

باب صدقة الفطر على الحر والمملوك

باب آزاد اور غلام پر صدقہ فطر کا واجب ہونا

امام بخاری کے اس باب سے پتہ چلتا ہے کہ غلام مسلمان ہو یا کافر اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اس باب کے تحت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت امام بخاری نے درج کی ہے اس میں بھی مسلمان اور کافر کا فرق موجود نہیں ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کا صدقہ یا یوں فرمایا رمضان کا صدقہ مرد عورت اور آزاد اور غلام ہر ایک پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کا فرض کیا۔ الحدیث

حدیث نمبر ۲:

اس باب کے بعد چھ ایک نیا باب امام بخاری نے قائم فرمایا ہے باب صدقة الفطر على الصغير والكبير باب چھوٹے اور بڑے سب پر صدقہ فطر واجب ہے اس کے تحت بھی ابن عمر کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

آنحضرت نے صدقہ فطر ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور چھوٹے بڑے آزاد غلام سب پر فرض کیا۔

اس میں بھی سب غلام آگئے چائیں وہ کافر ہو یا مسلمان کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق

(بخاری کتاب الزکوٰۃ)

والحر والمملوك فرمایا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلام اور باندیاں تو کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے ان پر صدقہ فطر کیسے واجب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مالک ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے گا۔  
حدیث نمبر ۳:

مسلم شریف ج ۳ ص ۳۱۶ کتاب الزکوۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

قال ليس في العبد صدقة الا صدقة الفطر

نبی کریم ﷺ نے فرمایا غلام پر زکوۃ (ادا کرنا واجب) نہیں ہے۔ مگر صدقہ فطر (ادا کرنا واجب) ہے۔ اس حدیث میں بھی مسلمان کی قید موجود نہیں۔

حدیث نمبر ۴:

جعفر بن محمد (یعنی امام جعفر صادق بن امام محمد باقر) اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے چھوٹے اور بڑے اور آزاد اور غلام غرض ہر اس شخص سے جو تمہاری عیال داری میں ہوں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم کیا ہے۔ (تلفیض الحیوۃ) (مند امام شافعی مترجم جلد ۲ ص ۴۰۷)

احناف کے نزدیک ہر قسم کے مملوک کی طرف سے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر صدقہ فطر ادا کرنا مالک کے ذمے ضروری ہے جس پر وہ روایات دال ہیں جن میں عن المسلمین کا لفظ نہیں)

حدیث نمبر ۵:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا صدقہ فطر ہر چھوٹے اور بڑے مذکر اور مؤنث یہودی اور عیسائی (غلام) آزاد اور غلام کی طرف سے ادا کیا جائے گا جو گندم کا نصف صاع ہو گا یا کھجور کا ایک صاع ہو گا یا جو کا ایک صاع ہو گا۔

(سنن دارقطنی مترجم جلد ۵ ص ۳۵۴ کتاب زکوۃ الفطر)

اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی سلام طویل پر کچھ جرح بھی موجود ہے۔ مگر اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کافر غلام کی طرف سے صدقہ الفطر ادا کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۶:

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۹۹ میں ایک حدیث ہے جس میں آتا ہے۔ ما قلو ا فی

العبد النصرانی يعطى عنه۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ فطر کو فرض کیا

ایک صاع جو سے یا ایک صاع کھجور سے چھوٹے اور بڑے پر اور آزاد اور غلام پر۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر علی الصغیر والکبیر ج۔ ۱ ص ۲۰۵)

اس حدیث میں والمملوک مطلق ہے۔ یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

رسی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے جواب کی کوئی خاص ضرورت

نہیں رسی راشدی صاحب کا استدلال مسلمین کے لفظ سے ہے۔ مگر ایسی بہت سی روایات بھی مروی ہیں

جن میں مسلمین وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ جب احناف کے پاس مستقل دلائل موجود ہیں تو پھر یہ کہنا کہ

احناف کا مذہب حدیث کے خلاف ہے غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے۔ درس ترمذی ج ۲ ص ۵۰۴ تا ۵۰۹)

## اعتراض نمبر ۸۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اگر ظہر پانچ رکعت پڑھا دیں تو دو سجدے سہو کافی ہوں گے۔

### حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر خمساً فقیل

لہ ازید فی الصلاة قال وما ذالك قالوا اصلیت خمساً فسجد سجدتین۔

(ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ کیا نماز

زیادہ ہو گئی ہے۔ فرمایا کیوں؟ بتایا گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پانچ رکعتیں

پڑھائیں ہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کئے۔

(بخاری کتاب التہجد باب اذا صلی خمساً صفحہ ۱۶۳، رقم الحدیث ۱۴۴۶)

(مسلم کتاب المساجد باب السہو فی الصلاة والجود صفحہ ۲۱۴، رقم الحدیث ۱۴۸۱)



## فقہ حنفی

وان قید الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا

(ہدایہ اولین ۱۷ ص ۱۵۹ کتاب الصلاة باب سجود السهو)

(ترجمہ) پانچویں رکعت پر بھلی تو ہم (احناف) کے نزدیک اس کی پوری فرض نماز باطل ہوگئی۔  
(فقہ و حدیث ص ۱۲۶)

جہاں:

اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں آخری قعدہ میں بیٹھنا فرض ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ چوتھی رکعت میں قعدہ کے لیے بیٹھے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہو جانے سے فرض نماز ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ آخری قعدہ جو کہ فرض ہے فوت ہو گیا ہے بلکہ اس صورت میں یہ نماز نفل ہو جائے گی۔ جب یہ دونوں قاعدے مسلم ہیں تو فقہی نقطہ نظر سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے۔ کہ روایت میں مذکور واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت میں قعدہ کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ جب یہ روایت اس بارے میں خاموش ہے اور بیٹھنے یا نہ بیٹھنے سے کسی قسم کی بھی تصریح نہیں کرتی تو ایک محتفل امر کی بنا پر امام ابوحنیفہ کے فقہ و روایت کے لحاظ سے مضبوط مسلک پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

## اعتراض نمبر ۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** نفل پڑھنے والے کی اقتداء، فرض پڑھنے والے کے لیے جائز ہے۔

## حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال کان معاذ یصلی مع النبی ﷺ ثم یاتی قومہ فیصلی بہم۔

(ترجمہ) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز

ادا کرتے، پھر اپنی قوم میں جاتے اور ان کو نماز پڑھاتے، (یعنی دوسری نماز معاذ

رضی اللہ عنہ کے لیے نفل ہوتی اور دوسری جماعت کے لیے فرض۔)

(بخاری ج ۱ کتاب الاذان باب اذا صلی ثم اقموا صفحہ ۹۸، رقم الحديث ۱۰۱۱، مسلم ج ۱ کتاب الصلاۃ باب  
القرآن فی العشاء صفحہ ۱۸، رقم الحديث ۱۰۴۰)

## فقہ حنفی

### ولا یصلی المفترض خلف المتفل

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب الامامة صفحہ ۱۲)

(ترجمہ) فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے (نماز) نہیں پڑھ سکتا۔

(فقہ وحدیث ص ۷۷)

### جواب:

راشدی صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کس نیت سے پڑھتے تھے کیونکہ نیت تو ایک باطنی امر ہے اس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا جب تک نیت کرنے والا خود نہ بتائے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا طریقہ سیکھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر برکت حاصل کر سکیں اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر فرض نماز پڑھاتے ہوں جب اس بات کا بھی احتمال ہے تو دوسرے حضرات کا استدلال درست نہ ہوگا۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے فعل کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ ہے زیادہ بہتر ہوگا ایک ایسے معنی پر محمول کرنے سے جو مختلف فیہ ہے چنانچہ نفل نماز کی نیت کے ساتھ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جو فرض نماز پڑھا رہا ہو بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن نفل نماز پڑھانے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف، مالک، حنابلہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

اگر غیر مقلدین اس بات پر ہی بضد ہوں کہ وہ فرض نماز ہی پڑھ کر جاتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا علم ہوا آپ علیہ السلام نے منع فرمادیا۔

جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے

عن معاذ بن رفاعۃ عن سلیم بن رجل من بنی سلمۃ قال رسول اللہ

ﷺ یا معاذ بن جبل لا تکن فتناً اماناً ان تصلی معی و اماناً ان تخفف

(مسند احمد ج ۵ ص ۷۲)

علی قومک۔

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے معاذ بن جبل

! یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور یا پھر اپنی قوم کے ساتھ ملکی نماز پڑھو۔

اس کا معنی یہی ہے کہ یا تو تم فرض نماز میرے ساتھ پڑھو اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ

فرض نہ پڑھو، اور یا میرے ساتھ فرض نہ پڑھو تا کہ وہ تمہارا انتظار نہ کریں۔

چنانچہ امام عبدالسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جو اکابر حنابلہ میں سے ہیں (صاحب مفتی) کہتے ہیں۔

وقد اجتج به بعض من منع اقتداء المفترض بالمتنفل قال لانه

يدل على انه متى صلى معه امتنعت امامته وبالإجماع لا تمتنع

صلاة النفل معه فعدم انه اراد بهذا القول صلاة الفرض وان

الذي كان يصلي معه كان ينويه نفلا۔ (مفتی مترجم ص ۵۷۸)

(ترجمہ) جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز کو درست نہیں

قرار دیتے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث میں دلالت ہے

اس بات پر کہ فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی

کیونکہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو پھر ان کی

امامت ممنوع ہوگی حصر والی تقسیم کا یہی مقتضی ہے۔

اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے، اگر وہ آپ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھیں تو پھر ان

کی امامت ممنوع نہ ہوگی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مامور تھے، کہ وہ اپنی قوم

کو امامت کرائیں تو ظاہر ہے وہ فرض نماز یقیناً اپنی قوم کے ہمراہ جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔

(شرح نفاہج ص ۸۸)

اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کام حضور اکرم ﷺ کی اجازت

سے کیا ہوا اور حضور اکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو۔ اور نفل کی

نیت سے اپنے مقتدیوں کو پڑھا دیا کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا عمل تھا مگر جب حضور

اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو منع فرما دیا۔

## اعتراض نمبر ۸۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** نماز میں شک میں مبتلا ہونے والا یقین پر بنا کرتے ہوئے نماز مکمل کر کے سجدہ سہو کر لے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شک احدکم فی صلاتہ ولم یدر کم صلی ثلاثا ام اربعا فلیطرح الشک ولیبین علی ما استیقن ثم لیسجد سجدتین قبل ان یسلم۔

(ترجمہ) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو اور اس کو پتہ نہ چلے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو اس کو چاہیے کہ شک کو دور کرے اور یقین پر بنا کرتے ہوئے سلام سے قبل سجدہ سہو کرے۔

(مسلم ج ۱ کتاب المساجد باب الصلوۃ صفحہ ۲۱۱، رقم الحدیث ۱۲۷۲)

### فقہ حنفی

ومن شک فی صلوۃ فلم یدر ثلاثا صلی ام اربعا وذلک اول ما عارض استأنف

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب السجود صفحہ ۱۶۰)

(ترجمہ) یعنی جس کو اپنی نماز میں شک ہو اور اس کو پتہ نہ چل سکے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور یہ کیفیت نماز کے شروع میں ہو تو اس کو چاہیے کہ نماز توڑ دے اور نئے سرے سے نماز شروع کرے۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۸)

**جواب:**

پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب غیر مقلد نے فقہ حنفی کا پورا مسئلہ نقل نہیں کیا آپ نے جو عبارت ہدایہ کی نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مسلک کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس شخص کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اسکو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کر لے جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑھیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کمتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ تین رکعتیں شمار کرے۔

ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کر لے پھر سجدہ سہو کر لے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارہ میں غالب گمان رکھے کہ ادھر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔

غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں احادیث بھی ملتی ہیں چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کر کے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز پوری کر لے اس حدیث کو شمس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے۔ نیز جامع الاصول میں بھی نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث تحریر (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارہ میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں تحریر کی افادیت کے سلسلہ میں یہ کہتے ہوئے کہ تحریر کے سلسلہ میں بہت آثار وارد ہیں بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے: یعنی تحریر کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑی مشکل ہوگی اور ہر شک و شبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانیوں کا باعث بن جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر مسئلہ مذکور کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا



ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے۔ دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لیے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کر لے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو پہلی مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔ دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔ (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۶۷۱ و ۶۷۲)

قارئین کرام ہم نے مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے مظاہر حق سے کافی لمبی عبارت نقل کر دی ہے۔ اب زیادہ ضرورت تو نہیں کہ ہم کچھ مزید عرض کریں مگر ہمیں واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو خندی قسم کے ہیں۔ اس لیے ہم ایسی تینوں قسم کی روایات کا بحوالہ ذکر بھی کر دیتے ہیں جن کا ذکر شیخ عبدالحق نے فرمایا ہے۔ اور وہ تینوں قسم کی روایات ہدایہ میں بھی موجود ہیں۔

پہلی قسم کی حدیث:

اگر کسی شخص کو پہلی بار اپنی نماز میں شک ہوا ہو تو ایسا شخص نماز از سر نو پڑھے مولانا راشدی صاحب نے ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کے آگے صاحب ہدایہ نے حدیث سے اس مسئلہ کی دلیل بھی نقل کی تھی جو مولانا نے نقل نہیں کی۔ اگر نقل کر دیتے تو اعتراض خود ہی ختم ہو جاتا۔ ہم یہاں پر ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مولانا راشدی صاحب کی خیانت کا علم بھی ہو جائے گا اور حدیث کا یہ بھی چل جائے گا ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ومن شك في صلاته فلم يدرك ثلاثا صلى؛ لم اربعا وذلك اول

معارض له. استأنف لقوله عليه السلام إذا شك أحدكم في صلاته

أنه كم صلى فليستقبل الصلاة

(ترجمہ) اور جس شخص کو اپنی نماز میں شک ہو گیا۔ چنانچہ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس نے تین رکعات پڑھی یا چار اور یہ شک اسے پہلی مرتبہ عارض ہوا ہے تو وہ۔۔۔ شخص از سر نو نماز پڑھے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو اس کی نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہے تو وہ از سر نو نماز پڑھے۔ (ہدایہ باب بخود اسو)

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے درایہ میں اور ہدایہ کی دیگر شروحات میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ علاوہ انور شاہ کشمیری نے العرف الشذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۳۴۰ میں بھی نقل کی ہے۔ اس حدیث کے علاوہ بھی متعدد روایات سے یہ مفہوم نکلتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس قسم کی روایت نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عمر فی الذی لایدری ثلاثا صعی او اربعاً قال: بعید حتی یحفظ  
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۸ ج ۲ باب من قال اذا شک فلم یدر کم منی اعاد)

(ترجمہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جو شخص یہ نہ جانے کہ تین پڑھیں یا چار وہ اعادہ کرے یہاں تک کہ ٹھیک یاد ہو۔

حدیث نمبر ۲:

عن ابن سیرین عن ابن عمر قال: لما انا فاذا لحد اور کہہ فلیت فانی لعیید  
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷ ج ۲ باب من قال اذا شک فلم یدر کم منی اعاد)

(ترجمہ) ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب میں شک کرتا ہوں کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی تو اعادہ کر لیتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر، ابن الجبیر اور قاضی مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ (دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ باب من قال اذا شک فلم یدر کم منی اعاد)

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی یہی مروی ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ اور امام طاووس رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔

ان دلائل سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ امام صاحب کے حوالہ سے صاحب ہدایہ نے جو بات ذکر کی اس کی کچھ نہ کچھ اصل روایات میں موجود ہے۔ اور امام صاحب بھی جس شخص کو زندگی میں صرف پہلی بار شک ہوا ہو اس کے متعلق یہ کہتے ہیں ہر شک والے کا یہ حکم نہیں۔ دوسری بات احناف کے ہاں اس طرح کرنا یعنی از سر نو نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت صرف جواز کی حد تک ہے اور وہ بھی اس مسئلہ میں وارد ان احادیث و آثار مذکورہ کی وجہ سے امام ترمذی نے بھی یہ بات نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں اور کہا بعض علماء نے جب شک کرے نماز میں تو پھر دوبارہ پڑھے۔ (ترمذی باب فیمن یثک فی الذیادۃ و الاستقصان)

## دوسری قسم کی حدیث

صاحب ہدایہ اس عبارت کے آگے لکھتے ہیں (ترجمہ ملاحظہ فرمائیں) اور اگر مصلیٰ کو زیادہ شک پیش آتا ہو تو وہ اپنی اکبرائے کے مطابق بناء کر لے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کو اس کی نماز میں شک ہو جائے وہ درنگی کی تحری کرے (یعنی غالب گمان کرے)۔ پھر جس طرف اس کا غالب گمان ہو اس پر عمل کرے)

یہ اس مسئلے کا دوسرا جزاء ہوا اور صاحب ہدایہ نے اس کی دلیل بھی ساتھ نقل کر دی ہے وہ مکمل حدیث اس طرح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی ابراہیم نے کہا مجھے پتا نہیں اس نماز میں آپ ﷺ نے کچھ زیادتی کی یا کمی کی پس جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے آپ ﷺ نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے صحابہ نے کہا آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے آپ نے اپنے پیروؤں کو اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا لیکن میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں میں اس طرح بھولتا ہوں میں جس طرح تم بھولتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے غور کر کے صحیح بات معلوم کرنی چاہیے (واذا شک احدکم فی الصلوۃ

فلیتحری الصواب) پھر اپنی نماز پوری کرنی چاہیے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرنے چاہئیں۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبۃ حیث کان حدیث نمبر ۴۰۱)

بخاری میں اس باب کے علاوہ بھی چار اور مقابلات پر یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔ یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن الکبریٰ بیہقی، المستدرک ابن جارود، صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی، مسند احمد، جامع المسانید ابن جوزی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس حدیث سے احناف کا مذہب تحرری کرنا ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث کے علاوہ بھی تحرری کرنے کی احادیث مروی ہیں بعض کا ذکر مظاہر حق کی عبارت میں گذر چکا ہے۔ غلامہ یعنی نے لکھا ہے کہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا قول ہے کہ شک کرنے والا تحرری کرے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں فرمائی اور یہی اصول کی روایت ہے۔ (عمینی شرح ہدایہ)

## تیسری قسم کی حدیث

اس مسئلہ کا تیسرا جز یہ ہے کہ جس پر یقین ہو اس پر عمل کرے یا اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کی تحرری کسی بات پر نہ جھے یعنی غلبہ ظن حاصل نہ ہو تو کیا کرے۔ اس کے متعلق صاحب ہدایہ آگے فرماتے ہیں۔ اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین پر بناء کرے اس لیے کہ آپ نے فرمایا کہ جسے اپنی نماز میں شک ہو گیا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہے یا چار تو وہ شخص اقل پر بنا کرے۔ یہ حدیث ترمذی کتاب الصلاۃ باب فیمن شک فی الزیادۃ والنقصان میں حضرت عبدالرحمن بن عوف سے اس طرح مروی ہے۔

روایت ہے عبدالرحمن بن عوف سے کہا سنا میں نے نبی ﷺ سے فرماتے تھے جب بھول جاوے کوئی شخص نماز میں اور نہ جانے کہ دو پڑھیں یا ایک یعنی رکعتیں تو ایک قرار دے اور اگر نہ جانے کہ دو پڑھیں یا تین تو دو قرار دے اور اگر نہ جانے کہ تین پڑھیں یا چار تو تین قرار دے اور جو باقی ہو سو پڑھ کر آخر میں دو سجدے کرے قبل السلام کے۔

دوسری حدیث:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے اور پتہ نہ چلے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہے یا چار تو شک کو ساقط

کر دے اور جتنی رکعات کا یقین ہو اس کے مطابق نماز پڑھے اور سلام سے پہلے دو سجدے کر لے اور اگر اس نے (واقع میں) پانچ رکعت پڑھی ہیں تو ان دو سجدوں کے ساتھ چھ رکعات ہو جائیں گی۔ اور اگر چار رکعات پڑھی ہیں تو یہ دو سجدے شیطان کی ذلت کا سبب ہو جائیں گے۔

(مسلم باب السہو فی الصلوٰۃ والجمود)

ہم نے تینوں قسم کی احادیث نقل کر دی ہیں۔ اس لئے کہ کسی کے خیال میں آئے کہ شیخ عبدالحق نے یہ کہا ہے مگر نقل نہیں کیں۔ ویسے ہمیں تو اول قسم کی ضرورت تھی کیونکہ مولانا راشدی صاحب کو صرف اسی پر اعتراض تھا۔

رہی وہ روایت جو راشدی نے نقل کی ہے ہم اس کے مخالف نہیں ہم اس کا وہ مفہوم لیتے ہیں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے بیان کیا ہے۔

## اعتراض نمبر ۹۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر ٹکانا ضروری ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی ”صفة الصلوة النبویہ“ والی حدیث میں ہے کہ: ثم سجد فامکن انفه وجہتہ الارض۔

(ترجمہ) پھر آپ نے سجدہ کیا اور سجدہ میں اپنی ناک اور اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکایا۔

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب افتتاح الصلاۃ صفحہ ۱۱۲، رقم الحدیث ۴۲۳)

لا صلاۃ لمن لم یمس انفه للارض۔

(مستدرک حاکم کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۰، رقم الحدیث ۹۹۷، طبۃ دار الفکر بیروت)

(ترجمہ) جس نے سجدہ میں اپنی ناک کو زمین پر نہ لگایا تو اس کی نماز نہیں ہے۔

(فتوہ مدیث ص ۱۲۹)

### فقہ حنفی

فان اقتصر علی احدهما جاز عند ابی حنیفہ

(ہدایہ، اولین کتاب الصلاۃ باب صفة الصلاۃ صفحہ ۱۰۸)



(ترجمہ) جس نے ان دونوں (ناک اور پیشانی) میں سے کسی ایک کو زمین پر رکھا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔  
(فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۹)

جواب:

راشدی صاحب نے احناف کا مسلک صحیح نقل نہیں کیا ہمارا صحیح مسلک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حنفی لکھتے ہیں:

اس بات پر اتفاق ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے۔ یدین۔ رکتین قدیمین اور وجہ، پھر وجہ میں تفصیل ہے اس پر تو اتفاق ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا مسنون ہے۔  
(درس ترمذی جلد دوم ص ۵۱)

(۲) مولانا محمد سرفراز خان صغدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

صحیح بات یہی ہے کہ انف وجہۃ دونوں پر سجدہ ضروری ہے۔ (غزوان السنن ج ۲ ص ۱۱۳)

(۳) مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ حنفی لکھتے ہیں۔

(۱) مسائل سجدہ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جبہ (پیشانی) اور ناک دونوں پر سجدہ کرنا فرض ہے۔  
(نماز مسنون کلاں ص ۳۶)

(۲) مسئلہ بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنے سے نماز ادا نہ ہوگی اور پیشانی پر اکتفاء مکروہ تحریمی ہے۔  
(نماز مسنون کلاں ص ۳۶)

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کے مخالف ہدایہ کی عبارت کی تشریح فقہ کی دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ وہاں پر دیکھ لیں تسلی ہو جائے گی۔

## اعتراض نمبر ۹۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: کھجور کی بیج کھجور کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ سود ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر

(ترجمہ) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا، چاندی، گندم، جو کھجور، نمک، ان سب کا لین دین جنس کے برے جنس کیساتھ نیز برابری کیساتھ اور ہاتھوں ہاتھ کیا جائے۔

(مسلم ج ۲ کتاب المساقاۃ والمزارعة باب الصرف ویب ۱۶ الورق نقد اصفحہ ۲۵ رقم الحدیث ۴۰۲۳)

### فقہ حنفی

و یجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمر بالتمر تین

(ہدایہ اخیرین ج ۲ کتاب البیوع باب العربیہ اصفحہ ۸۱)

(ترجمہ) ایک انڈے کی دو انڈوں کے ساتھ اور ایک کھجور کی دو کھجور کے ساتھ

(فقہ وحدیث ص ۱۳۰)

بیع کرنا جائز ہے۔

جہاں:

فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے علمائے احناف کی تمام قرآن کی تفاسیریں، احادیث کی شروحات کتب فقہ کی تشریحات پر مشتمل کتابیں اس کی شاہد ہیں نیز تقریباً تمام فتاویٰ جات اور اس کے علاوہ علمائے احناف نے حرمت سود پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی دیوبندی کی کتاب مسئلہ سود پڑھ لے تو اس کی تسلی ہو جائے گی۔ اس کتاب میں ایسی تمام آیات جن کا تعلق مسئلہ سود سے ہے سب کا ترجمہ و تفسیر بیان کی گئی ہے۔ پھر حرمت سود پر مکمل چالیس احادیث ترجمہ و تشریح کے ساتھ لکھی ہیں۔ پھر ان کے بیٹے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے تجارتی سود پر بہترین کتاب تالیف فرمائی۔ مفتی تقی عثمانی نے حرمت سود ایک فیصلہ بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کئی کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں جن میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔ علمائے احناف سود کو قطعی طور پر حرام کہتے ہیں مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

بیع اور بوی میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

(تفسیر عثمانی ص ۵۹)

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اول تو سود مطلقاً حرام و قبیح اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع و قبیح ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۶)

(۳) ہدایہ شریف میں بھی سود کو حرام لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

قال الربا محرم في كل مكيل او موزون اذا بيع بمجنسه متعاضلا.  
فالعلة عندنا الكيل مع الجنس. او الوزن مع الجنس قال رحمة الله  
عليه ويقال القدر مع الجنس وهو اشمل والا صل فيه الحديث  
المشهور وهو قوله عَلَيْهِ السَّلَامُ وعد الاثياء الستة الحنطة والشعير  
والتمر والبلح والذهب والفضة. الخ

(ترجمہ) فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز میں ربوا (سود) حرام ہے جو مکیلی یا وزنی ہے  
بشرطیکہ اسے اس کی ہم جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچا جائے چنانچہ ہمارے  
یہاں ربوا (سود) کی علت کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے۔ (صاحب ہدایہ  
فرماتے ہیں) کہ قدر مع الجنس کو بھی علت قرار دیا جاتا ہے اور یہ زیادہ شامل ہے۔

اور اس سلسلے میں اصل وہ حدیث مشہور ہے جس میں آپ ﷺ نے الحنطة بالحنطة الخ کا  
مضمون بیان فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے چھ چیزیں شمار فرمائیں ہیں (۱) گیہوں (۲) جو (۳) کھجور  
(۴) نمک (۵) سونا (۶) چاندی

اور حدیث دو طرح سے مروی ہے ایک رفع کیساتھ یعنی مثل اور ایک نصب کیساتھ یعنی مثلاً۔  
اول کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کی بیج برابر ہے اور ثانی کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کو کھجور کے عوض برابر سرا بر پیچو، اور  
عکم باجماع مجتہدین علت کیساتھ ہے لیکن ہمارے نزدیک علت وہ ہے جو ہم نے بیان کی۔

ہدایہ کی اس عبارت سے سود کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جن چھ چیزوں کا ذکر راشدی  
صاحب نے کیا ہے ان ہی کا صاحب ہدایہ نے بھی کیا ہے۔

(۴) مفتی عبداللیم قاسمی حنفی نے ہدایہ کا ترجمہ و شرح احسن البدایہ کے نام سے کیا ہی وہ ہدایہ کی  
اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

علت ربوا کے سلسلے میں معتد اور بنیاد وہ حدیث شریف ہے جس میں آپ ﷺ نے چھ چیزوں کو  
شمار فرمایا کہ انہیں برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور کمی اور زیادتی کو آپ نے ربوا سے تعبیر کیا  
ہے۔ لہذا ان ہفتہ چیزوں کی علت جہاں بھی موجود ہوگی وہاں کمی بیشی ربوا ہوگی اور حرام و ناجائز ہوگی۔

کتاب میں تو حدیث پاک کا ایک ٹکڑا موجود ہے لیکن کتب حدیث میں تقریباً ۱۶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی حدیث وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

قال قال النبي ﷺ الذهب بالذهب مثلاً بمثل والفضة بالفضة مثلاً بمثل والتمر بالتمر مثلاً بمثل وابر بالبر مثلاً بمثل، والملح بالملح مثلاً بمثل والشعير بالشعير ثلاث مثلاً بمثل فمن راداً واستزاد فقد اربى وبيعوا البر بالشعير كيف شئتم يداييدا .

(الحسن الہدایہ جلد ۸ ص ۳۰۴)

(۵) مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جو خفیوں کی مشہور اردو شرح ہے۔ اس میں بڑی تفصیل سے سود کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ جو حدیث تعارض کے طور پر راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کی شرح میں سود کی حرمت پر کافی بحث موجود ہے۔ (دیکھئے: جلد نمبر ۳ ص ۶۸-۷۰)۔

ان حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ خفی اس حدیث کو مانتے ہیں راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ خفی مذہب اس حدیث کے خلاف ہے بالکل جھوٹ ہے۔

اب اس عبارت کا جواب ملاحظہ فرمائیں جو راشدی صاحب نے پیش کی ہے۔ ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے۔

اور جائز ہے ایک انڈے کی بیج دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی بیج دو کھجوروں کے عوض اور ایک آخروٹ کی بیج دو آخروٹ کے عوض۔ کیونکہ معیار مفقود ہے تو ربوا متحقق نہ ہوگا۔

اس کی شرح میں مولانا محمد حنیف کنگوہی لکھتے ہیں:

ایک انڈے کی بیج دو انڈوں کے عوض جائز ہے۔ کیونکہ معیار شرعی مفقود ہے یعنی اشیاء مذکورہ

(خلوع النیرین ج ۱ ص ۳۲۶)

نہ کیلی ہیں نہ وزنی لہذا ربوا متحقق نہ ہوگا۔

کیلی کا مطلب ہے ناپنے والی اشیاء اور وزنی کا مطلب ہے تولنے والی اشیاء شریعت میں

ناپ نے والا پیمانہ یعنی برتن سب سے کم درجے کا جو ہوتا ہے وہ مد ہوتا ہے مد سے کم کوئی پیمانہ نہیں۔

جب آپ کسی سے ناپ کا معاملہ کریں گے تو کم از کم ایک مد کے کیل کا اعتبار کریں گے۔ اگر اس کا اعتبار

نہ کیا جائے تو حدیث میں صلاہمہ کی جو صراحت ہے وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے جب ان کیلی اشیاء میں جس کے ساتھ کم از کم ایک مدکیل کا اعتبار ہے تو جو اسرا اس معیار سے کم ہے یعنی ایک مد سے کم ہے یا جو جس ہونے کے باوجود کیلی یا وزنی نہیں تو ان میں سود کی علت نہیں پائی جاتی اس لیے ان میں سود کا حکم نہیں پایا جاتا اس بات کو صاحب ہدایہ نے یہاں بیان کیا ہے۔

راشدی کو یا تو ہمارے مسلک کی واقعی خبر نہیں یا پھر انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے میرے خیال میں تو جان بوجھ کر وہ ایسا کرتے ہیں حنفی مذہب میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔  
معلیٰ نے امام محمد سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ان کے نزدیک بیع تمر بالتمرین مکروہ ہے۔ نیز امام محمد کا قول ہے کہ جوئی کثیر میں حرام ہے وہ اس کے قلیل میں بھی حرام ہے شیخ کمال الدین نے فتح القدیر میں امام محمد کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔  
(طوٰع انبیز میں شرح ہدایہ آخرین ج ۱ ص ۳۲۶)

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک لپ (گندم وغیرہ) دو لپ کے بدلہ میں اور ایک کھجور کی دو کھجوروں کے بدلہ میں بیع سے بچنا بہتر ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ دلیل کے لحاظ سے کمزور ہے۔ بلکہ خلاف سے نکلنے کے لیے ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۱۴ ص ۲۶۴ بحوالہ انکشاف حقیقت ص ۳۳۵)  
(تفصیل کے لیے دیکھئے الشرح شمسی علی مختصر للقدوری ج ۲ ص ۷۲ تا ۸۳ باب الربو)

## اعتراض نمبر (۹۲)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** جمع بین الصلاتین میں ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی۔

**حدیث نبوی ﷺ**

جاء الوداع کے قصے میں ہے کہ آپ ﷺ جب مزدلفہ پہنچے:

فجمع بها المغرب والعشاء بأذان وإقامتين۔

(الصحيح المسند كتاب الحج باب حجة النبي ﷺ ج ۱ ص ۳۹۴، رقم الحديث ۳۹۵۰)

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے جمع کیا مغرب اور عشاء کو ایک اذان اور دو

اقامتوں کے ساتھ۔ (فتاویٰ حدیث ص ۱۳۱)



## فقہ حنفی

ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء بأذان واقامة واحدة

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الحج باب الاحرام صفحہ ۲۴۷)

(ترجمہ) امام نماز پڑھائے لوگوں کو مغرب اور عشاء ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں کسی میں آتا ہے کہ ہر نماز کے لیے اذان بھی دی جائے گی اور اقامت بھی کہی جائے گی۔ اور کسی میں آتا ہے ایک اذان اور دو تکبیروں سے دونوں نمازیں پڑھیں گے اور کسی روایت میں آتا ہے کہ ایک اذان اور ایک ہی تکبیر سے دونوں نمازیں پڑھیں گے راشدی صاحب نے صرف دو تکبیروں والی روایت نقل کر دی اور ایک تکبیر والی کا ذکر نہیں کیا فقہ حنفی کا عمل ایک تکبیر والی احادیث کے مطابق ہے۔

## فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

روایت ہے عبد اللہ بن مالک سے کہ البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی مزدلفے میں اور ملا کر پڑھیں دو نمازیں ایک تکبیر سے اور فرمایا دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے ہوئے اس مکان میں۔ (ترمذی مترجم جلد اول ص ۳۳۵ ترجمہ علامہ بدیع الزماں غیر منقول ابواب الحج باب ما جاء فی الجمع بین المغرب والعشاء)۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی۔ آپ نے مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ (مسلم کتاب الحج باب الاقامة من عرفات الى المزدلفة)

حدیث نمبر ۳:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے حتیٰ کہ

مزدلفہ پہنچے وہاں انہوں نے ہمیں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ پڑھائیں پھر واپس لوٹے اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ اسی طرح ہمیں نماز پڑھائی تھی۔

(مسلم کتاب الحج باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفہ)

حدیث نمبر ۴:

عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں عبداللہ بن عمر کے ساتھ پڑھیں تو ملک بن الحارث نے ان سے کہا یہ کس طرح کی نماز ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو اسی جگہ پڑھا تھا ایک تکبیر سے۔

(ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بجمع)

حدیث نمبر ۵:

سعید بن جبیر وعبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عمر کے ساتھ مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء پڑھی ایک تکبیر سے۔

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بجمع)

حدیث نمبر ۶:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور ان کے درمیان کسی قسم کی نماز نہیں پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۶۸)

حدیث نمبر ۷:

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات ایک اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔

(نصب الرایۃ ج ۳ ص ۶۹)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھے اور مغرب اور عشاء کے درمیان کسی قسم کی نفل نماز نہ پڑھی جائے حضور اکرم ﷺ کا یہی عمل ہے۔ اور احناف کا بھی یہی مختار مسلک ہے۔ باقی رہی وہ حدیث جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اگر مغرب اور عشاء کے درمیان کسی قسم کا وقفہ کر دیا جائے مثلاً کھانا کھانے کا یا اونٹ وغیرہ بٹھانے کا تو پھر عشاء کی نماز کے لیے دوبارہ اقامت

کہی جائے تاکہ جو لوگ ادھر ادھر ہو چکے ہیں وہ نماز کے لیے حاضر ہو جائیں صاحب ہدایہ نے ایک عقلی دلیل بھی نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عشاء اپنے وقت پر پڑھی جا رہی ہے اس لیے الگ سے اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ لوگ تو عشاء کے لیے پہلے سے منتظر ہی ہیں اس کے برخلاف عرفہ میں عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی جا رہی ہے اس لیے لوگوں کو مزید بتلانے کے لیے کہ عصر کی نماز ابھی ہی ہو رہی ہے عصر کے لیے الگ سے اقامت کہی جائے گی۔

### اعتراض نمبر (۹۳)

پیر بلع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** زندہ جانور کے بدلے گوشت کی بیع ممنوع ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ ﷺ کان یمنی عن بیع اللحم بالحيوان  
(ترجمہ) سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ زندہ  
جانور کے بدلے گوشت کی بیع سے روکتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب البیوع باب بیع اللحم بالحيوان (۲۹۷-۲۹۸) طبعہ نشر السنہ ملتان)  
(سنن الدارقطنی کتاب البیوع ج ۲ ص ۶۵، رقم الحدیث ۳۰۳۳ طبعہ دار المعرفۃ بیروت) (مؤطا امام  
مالک ج ۲ ص ۶۵، رقم الحدیث ۱۳۳۵، طبعہ دار الحیاء التراث العربی) (شرح السنۃ للبیہقی کتاب البیوع  
باب بیع اللحم بالحيوان ج ۸ ص ۶۶، رقم الحدیث ۲۰۶۶، طبعہ المکتب الاسلامی بیروت)

### فقہ حنفی

#### و یجوز بیع اللحم بالحيوان

(ہدایہ اخیرین ج ۳ کتاب البیوع باب الربوا صفحہ ۸)

(ترجمہ) زندہ جانور کے بدلے گوشت کی بیع جائز ہے۔

(فتاویٰ حنفیہ ص ۱۳۲)

### جہاں:

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کی شرح میں نواب قطب الدین خان محدث

دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملہ (یعنی گوشت کہ اس کا لین دین وزن کے ذریعہ ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزون چیز (یعنی جانور کا اس کا لین دین وزن کے ذریعہ نہیں ہوتا) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کی یہ صورت جائز ہے ہاں اس صورت میں چونکہ لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے اس لیے حدیث میں مذکور بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جبکہ لیکن دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہو۔ (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ج ۳)

قاری عبدالحلیم قاسمی بستوی احسن الہدایہ ترجمہ و شرح ہدایہ میں اس مسئلہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تحقیق ربو کے لیے دو علتوں کا پایا جانا ضروری ہے اور یہاں دونوں علتیں معدوم ہیں۔ اس لیے کہ گوشت موزون ہے اور حیوان غیر موزون (عدوی) ہے کیونکہ حیوان کو عرف عام میں نہ تو وزن کیا جاتا ہے اور نہ ہی وزن سے اس کی مقدار معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ کبھی تو وہ خود کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی سانس وغیرہ بھر کے خود کو بہت بھاری بنالیتا ہے لہذا ان میں اتحاد و قدر نہیں پایا گیا۔ اور صاحب کفایہ کی وضاحت کے مطابق یہاں اتحاد جنس بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حیوان متحرک اور حساس ہوتا ہے جب کہ گوشت حرکت و حس سے عاری ہوتا ہے۔ تو جب حیوان اور گوشت میں ربو کی دونوں علتیں معدوم ہیں۔ تو انہوں نے ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا درست اور جائز ہو گا خواہ برابری کے ساتھ ہو یا کمی اور بیشی کے ساتھ ہو۔ (احسن الہدایہ جلد ۲ ص ۳۲۹)

## اعتراف نمبر ۹۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** تازہ کھجور کی بیج خشک کھجور کے ساتھ برابری پر بھی جائز نہیں۔

## حدیث نبوی ﷺ

عن سعد بن ابی وقاص قال سألت رسول اللہ ﷺ عن شری الثمر

بالرطب فقال اینقص الرطب اذا بیس قال نعم فنبی عن ذلک

(ترجمہ) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ سے سوال کیا سو کھی کھجور کو تازہ کھجور کے بدلے خریدنے کے بارے میں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تازہ کھجور جب خشک ہو جائے تو کم ہو جاتی ہے؟ کہا ہاں، تو آپ نے اس سے منع فرمادیا۔

(نسائی ج ۲ کتاب البیوع باب اشتراء التمر بالطرب صفحہ ۲۱۸، رقم الحدیث ۲۵۵۰) (ابوداؤد ج ۲ کتاب البیوع باب فی التمر بالتمر صفحہ ۱۲۱، رقم الحدیث ۲۳۵۹)، (ترمذی ج ۱ ابواب البیوع باب ما جاء عن النبی عن الماحقۃ والمزابنہ صفحہ ۲۲۲، رقم الحدیث ۱۲۲۵) (ابن ماجہ ج ۱ ابواب التجارات باب بیع الرطب بالتمر صفحہ ۱۶۴، رقم الحدیث ۲۲۶۲)

### فقہ حنفی

#### یحوز بیع الرطب بالتمر مثلاً، بمثل

(ہدایہ اخیرین ج ۲ کتاب البیوع باب الریو اصغہ ۸۳)

(ترجمہ) تازہ کھجور کی بیع خشک کھجور کے ساتھ، بطور برابری کے جائز ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۳۳)

### جواب:

ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خشک کھجوروں اور تر کھجوروں کی بیع آپس میں جائز ہے بشرطیکہ دونوں طرف سے کھجوریں بالکل برابر ہوں اور سودا نقد ہو، کسی طرف سے بھی ادائیگی ادھار نہ ہو۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اس معاملے میں دو ہی باتیں کہنا ممکن ہے یا تو خشک کھجور اور تر کھجور کی جنس الگ الگ ہے یا پھر ایک ہی جنس ہے اگر دونوں ایک ہی جنس ہوں تو حدیث میں بصراحت مذکور ہے کہ کھجور کے بدلے کھجور کو برابری اور نقد سودا ہونے کی شرط پر بیچنا جائز ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵)

اور اگر دونوں ایک جنس نہیں بلکہ الگ الگ اجناس ہیں تو بھی حدیث ہی میں آیا ہے کہ جب تم مختلف اجناس کی آپس میں بیع کرو تو کمی بیشی کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ سودا نقد ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵) گویا جو بھی صورت اختیار کی جائے خشک کھجور اور تر کھجور کی آپس میں بیع کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا۔ تاہم چونکہ یہ بالکل واضح ہے کہ خشک کھجور اور تر کھجور کی جنس ایک ہی ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کی آپس میں بیع ان دو شرطوں کے مطابق ہی درست ہوگی جو احادیث میں صراحتاً مذکور ہیں یعنی یہ کہ کھجوریں دونوں طرف سے برابر ہوں اور سودا نقد ہو۔



رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں

(۱) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خود اسی روایت کے بعض طرق میں صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نبی ادھار بیچنے سے کی تھی۔ چنانچہ سنن اکبری پہلی ج ۵ ص ۲۹۲ اور طحاوی ج ۲ ص ۱۶۱ میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی جو روایت آئی ہے اس میں حضرت سعد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک کھجوروں کے بدلے میں تر کھجوروں کو ادھار کر کے بیچنے سے منع فرمایا۔ اور اس صورت میں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں بھی نہیں وارد ہے۔ ان روایات میں جو نبی مذکور ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ درحقیقت بیع مزاہنہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ (مزاہنہ کا مطلب ہے درختوں پر لگی کھجوروں کا اندازہ کر کے انہیں کٹی ہوئی معلوم المقدار کھجوروں کے بدلے بیچنا) اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم میں مکمل آئی ہے اور اس میں صراحت ہے کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاہنہ سے منع فرمایا اور مزاہنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ ماپ کر اور میوے کو (درخت پر لگے) انگوروں کے ساتھ ماپ کر بیچا جائے۔  
(مسلم ج ۲ ص ۹)

مزاہنہ سے نبی کی علت یہ ہے کہ اس میں کمی بیشی کا احتمال قوی موجود ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں کھجوروں کی مقدار دونوں طرف سے مساوی ہے اس لیے مزاہنہ کا حکم اس پر جاری نہیں ہو سکتا۔  
(امام ابو حنیفہ اور عمل بالغہ یت ص ۱۸۱ تا ۱۸۳)

## اعتراض نمبر ۹۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** بیع عرایا (اندازہ کر کے بیع کرنا) کی رخصت ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی بیع العرایا بخرصھا من التھر فی مادون خمسة اوسق اوفی خمسة اوسق شك داؤد بن الحصین

(ترجمہ) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے بارے میں بیع عرایا کی رخصت دی۔ جب وہ (کھجور) پانچ وقت تک بیچ جائے۔

(بخاری ۱۲ کتاب البیوع باب بیع التمر علی رؤس النخل بالذهب والفضة ص ۲۹۴، رقم الحدیث ۲۱۹۰، بلغظ مختلفة) (مسلم ۲ کتاب البیوع باب تحریر بیع الرطب بالتمر المافی العرایا صفحہ ۹۰، رقم الحدیث ۳۸۹۲)

## فقہ حنفی

### فلانیجوز بطریق الخرص۔

(ہدایہ اخیر بن کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۲۷ صفحہ ۵۲)  
(ترجمہ) اندازے (عرایا) کے طریق پر بیع کرنا جائز نہیں ہے۔  
(فقہ حدیث ص ۱۳۴)

### جواب:

راشدی صاحب نے یہاں پر ہدایہ کی مکمل عبارت نقل نہیں کی اگر وہ مکمل عبارت نقل کر دیتے تو مسئلہ خود ہی صاف ہو جاتا تھا۔ ہدایہ میں اصل مسئلہ بیع مزاہنہ اور بیع عرایا کا چل رہا ہے۔ کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیچنا درست ہے یا نہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ درست نہیں کیونکہ یہ بیع مزاہنہ ہے اور شریعت میں بیع مزاہنہ منع ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ، صحاقلہ اور مزاہنہ سے منع فرمایا۔ محافلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت کو سو فرق گندم کے عوض بیچے اور مزاہنہ یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوروں کو سو فرق کے عوض بیچنا اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تنہائی یا چوتھائی پر (مشکوٰۃ باب المنہی عنہا من البیوع) اس حدیث کے علاوہ بھی اور بہت سی احادیث میں بیع مزاہنہ سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ بھی منع فرماتے ہیں۔

قارئین آپ کے علم میں اب مسئلہ کی صحیح صورت آگئی ہوگی اس اجازت کا نام ہی بیع عرایا ہے۔

### عرایا کا مطلب

عرایا عربیہ کی جمع ہے کسی شخص کو کھجور کے درخت کے پھلوں کا عطیہ دیا جائے نہ کہ اس کے درخت کا۔ تو اس کو عربیہ کہتے ہیں عرب میں جب خشک سال ہوتا تو جن کے پاس کھجوروں کے درخت

ہوتے تو وہ خوشی سے ان لوگوں کو عاریہ کھجوریں دیتے جن کے پاس کھجوریں نہیں ہوتی تھیں۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اصل درختوں کا مالک نہیں بنایا گیا صرف درختوں پر جو کھجوریں ہیں وہ ان غریب لوگوں کو کھانے کے لیے کہا تھا کہ یہ دو یا تین درختوں کی کھجوریں کھا سکتے ہیں جن لوگوں کو یہ عاریہ

## اب آئیے اصل مسئلے کی طرف

ایک شخص نے اصحاب عرایا کو اجازت دے دی مگر بعد میں وہ شخص کسی وجہ سے تازہ کھجوریں خود رکھنا چاہتا ہے اور اسے خشک کھجوریں دینا چاہتا ہے۔ تو اس کی آپ ﷺ نے صرف پانچ وق سے کم میں اجازت دی ہے۔ مسئلے کی اس شکل کو غیر مقلد بیچ کہتے ہیں۔ جب کہ احناف اس کو بیچ نہیں کہتے۔ اگر اس کو بیچ کہا جائے تو یہ مزانہ کی صورت بنتی ہے جو منع ہے۔ البتہ اس کو ہبہ کہنا درست ہے اور ایسی شکل میں فقہائے احناف بیع العرایا کے جواز کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ عربیہ درحقیقت عطیہ ہے اور اس پر بیع کا اطلاق صورتہ کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱، ص ۴۳۲)

اس اعتراض کے جواب میں امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث میں لکھا ہے۔

البتہ اس معاملے میں خود حضور اکرم ﷺ نے ایک صورت یعنی ”عرایا“ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کا ذکر اوپر اعتراض کے ضمن میں منقول حدیث میں ہے ”عرایا“ کا معنی ہے۔ ”ہبہ کیئے ہوئے درخت“ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے باغ کے کچھ درخت کسی محتاج کو ہبہ کر دے۔ پھر بعد میں وہ کسی وجہ سے اسے درخت پر لگے ہوئے پھل دینے کے بجائے کٹے ہوئے پھل اس آدمی کو دے دے۔ اس صورت میں اگرچہ بظاہر مزانہ کی صورت پائی جاتی ہے لیکن اس کو اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ درحقیقت اس میں وہ علت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے مزانہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مزانہ میں ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں اندازے کے ساتھ ایک جنس کی اشیاء کا باہمی تبادلہ کیا جاتا ہے اور اس میں کمی بیشی کا احتمال پایا جاتا ہے جو کہ شریعت میں ممنوع ہے۔ جبکہ عرایا میں سرے سے تبادلہ ہی نہیں پایا جاتا یعنی یہاں صورت یہ نہیں ہے کہ موهوب لہ (جس آدمی کو ہبہ کیا گیا ہے) سے درخت پر لگے ہوئے پھل لے کر ان کے بدلے میں اسے کٹے ہوئے پھل دیئے جا رہے ہیں بلکہ صورت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے نے ایک چیز ہبہ کرنے کے بعد موهوب لہ کے قبضے میں جانے سے پہلے ہی واپس

لے لی اور اس کی جگہ دوسری چیز بہہ کر دی۔ چونکہ پہلی چیز موہوب لہ کے قبضے میں نہیں گئی اس لیے اس پر اس کی ملکیت ثابت نہ ہو سکی اس طرح بہہ کرنے والے نے جب پہلی چیز واپس لی تو وہ اس کی اپنی ہی مملوکہ چیز تھی نہ کہ موہوب لہ کی۔ پس جب اس نے اپنی ہی چیز ایک چیز کی جگہ دوسری چیز دی ہے تو تبادلہ نہیں پایا گیا۔ اس لیے کمی بیشی بھی ناجائز نہ رہی۔ (امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۲۰۰)

ہمارے نزدیک یہ شکل جس کو غیر مقلدین نے بیع عرایا کا نام دیا ہے جائز ہے۔ راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کی شرح میں نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔ پانچ وسق سے کم کی قید اس لئے ہے کہ اس اجازت کا تعلق احتیاج اور ضرورت سے ہے اور احتیاج و ضرورت پانچ وسق سے کم ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ عرایا کہ پھلوں کی مذکورہ بیع و تبادلہ پانچ وسق سے کم میں سب ہی علماء کے نزدیک جائز ہے۔ (مظاہر حق ج ۳ ص ۹۵)

اس بات میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف محتاجوں ہی سے ہے یا اعداء بھی اس اجازت کے دائرہ میں آتے ہیں چنانچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ اجازت دونوں کے لئے ہے۔ (مظاہر حق ص ۹۵ بلدموم)

## اعتراض نمبر ۹۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** کسی بھی صورت میں وقف، وقف کرنے والے کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر انه اصاب ارضا بخيبر فأتى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ﷺ واني اصببت ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندى منه فماتاً مرنى به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق بها عمر انه لا يباع اصلها ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها في الفقراء وفي القرى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضعيف لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف او يطعم صديقاً غير متهمول فيه۔

(ترجمہ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میرے نزدیک نفیس ترین مال وہ زمین ہے جو مجھے خیر میں ملی، اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہے (تو یہ کر سکتا ہے کہ) اس کی ملکیت اپنے پاس رکھے اور اس کی پیداوار صدقہ کر دے، اس لیے کہ ملکیت کو (یعنی وہ چیز جس کو وقف کر دیا جائے اس کو) نہ بیچا جاسکتا ہے، نہ وہ ورثہ میں دی جاسکتی ہے، ہاں اس کی پیداوار فقرا میں، قریبی رشتہ داروں میں، غلام آزاد کرنے میں، اللہ کے رستے میں، مسافر اور مہمان کو دینے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور جو اس کا سنبھالنے والا ہے اس کو معروف طریقے سے کھانا چاہیے تو کھا سکتا ہے۔

(بخاری کتاب الوصایا باب الوقف و کیف یکتب صفحہ ۹۹-۳۹۸، رقم الحدیث ۲۵۶۲)

(مسلم ۲ کتاب الوصیۃ باب الوقف صفحہ ۴۱، رقم الحدیث ۲۲۲۲)

### فقہ حنفی

قال ابو حنیفۃ لا یزول ملک الواقف عن الوقف الا ان یحکم بہ الحاکم۔

(ہدایہ اولین ۲ کتاب الوقف صفحہ ۶۳۶)

(ترجمہ) جب تک حاکم فیصلہ نہیں دیتا تب تک وہ وقف کرنے والے کی ملکیت

ہی رہے گی۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۵)

### جہاں:

اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک میں کچھ تفصیل ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو وقف کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اصل چیز ہی کو وقف کر دے۔ مثلاً کوئی جگہ مسجد یا مدرسہ یا ہسپتال وغیرہ کے لئے وقف کر دے۔ اس صورت میں ایک دفعہ وقف کر دینے کے بعد یہ چیز وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور وقف لازم ہو جاتا ہے۔ اب یہ شخص اس وقف شدہ چیز کو واپس نہیں لے سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اصل چیز کو وقف نہ کرے بلکہ اس سے حاصل ہونے والی



آمدنی کو وقف کرے مثلاً کسی باغ کا پھل، یا کسی دوکان کا کرایہ، کسی کام کے لیے وقف کر دے اور اصل چیز اپنے قبضے ہی میں رکھے۔

اس صورت میں آمدنی کو یہ وقف واپس کرنے کا اختیار ہے اور اگر وہ مر جائے تو اس کے ورثاء اس چیز کو واپس لے کر آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس دوسری صورت میں وقف صرف اس شکل میں لازم ہوگا جب حکومت اسے لازم قرار دے یا وقف کرنے والا بطور وصیت یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز وقف ہوگی یا وقف تو اپنی زندگی ہی میں کر دے لیکن اس وقف کو ہمیشہ کے لیے لازم قرار دے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کی دوسری صورت میں جس میں اصل چیز کے بجائے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی وقف کی جاتی ہے اصل چیز واقف کی ملکیت میں رہتی ہے۔ اس لیے اس کے انتظام و انصرام کا حق واقف کو ہوتا ہے اور اس کی آمدنی کو مختلف مدوں میں خرچ کرنے کی صوابدید اس کے پاس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے متعلق جتنے مالکانہ حقوق ہو سکتے ہیں وہ سب اس شخص کو حاصل رہتے ہیں۔ پس جب یہ چیز اس کی اپنی ملکیت میں ہے۔ اس کی آمدنی کو وہ بطور صدقہ خرچ کر رہا ہے تو بالکل بدیہی بات ہے کہ اس کے وقف کو واپس لینے اور اسے بیچنے یا دیگر تصرفات کرنے کا حق بھی اس کو حاصل ہوگا۔ اسی طرح اگر واقف (وقف کرنے والا) مر جائے اور اس نے وقف شدہ چیز کو دائمی طور پر موقوف قرار نہ دیا ہو تو ظاہر ہے، اس کی ملک میں ہونے کی وجہ سے یہ چیز اس کے ورثاء کا حق ہوگی اور انہیں اختیار ہوگا کہ وہ اسے وقف کی صورت سے نکال کر آپس میں تقسیم کر لیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک بالکل فقہی اور اصولی ہے اور احادیث میں اس کے خلاف کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ راشدی صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کی جو روایت نقل کی ہے اس سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تو کیا استدلال ہوتا لہذا ان کے موقف کی تائید ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر سے کہا کہ: یہ زمین اس طرح صدقہ کرو کہ اس کو نہ بیچا جاسکے نہ ہبہ کی جاسکے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جاسکے۔ لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۳۹۲)

راشدی صاحب کی نقل کردہ روایت میں صاف موجود ہے کہ انہوں نے وقف کرتے ہوئے یہ قید لگائی تھی کہ۔ اصل زمین نہ بیچی جاسکے گی نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگی۔

یہ صراحت امام ابو حنیفہ کے مسلک کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ اگر واقف وقف شدہ چیز کے بارے میں خود ایسی صراحت کر دے یا حاکم وقت اس کو ابدی قرار دے دے تو پھر امام صاحب کے نزدیک بھی اس کو بیچا یا وراثت میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا اس لیے امام صاحب کا مسلک حضرت عمر کے وقف کے روایت کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔

(نحوال امام ابو حنیفہ اور عمل بالحدیث ترمیم و اضافے کے ساتھ ص ۷۵ تا ص ۷۷)

## اعتراض نمبر ۹۷

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** شراب کی بیع ہر صورت میں حرام ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن جابر انہ سمع رسول اللہ ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام (ترجمہ) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں فرما رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

(بخاری ۳ کتاب البیوع باب بیع الميتة والاصنام صفحہ: ۲۹۸، رقم الحديث ۲۲۳۶)

(مسلم ۳ کتاب المساقات والمزارعة باب تحريم بيع الخمر والميتة الخ صفحہ: ۲۳، رقم الحديث ۴۰۲۸)

### فقہ حنفی

واذا امر المسلم نصرانيا ببيع خمر او بشرء ها ففعل ذلك جاز عندابي حنیفة۔

(ہدایہ آخرین ۳ کتاب البیوع باب بیع الفاسد صفحہ ۵۸)

(ترجمہ) اگر مسلمان عیسائی کو شراب کی خرید و فروخت کا حکم دے تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ (فتہ مدنیٹ ص ۱۳۶)

**جواب:**

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ اس حدیث کے مطابق ہے جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کی شروحات میں لکھا ہے۔

تیلی نشہ آور چیز خواہ شراب انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقاً حرام ہے نشہ دے یا نہ دے اس پر فتویٰ ہے۔ ان سب کی تجارت بھی حرام ہے۔ خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے اور دواؤں میں جبکہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال، لہذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع حلال بھی ہے۔ مردار وہ مرا ہوا جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے۔ بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام جیسے ہنومان۔ بھوانی رام چندر وغیرہ کے مجسمے یا فوٹو ان کی تجارت حرام ہے۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

مراد کی چربی کا استعمال حرام ہے احناف کے ہاں مردار کی چربی صابن۔ چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے نیز لکھتے ہیں نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلا نا منع ہے۔

(علامہ لمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح و اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ یہ دونوں کتابیں شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی کی ہیں)

نواب قطب الدین حنفی لکھتے ہیں:

عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے۔

(مظاہر حق ج ۳ ص ۳۹)

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت پوری نقل نہیں کی کیونکہ پتہ چل جاتا تھا کہ صاحبین منع کرتے ہیں اور فقہ حنفی میں فتویٰ بھی صاحبین کے قول پر ہی ہے۔ اور امام صاحب کی اجازت بھی سخت تر کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ گویا ان کے نزدیک بھی ناجائز ہی ہوا۔ ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

امام محمدؒ نے ذکر فرمایا کہ اگر مسلمان نے کسی نصرانی کو شراب بیچنے یا شراب خریدنے کا وکیل کیا اور وکیل نے یہ کام کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ مسلمان پر نہیں جائز ہے۔ اور سور کی خرید و فروخت کی وکالت میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ موکل خود یہ کام نہیں کر سکتا ہے تو بجائے اپنے دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا ہے اور اس لیے کہ جو حکم وکیل کے واسطے ثابت ہوتا ہے موکل کے طرف منتقل ہوتا ہے تو ایسا ہوا کہ گویا موکل نے خود یہ کام کیا جائز نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اپنی لیاقت ولایت سے خود عقد کرنے والا ہے اور موکل کی طرف ملکیت کا منتقل ہونا ایک امر حکمی ہے تو اسلام لانے سے یہ ممتنع نہ ہوگا جیسے مسلمان نے شراب یا سور کو میراث پایا پس اگر شراب ہو تو اس کو سر کر لے اور اگر سور ہو تو اس کو ذبح کر دے۔ (بین الہدایہ جلد سوم ص ۱۰۱ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

قارئین کرام آپ نے ہدایہ کی پوری عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں ہے اور حنفی مذہب میں فتویٰ صاحبین نے قول پر ہے تو حنفی مذہب میں ایسا کرنا منع ہوا۔

امام ابو حنیفہ کے ہاں بھی ایسا کرنے کا حکم نہیں امام صاحب نے تو مسئلہ کا حل بتایا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ایسا کام کر لیا تو وہ اب کیا کرے۔

اس کے متعلق امام صاحب نے عبارت فرمائی جو راشدی صاحب نے نقل کی مگر آگے کی عبارت چھوڑ دی۔

غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار جلد نمبر ۳ ص ۹۵ ناشر ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔

یا جسے امر کیا مسلم نے یعنی وکیل کیا مسلم نے زمی کو شراب یا سور کے بیچنے یا خرید کرنے کے واسطے یا محرم نے غیر محرم سے کہا اپنے شکار کے بیچنے کے واسطے یعنی یہ تو وکیل اور بیع اور شراء امام کے نزدیک صحیح ہے نہایت کراہت کے ساتھ (عند الامام مع اشد کراہت) جیسے ضمانت سابقہ صحیح ہے اس واسطے کہ عاقد یعنی زمی وکیل پہلی صورت میں اور غیر محرم وکیل دوسری صورت میں تصرف کرتا ہے بیع اور شراء میں اپنی اہلیت سے نہ موکل کی اہلیت سے اور انتقال ملک کا موکل کی طرف امر حکمی ہے۔

اس عبادات کے آگے لکھا ہے۔

اور صاحبین نے کہا کہ بیع مذکور صحیح نہیں۔

یعنی باطل ہے اور یہی قول ظاہر تر ہے۔ کذا فی البشر نبلا لیه عن عن الیہوہان۔

آگے مترجم کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

جب امام کے نزدیک جواز بیع اشد کراہت کے ساتھ ہوا تو مسلم کو واجب ہے کہ در صورت خرید شراب کو مکر کہ بناوے یا اس کو زمین پر بہا دے اور سور کو چھوڑ دے۔ اور در صورت بیع اس کے ثمن کو تصدق کرے (یعنی اس کی رقم کو صدقہ کر دے) کذا فی الطحاوی عن الحموی۔ (غایۃ الاوطار ج ۳ ص ۹۵) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کیا ہے راشدی نے حنفی مذہب صحیح نقل نہیں کیا۔

## اعتراض نمبر ۹۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** صدقہ فطر کے لیے نصاب زکوٰۃ فرض نہیں

## حدیث نبوی ﷺ

عن عبد الله بن أبي صعب عن أبيه قال قال رسول الله ﷺ

أما فقير كم فيرد عليه أكثر مما أعطاه

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے فقیروں کو فطرہ

دینے سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ (یعنی فقیر بھی صدقہ فطر ادا کرے۔)

(ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من روي نصف صاع من قمح ۳ صفحہ ۲۳۵ رقم الحدیث ۱۶۱۹)

## فقہ حنفی

صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا للانصاب.

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر صفحہ ۲۸)

(ترجمہ) صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جب وہ زکوٰۃ کے نصاب کا مالک ہو۔

(فتاویٰ و حدیث ص ۱۳)

## جہاں:

عید الفطر کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر اور زکوٰۃ الفطر کہتے ہیں چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کر وہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لیے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں نیز قرآن کریم میں صدقۃ الفطر پر زکوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے قد افلح من تزكى و ذكر اسم ربك فصلی (ترجمہ: بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔

(سورۃ الاعلیٰ آیت نمبر ۱۴-۱۵)

ان دو آیتوں میں بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ عید ہے اور تزکی سے مراد صدقۃ الفطر کی ادائیگی ہے۔

(دیکھئے تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۶ پارہ ۳۰)

سورۃ الاعلیٰ کی آیت نمبر ۱۴-۱۵ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”تزکی“

ای تصدق صدقۃ و ذکر اسم ربہ کبر یوم العید فصلی صلاۃ العید و عن جماعة من السلف ما يقتضي ظاهره حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ بھی اور بہت سے دلائل ہیں۔

احادیث میں بھی جا بجا صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ الفطر کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔



(۱) چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی صدقة الفطر میں موجود ہے اس میں آتا ہے عن ابی سعید الخدری قال کنا نخرج زکوٰۃ الفطر۔

(۲) ترمذی کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی موجود ہے اس میں بھی فرض زکوٰۃ الفطر من رمضان کے الفاظ موجود ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت ترمذی باب ماجاء فی تقدیمها قبل الصلوٰۃ میں آتی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ یا مری باخراج الزکوٰۃ قبل الغدو للصلوٰۃ۔

(۴) سنن الکبریٰ بیہقی باب جماع ابواب زکاۃ الفطر ج ۴ ص ۲۶۸ میں ایک روایت جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ (عن کثیر ابن مبدان المزنی عن ابیہ عن عبدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اطلع من قریۃ من تری وہ کرامہ فی آیت نمبر ۱۴۔ ۱۵ سورۃ الاطی پارہ نمبر ۳۰)

قال ہی زکوٰۃ الفطر۔

ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ الفطر کہنا اور سمجھنا قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے لہذا جب صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ قرار دیا گیا تو اس کا نصاب بھی وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا ہے۔ فقہ حنفی میں صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) آدمی آزاد ہو (۲) مسلمان ہو (۳) مقدار نصاب کا مالک ہو۔ شرط نمبر ۳ پر مولانا راشدی صاحب کو اعتراض ہے۔ کہ یہ جو ہدایہ میں لکھا ہے غلط ہے فطرانہ دینے کے لیے غنی کا ہونا ضروری نہیں مسکین فقیر بھی ادا کریں گے۔

حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا تم منقریب اہل کتاب کی قوم کی طرف جاؤ گے سو جب تم ان کے پاس جاؤ تو پہلے ان کو یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں پس اگر وہ اس دعوت میں تمہاری اطاعت کر لیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان

پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ (تَوَخَّذْ مِنْ اَغْنِيَا۟هُمْ فَتَرُدَّ عَلٰی فَقَرَا۟هُمْ) جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو تم ان کے اموال میں سے عمدہ چیزوں سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی دعا سے ڈرنا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اِذَا الصَّدَقَةُ مِنَ الْاَغْنِيَا۟ وَتَرُدُّ فِي الْفُقَرَا۟ حَيْثُ مَا كَانُوْا ص ۲۰۳ ج اول)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صدقہ مالداروں سے لیا جائے گا۔ اور مالدار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیہ سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔

حدیث نمبر ۲:

وَقَالَ النَّبِيُّ لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْر غَنِيٍّ

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عمدہ صدقہ وہی ہے جس کے بعد

آدمی مالدار ہی رہے۔ (یعنی فقیر نہ ہو جائے)

(بخاری کتاب الوصایا باب تاویل قول اللہ تعالیٰ مَنْ بَعْدَ وَصِيٍّ تَوَقُّونَ بَهَا۟ وَدِينِ) تعلیقاً

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکوٰۃ میں ایک مستقل باب بھی اس نام سے بندھا ہے:

بَابُ لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْر غَنِيٍّ

(ترجمہ) باب صدقہ وہی بہتر ہے جس کے بعد آدمی کے مالدار رہنے میں بظاہر

کوئی فرق نہ آئے۔

اس باب میں آگے امام بخاری فرماتے ہیں:

اور جو خیرات کر کے خود محتاج و فقیر ہو جائے یا اس کے گھر والے یا خود مقروض ہے تو قرض

اتارنا خیرات دینے سے بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہترین خیرات وہی ہے

جس کے دینے کے بعد بھی آدمی مالدار رہے اور پہلے انہیں خیرات دے جو تری نگہبانی میں ہے۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْر غَنِيٍّ)

## حدیث نمبر ۴:

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور پہلے اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقرباء کو خیرات دے۔ اور بہترین خیرات وہی ہے، جسے دے کہ بھی آدمی مالدار رہے۔ اور جو کوئی سوال کرنے سے بچنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا۔ جو غناء کی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی رکھے گا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لاصدقۃ الاغن ظہر غنی)

## حدیث نمبر ۵:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اصل صدقہ تو دل کے غناء کے ساتھ ہوتا ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ اور تم صدقات و خیرات میں ان لوگوں سے ابتداء کرو جو تمہاری ذمہ داری میں آتے ہیں۔

(مسند احمد حدیث نمبر ۱۵۵)

ہم نے حنفی مسلک کے دلائل نقل کر دیئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غنی پر یعنی صاحب نصاب پر صدقۃ الفطر واجب ہے مسکین و فقیر پر نہیں رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

## جواب نمبر ۱:

یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ اس کی سند میں نعمان ابن راشد موجود ہے جو سخت قسم کا ضعیف ہے۔ اس کے متعلق امام بخاری نے فرمایا کہ یہ وہی ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ مضطرب الحدیث ہے۔ امام نسائی اس کو ضعیف اور کثیر الغلط کہتے ہیں۔ (تہذیب)

## جواب نمبر ۲:

راشدی صاحب نے حدیث کے الفاظ صرف ماعطاء تک نقل کیے ہیں۔ جبکہ ابوداؤد میں اس کے آگے یہ الفاظ بھی موجود تھے زاد سلیمان فی حدیثہ غنی او فقیر۔ سلیمان نے اپنی روایت میں غنی اور فقیر زاد کیا۔

## جواب نمبر ۳:

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ صدقات جن لوگوں کو دینی چاہیے ان میں فقیر اور مسکین

شامل ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

انما الصدقة للفقراء والمساكين

صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔

(پارہ نمبر ۱۰، سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۰)

اس آیت سے ایک اصول سمجھ آتا ہے کہ ذکوۃ لینے والوں میں فقیہ اور مسکین شامل ہیں دینے والوں میں نہیں۔

جواب نمبر ۴: عقلی طور پر بھی یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ فقیر فطرہ دے بھی اور دوسروں کا فطرہ لے بھی۔

## اعتراض نمبر ۹۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) کہنا ہے نہ کہ کوئی اور جملہ

حدیث نبوی ﷺ

مسئلہ ۸۲ میں حدیث گزری، جس کے الفاظ ہیں:

تحريمها التكبير

(ترجمہ) نماز میں داخل ہونے کے لیے صرف تکبیر ہے۔

(جامعہ ترمذی کتاب الصلاۃ باب ماجاء في تحريم الصلاۃ وتحليلها رقم الحديث ۱۳۲۸ ص ۴۲)

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب مفتاح الصلاۃ لطلہو رقم الحديث ۲۸۶ ص ۲۴)

نیز ایک اور حدیث میں ہے:

كان إذا دخل في الصلوة كبر

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نماز میں داخل ہوتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے۔

(بخاری کتاب الصلوۃ باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين صفحہ ۱۰۴، رقم الحديث ۴۹)

## فقہ حنفی

فإن قال بدل التكبير الله أجل أو الله أعظم أو الرحمن أكبر

أولاه إلا الله أو غيره من أسماء الله تعالى أجزءاً عند أبي حنيفة

(ہدایہ اولین کتاب الصلوۃ باب صفة الصلوۃ ص ۱۰۰)

(ترجمہ) اگر نماز پڑھنے والا اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل، اللہ اعظم،

الرحمان اکبر۔ لا اله الا الله يا الله تبارك وتعالى کے دوسرے اسماء میں سے کوئی اور نام کہتا ہے تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

فان افتتح الصلوة بالفارسی او قرأ بالفارسیة او ذبح وسمی بالفارسیة وهو یحسن العربیة اجزأه عند ابی حنیفة۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوة باب صفة الصلوة ص ۱۰۱)

(ترجمہ) اگر نماز کو فارسی سے شروع کیا یا قرأت فارسی میں کی یا جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ فارسی میں پڑھی اور وہ عربی زبان سے اچھی زبان سے اچھی طرح واقف بھی ہے تب بھی ابو حنیفہ کے نزدیک (اس طرح کرنا) جائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۸)

**جواب:**

راشدی صاحب نے بالکل جھوٹ بولا ہے کہ حنفی ان حدیثوں کو نہیں مانتے ہم ان دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں جن کا حوالہ راشدی صاحب نے دیا ہے۔ ہماری ہر فقہ کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ نماز تکبیر سے شروع کرے یعنی لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع کرے اور السلام علیکم رحمۃ اللہ پر ختم کرے۔ ملاحظہ فرمائیں علمائے احناف کے حوالہ جات

(۱) حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

**مسئلہ:**

تکبیر تحریمہ کے لیے سب سے بہتر الفاظ اللہ اکبر ہیں جن پر آنحضرت کا عمل رہا ہے (نماز مسنون ص ۳۱۲)

(۲) مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ حنفی دہلوی لکھتے ہیں:

نماز کی نیت کر کے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاؤ اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھ لو۔  
(تعلیم الاسلام حصہ اول ص ۲۶ و ص ۲۷ تاج کینی)

(۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱: نماز کی نیت کر کے اللہ اکبر کہے۔ (بہشتی زیور حصہ دوم فرض نماز پڑھنے کا طریقہ کا بیان ص ۱۱۴)

(۴) مولانا فیض احمد صاحب حنفی نے ”نماز مدلل“ ص ۲۸ پر دو حدیثیں نقل کی ہیں یستفتح

الصلوة بالتکبیر (مسلم ج ۱ ص ۹۴) والی اور تحریمھا التکبیر (ابوداؤد ترمذی ج ۱ ص ۳) والی

پھر مسئلہ لکھا ہے۔ نمازی رو بقبلہ ہو کر نماز کی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے۔



راشدی صاحب کہتے ہیں خفی ان حدیثوں کو نہیں مانتے اور ہم نے ثابت کر دیا کہ خفی ان حدیثوں کو مانتے ہیں اور اپنی کتابوں میں نقل بھی کرتے ہیں۔

(۵) مولانا مفتی جمیل احمد ندیری خفی رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز ص ۹۰ پر لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا۔

(۶) مولانا محمد الیاس فیصل نماز پیہر علیہ السلام کے ص ۱۰۰ و ۱۰۱ پر لکھتے ہیں انگوٹے کانوں کی لو

کے بالقابل ہوں۔ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو۔

(۷) مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی، سنت کے مطابق نماز پڑھیے کے ص ۱۴ پر لکھتے ہیں

فائدہ: خواہ کوئی بھی نماز ہو شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہنا شرط اور فرض ہے علامہ حلبی

نے شرح منیہ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (السعی شرح دقایق ص ۱۰۶)

(۸) حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب، نماز اہل السنۃ والجماعۃ کے صفحہ ۴۶ پر حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی روایت ابو داؤد ج ۱ ص ۹۸ سے نقل فرمائی ہے۔ اس میں ہے و تحریمہا

التکبیر و تحلیہا التبیح اس سے معلوم ہوا کہ خفی اس حدیث کو مانتے ہیں اور خفیوں کا

عمل بھی اسی کے مطابق ہے۔

(۹) ڈاکٹر محمود الحسن عارف نماز حبیب علیہ السلام ص ۸۲ میں ارکان و فرائض نماز کے تحت نمبر ۱ پر لکھتے

ہیں۔ تکبیر تحریمہ، تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے ”ایسی تکبیر جو حلال کاموں کو بھی حرام کر دے اس سے

مراد نماز شروع کرتے وقت کہی جانے والی تکبیر (اللہ اکبر) ہے۔ پھر شکوۃ کے حوالہ سے حضرت

علی رضی اللہ عنہ والی روایت و تحریمہا التکبیر اور ابن ماجہ، ابو داؤد کے حوالہ سے حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہ والی روایت جس کے الفاظ میں کان یستفتح الصلوۃ بالتکبیر نقل فرماتے ہیں۔

(۱۰) مولانا امداد اللہ انور مستند نماز خفی ص ۱۱۸ پر لکھتے ہیں۔

امام ہو یا مقتدی، اللہ اکبر کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

(۱۱) مولانا محمد امان اللہ الدلائل السنیۃ فی اثبات الصلوۃ السنیۃ کے ص ۵۴ پر لکھتے ہیں

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز پھر حضرت عائشہ کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے۔

(۱۲) مولانا رشاد احمد فاروقی احکام و آداب طہارت، ”وضو اور نماز“ کے ص ۸۸ پر لکھتے ہیں۔

نمبر ۲۱ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور اللہ اکبر کے علاوہ سے افتتاح کرنا مکروہ ہے۔ یہ صحیح ہے۔

(شامی ص ۸۰ ج ۱، ہند فتاویٰ عالمگیری ص ۶۸ ج ۱، بحر الرائق شرح کنز الدقائق ص ۶۰ ج ۱)

(۱۳) مولانا حکیم محمد احمد ظفر سیالکوٹی ”الکتاب المقبول فی صلاة الرسول ﷺ“ کے ص ۲۳۵ میں لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے ”اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا۔ قرآن حکیم میں ہے و ربک فکبر

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر (مدثر: ۳)

(۱۴) مولانا ابوضیاء عبداللہ ہزاروی صفة صلاة النبی ﷺ کے ص ۱۲۶ پر لکھتے ہیں۔

یعنی اللہ اکبر کہہ کر نمازی نماز میں دخل ہو جاتا ہے اور آخر میں السلام علیکم کہہ کر نماز سے نقل جاتا ہے۔

(۱۵) علامہ ظہیر احسن شوق نیوی حنفی، آثار السنن باب افتتاح الصلاة بالتکبیر میں حضرت ابی حمید

الساعدی رحمہ اللہ کی حدیث نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ حضرت ابو حمید الساعدی

رحمہ اللہ نے کہا رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے

ہاتھوں کو اٹھاتے اور فرماتے اللہ اکبر یہ روایت ابن ماجہ باب افتتاح الصلوٰۃ میں موجود ہے۔

ہم نے چند حوالے حنفی علماء کے پیش کر دیئے جن سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے

نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر سے کہنا چاہیے۔ اور فتاویٰ شامی فتاویٰ عالمگیری۔ بحر الرائق کے

حوالہ سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ اللہ اکبر کے علاوہ اور کسی لفظ سے تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

راشدی صاحب نے ہدایہ کی اس عبارت سے یہ سمجھا کہ امام صاحب کے نزدیک علی

الاطلاق اللہ اکبر کی جگہ دوسرے ناموں سے نماز شروع کرنا جائز ہے حالانکہ امام صاحب تو اللہ اکبر کے

علاوہ کسی اور نام سے نماز شروع کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں:

فقد ذکر القدوری عن ابن حنیفۃ رحمۃ اللہ نصابہ کرة الافتتاح

الایقولہ اللہ اکبر قلت لانہ یخالف السنۃ (اعلاء السنن بلد دوم ص ۱۵۹)

(ترجمہ) امام قدوری نے امام ابو حنیفہ سے صراحت سے ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ

اکبر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے نماز شروع کرنے کو مکروہ کہتے ہیں میں کہتا ہوں

مکروہ اس لیے ہے کہ سنت کے خلاف ہے

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۶۸ میں ہے:

وهل يكره الشروع بغيرة مختلف المشايخ بعفهم قالوا يكره وهو  
الاصح هكذا في النخبة والمحيط والظهيرية

(ترجمہ) نماز بغیر تکبیر کے شروع کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے  
کہا ہے کہ مکروہ ہے اور یہی اصح ہے یہ ذخیرہ اور محیط اور ظہیر یہ میں لکھا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری مترجم اردو ج ۱۰۶)

فقہ حنفی میں اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے نماز شروع کرنے کو مکروہ لکھا ہے تو لازمی بات  
ہے کہ ہدایہ کی عبارت میں جو (اجزاء) ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی نماز  
باطل نہیں ہوگی۔ یا پھر اس کو عذر کی حالت پر محمول کریں گے۔ یا اس کو شاذ کہہ کر ترک کر دیں گے۔

باقی رہا اعتراض کا دوسرا جزء یعنی فارسی میں قراۃ کرنا تو یہ بھی حنفی مسلک میں درست نہیں۔

رہی وہ عبارت جو راشدی صاحب نے ہدایہ سے تعارض کے طور پر پیش کی ہے اس کا جواب خود  
ہدایہ ہی میں موجود تھا۔ جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کیا۔ اس عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

ویروی رجوعه فی اصل المسألة الى قولهما وعليه الاعتماد

(ترجمہ) اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے اور اسی پر

اعتماد ہے۔ (ہدایہ باب منہ الصلوۃ ج ۱ ص ۸۷)

(۱) نوح ابن مریم رحمۃ اللہ علیہ (شاگرد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ نے آخر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا کہ دوسری زبان میں قرأت

کرے گا تو کافی نہیں ہوگا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (امثار البدایہ)

(۲) در مختار میں اسی پر فتویٰ لکھا ہوا ہے۔ (ج ۱ ص ۱ کتاب الصلوۃ)

(۳) فتاویٰ عالمگیری عربی جلد اول ص ۶۹، اردو جلد اول ص ۱۰۸ میں لکھا ہے۔

اور روایت ہے کہ انہوں نے (امام ابو حنیفہ نے) صاحبین کے قول کی طرف

رجوع کیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسرار میں ہے کہ یہی اختیار کیا گیا

ہے اور تحقیق میں ہے کہ عامہ مشائخین کا یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ شرح نقالیہ

میں لکھا ہے جو شیخ ابوالکارم کی تصنیف ہے اور یہی اصح ہے یہ مجمع البحرین میں لکھا ہے۔

درمختار اور عالمگیری کے علاوہ امام انصام صاحب رحمۃ اللہ کے رجوع کا ذکر اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار میں ہے اور اس کی شرح قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار نمبر ۱۰ ص ۹ میں بھی موجود ہے، اس طرح اصول فقہ کی مشہور کتاب حسامی کے شروع میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے دیکھئے ص ۶، اور اس کے حاشیہ پر بھی اس مسئلہ کی عمدہ تحقیق کی گئی ہے۔ اصول کی ایک اور مشہور کتاب توضیح تلویح ص ۷۹ میں بھی امام صاحب کے رجوع کا ذکر موجود ہے پس جس مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع ثابت ہے اور بعد کے فقہائے احناف نے تصریح بھی کر دی اور فقہاء کا فتویٰ بھی اس پر نہیں۔ پھر حنفی مذہب پر یا امام صاحب پر طعن کرنا تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔

### ایک شبہ کا ازالہ

غیر مقلدین جب جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو عوام کے سامنے ایک شبہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ایسے مسائل پھر فقہ کی کتابوں میں کیوں لکھے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ۔ کہ قرآن پاک کی منسوخ آیات بھی تو قرآن میں موجود ہیں۔ اور قرآن پاک کی تفاسیر میں بھی ہر قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں یہی حال کتب حدیث اور ان کی شروحات کا ہے۔

حدیث کی کتاب کی کوئی شرح لے لیں مثلاً بخاری کی شرح فتح الباری ابن حجر عسقلانی شافعی کی ہی دیکھ لیں۔ اس میں ہر قسم کی روایات آپ کو مل جائیں گی۔ یہی حال سیرت النبی ﷺ کی کتب کا ہے، تاریخ کی کتابوں کا تو حال زیادہ ہی خراب ہوتا ہے۔ مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ ان کتابوں کو چھوڑ دو یا ان سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ یا ان کے مصنفین کو کچھ کہا ہو۔ جو بات قرآن و سنت کے خلاف ہو اس پر عمل مت کرو اور فقہ حنفی کی کتب کے لیے بھی ہم اسی اصول پر عمل کرتے ہیں۔

جو بات زیادہ قرآن و سنت کے مطابق ہو اس پر عمل کریں گے اور جو قرآن و سنت کے صریح خلاف ہوگی اس کو چھوڑ دیں گے۔ مگر غیر مقلدین کی طرح امام ابوحنیفہؒ یا دیگر فقہائے احناف کو بھرا بھلا نہیں کہیں گے۔

### اعتراض نمبر ۱۰۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

**مسئلہ:** نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا سنت نبویؐ ہے۔

### حدیث نبوی ﷺ

عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال صلیت مع النبیؐ فوضع یدہ

الیمنی علی الیسری علی صدرہ

(ترجمہ) سیدنا وائل بن حجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ

نماز پڑھی آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر انہیں اپنے سینے پر رکھ لیا۔

(راوہ ابن خزیمہ، فی کتاب الصلوٰۃ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ رقم الحدیث ۴۶۹، جلد اصغہ)

۲۲۲، مطبعہ المکتب الاسلامی بیروت)

## فقہ حنفی

ويعتمد بیدار الیمنی علی الیسری تحت سرۃ۔

(ہدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ ص ۱۰۲)

(ترجمہ) نمازی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۳۹)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں کسی میں آتا ہے تحت السرۃ یعنی ناف کے نیچے کسی میں آتا

ہے فوق السرۃ یعنی ناف کے اوپر کسی میں آتا ہے علی صدرہ یعنی سینے کے اوپر فقہائے احناف رحمہم اللہ نے

اس مسئلہ میں وارد ہونے والی تمام روایات کی تحقیق کر کے مردوں کے لیے تحت السرۃ والی روایات کو

ترجیح دی ہے اس لیے فقہ حنفی میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

## فقہ حنفی کے دلائل

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

جناح بن حسان فرماتے ہیں کہ میں نے ابو جحزہ (تابعی) سے سنا، یا ان سے پوچھا کہ نماز میں

ہاتھ کیوں کر باندھے جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اندر کے حصہ کو بائیں ہاتھ کی

ہتھیلی کے اوپر کے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱)

نیچے رکھے۔

حدیث نمبر ۳:

تابعی کبیر حضرت امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے



(کتاب الاثار امام ابوحنیفہ بروایت الامام محمد ص ۲۸)

نیچے رکھتے تھے۔

حدیث نمبر ۴:

ابوحنیفہ سے روایت کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا۔ نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔  
(۱) سنن العیسیٰ بن عقیل ج ۲ ص ۳۱ (۲) مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱ (۴) سنن  
داؤد ج ۱ ص ۲۸۶ (۵) سنن ابوداؤد سنن ابن الاعرابی۔

حدیث نمبر ۵:

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے  
فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے  
رکھتے تھے۔  
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰)

حدیث نمبر ۶:

حضرت ابوداؤد بن ابی نعیمؓ فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو  
ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔  
(مطی ابن حزم ج ۳ ص ۲۰)

حدیث نمبر ۷:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں (۱) افطار  
جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) اور دوران نماز دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا  
(۱) (مطی ابن حزم ج ۳ ص ۳۰) (۲) الخلائیات البیہقی قلی ج ۱ ص ۷۲ ب (۳) مختصر الخلائیات لابن فرج الشافعی جلد نمبر ۱ ص ۳۴۲

حدیث نمبر ۸:

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق میں سے  
ہیں (۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔  
(مختصر کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰)

ہم نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی جو روایات نقل کی ہیں ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام  
رضی اللہ عنہم تا لعین عظام سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں۔ ان روایات کا  
ذکر فقہ حنبلی کی مشہور زمانہ کتاب الفی ابن قدامہ (جو غیر مقلدین کے ہاں بھی سند کا درجہ رکھتی ہے علامہ  
احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کے بھائی ڈاکٹر فضل الہی صاحب غیر مقلد اپنی کتابوں میں اس پر اعتماد کرتے  
ہیں اور اکثر اس کے حوالہ جات اپنی کتب میں نقل کرتے ہیں دیکھئے مسائل قربانی وغیرہ۔)  
ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو مجلز ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور اسحق بن راہویہ سے مروی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے، روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابو داؤد نے اور سنت سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۴۷۲)

ان روایات سے حنفی مذہب ثابت ہوتا ہے محدثین میں سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی کتاب ترمذی شریف میں یہ طریقہ ہے کہ وہ حدیث نقل کرنے کے بعد فقہاء کے مذاہب بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس کس محدث کا کیا کیا مذہب ہے اور کون کون سی حدیث ان کے مذہب کی ہے۔ صحاح ستہ جو احادیث کی چھ معتبر کتابیں تصور کی جاتی ہیں ان میں ترمذی شریف ایک بلند مقام رکھتی ہے اس مسئلہ میں یعنی نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چائیں یا سینے کے اوپر امام ترمذی نے صرف دو مذہب نقل کئے ہیں ایک تحت السره والا اور دوسرا مذہب فوق السره والا ملاحظہ فرمائیں۔ امام ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۴ میں حضرت قبیصہ بن مہلب کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

اور کہا بعضوں نے کہ رکھے ان دونوں کو ناف کے اوپر اور کہا بعضوں نے رکھے ناف کے نیچے اور یہ سب جائز ہے ان کے نزدیک۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد برادر علامہ وحید الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۱۳۵)

یہ بات یاد رہے کہ امام ترمذی کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ اگر پوری ترمذی پڑھ جائیں تو آپ کو کہیں بھی نماز کے اندر ہاتھ باندھنے والے مسئلہ کے متعلق دو مذاہب کے علاوہ کوئی تیسرا مذہب نظر نہ آئے گا۔ اگر علی صدرہ والی روایت کے مطابق کسی محدث کا مذہب ہوتا تو امام ترمذی تیسرا مذہب بھی ضرور نقل کرتے۔

انہوں نے بھی ایک مذہب ناف کے نیچے والا نقل کیا جو حنفی مذہب ہے اور دوسرا جو نقل کیا وہ بھی حنفی مذہب ہی کے قریب ہے کیونکہ جو ناف کے اوپر ہاتھ رکھیں گے ان کے ہاتھ کا کچھ حصہ ضرور ناف کے نیچے آ جاتا ہے۔ المغنی ابن قدامہ اور ترمذی کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حنفی مذہب کی روایات قابل عمل ہیں اور حنفی مذہب کو حدیث کا مخالف بتانا غلط ہے۔

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کا حوالہ:

علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

ابوداؤد میں حضرت علی کا قول مذکور ہے کہ سنت ہے ایک کف کا دوسرے کف پر رکھنا ناف کے نیچے اور ابن ابی شیبہ نے وائل بن حجر سے مرویاً تحت السرة کو نقل کیا ہے۔ (مولانا امام مالک مترجم علامہ وحید الزماں ص ۱۳۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)

یہی وہ روایت جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

یہ روایت بخاری مسلم، ترمذی، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ جو حدیث کی مشہور چھ کتابیں ہیں جن کو صحاح ستہ کہتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی نہیں۔ غیر مقلد اکثر ہر مسئلہ میں کہا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ بخاری میں دیکھا وگرنہ جب اپنی باری آتی ہے تو پھر سب اصول ختم ہو جاتے ہیں۔

دوسرا جواب:

یہ روایت راشدی صاحب نے ابن خزیمہ سے نقل کی ہے مگر سند نقل نہیں کی ہم یہاں پر پہلے اس کی سند نقل کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو طاهر نا ابو بکر نا ابو موسیٰ نا مؤمل بن اسماعیل نا سفیان عن

عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال

اس سند میں پہلا راوی مؤمل بن اسماعیل ہے جو انتہائی ضعیف ہے جس کی تفصیل آگے آتی

ہے۔ دوسرا راوی سفیان ہے تیسرا راوی عاصم بن کلیب ہے چوتھا راوی کلیب ہے یہ تینوں راوی کوئی ہیں

اور غیر مقلدین کے نزدیک کوئی اور عراقی راویوں کی حدیث معتبر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مولانا محمد یوسف جے

پوری غیر مقلد حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۵ مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس شیش محل روڈ لاہور میں لکھتے ہیں۔

عراق والا آدمی اگر ہزار حدیثیں سنادے تو نو سو نوے کو تو چھوڑ ہی دو اور جو دس

باقی ہیں ان میں بھی شک رکھو۔

نیز سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ یوں آہستہ آہستہ آئین والی حدیث میں غلط کار قرار دے چکے ہیں اور

عاصم بن کلیب کو ترک رفع بدین والی حدیث میں ضعیف کہہ چکے ہیں کلیب کو بھی ضعیف کہتے ہیں ان

راویوں میں سے ایک بھی کسی سند میں آجائے تو یہ لوگ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ تو جس حدیث کی سند

میں یہ تینوں جمع ہو جائیں تو ان کی نزدیک کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

تیسرا جواب:

اس حدیث کا مرکزی راوی مول بن اسماعیل ہے اس روایت کو سفیان سے نقل کرنے میں مفرد ہے جیسا کہ امام بیہقی لکھتے ہیں۔

رواہ الجماعة عن الثوری لم یذکر واحد منهم علی صدرہ غیر  
مؤمل بن اسماعیل (الخلافت للبیہقی ص ۷۷ ق)

یعنی ایک جماعت نے امام سفیان ثوری سے اس روایت کو بیان کیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی علی صدرہ کے الفاظ نقل نہیں کیے سوائے مول بن اسماعیل کے۔ امام بیہقی کی اس عبارت سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس روایت کو امام سفیان ثوری سے ایک جماعت روایت کرتی والی ہے لیکن سوائے مول بن اسماعیل کے کوئی بھی علی صدرہ ذکر نہیں کرتا۔ (بحوالہ السنۃ الغرہ)

چوتھا جواب:

مول بن اسماعیل ضعیف ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔

(امان المیزان جلد ۷ ص ۴۰۶ تہذیب احمدیہ جلد نمبر ۱۰ ص ۳۹ تہذیب الکمال جلد نمبر ۲۹ ص ۷۸ میزان الاعتدال جلد نمبر ۴ ص ۲۲)

پانچواں جواب:

خود غیر مقلدین بھی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں غیر مقلدین کے حافظ محمد ادریس سلفی نے صحیح ابن خزیمہ کا ترجمہ کیا ہے جو چار جلدوں میں کراچی سے شائع ہوا ہے اس کی جلد اول ص ۵۴۴ میں اس حدیث کے متعلق حاشیہ میں ناصر صاحب لکھتے ہیں اس کی اسناد ضعیف ہے، کیونکہ مول وہ ابن اسماعیل ہیں جو کہ بڑے حافظ والے ہیں۔

اس راوی پر بہت سے محدثین نے جرح کی ہے ہم نے صرف امام بخاری کی جرح نقل کی ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (۱) السنۃ الغرہ فی وضع البیہقی تحت السرة (۲) الدرۃ الغرہ فی وضع البیہقی تحت السرة (۳) نماز میں باتھ ناف کے نیچے باندھنا تالیف مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حنفی مذہب الحمد للہ حدیث کے مطابق ہے نہ کے مخالف۔



حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

0301-4441805, 042-37360660